جگر مرادآبادی

★

ادارۂ فروغ اردو ○ لاہور

بار اول (پاکستان میں)
تعداد اشاعت' ایک ہزار
قیمت ساڑھے سات روپے

پرنٹر و پبلشر - محمد طفیل مالک ادارہ فروغ اردو - لاہور

حرفِ ناشر

یہ منصب تو بہر طور صاحبِ "شعلۂ طور" ہی کا تھا کہ وہ اِس کتاب کے جدید ایڈیشن سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے اور آپ کو بتاتے کہ یہ پہلے مطبوعہ نسخوں کے مقابلہ میں کیوں وقیع ہے۔ چنانچہ راقم الحروف نے حتی الامکان اس کی پوری کوشش کی۔ کہ وہی اس موضوع پر کچھ کہتے لیکن جب کوئی حیلہ کارگر نہ ہوا۔ تو بامرِ مجبوری اب خود ہی بعض اُمور کی طرف اشارہ کرکے اِس تشنگی کو تھوڑا سا کم کرنا چاہتا ہوں۔

ممکن ہے آپ کو جستجو ہو کہ آخر وہ کون سے موانع تھے۔ جن کی بنأ پر جگر صاحب اس مجموعہ کی نئی اور دلآویز ترامیم کے متعلق دو حرف بھی نہ لکھ سکے۔ اگر آپ کو اس مسئلہ سے دلچسپی ہے تو سنیئے:

جگر صاحب کی زندگی جس ڈھب سے گذر رہی ہے۔ وہ ان کے احباب اور پرستاروں کے لئے تو ایک نعمت کہی جا سکتی ہے لیکن ادبی حیثیت سے، اور خود ان کی ذات کے لئے بڑی حد تک مضرت رساں ہے۔ شب و روز یوں بسر ہوتے ہیں کہ دوستوں کے جمگھٹے میں گھرے بیٹھے ہیں۔ اور ان کا دکھ درد بٹانے میں مصروف ہیں، زبانی نہیں عملی صورت میں۔ اگر کسی مجبوری کی بنا پر کسی ملنے والے کے لئے کچھ نہ کر سکتے ہوں تو اس قدر تو ضرور کر لیتے ہیں۔ کہ دن بھر اسکی تکلیف کے تصور میں ہی کڑھتے رہیں۔

جو چیز ان پر مصیبت کی حد تک ارزاں ہے۔ وہ ہے دعوتوں کا لامتناہی سلسلہ۔ صبح دعوت، دوپہر دعوت، سہ پہر دعوت، رات دعوت، ملنے والے مارے خلوص کے ان کو دعوتوں ہی کے ذریعہ مارے دیتے ہیں۔ ان کی اس نوعیت کی "مظلومیت" کا اندازہ کر لینا

۔ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ شعر ان کے ذہن میں گھوم رہے ہیں۔ لیکن مصروفیات کے تقاضے اتنی مہلت ہی کہاں دیتے ہیں کہ وہ ان جذبات و احساسات کو کاغذ پر اتار سکیں یہی وجہ ہے کہ اب بمشکل سال بھر میں چار پانچ غزلیں کہہ پاتے ہیں۔

جب زندگی یوں بسر ہو رہی ہو تو ان سے ان ترامیم کی افادیت پر کچھ سن لینے کی آرزو کبھی پوری ہی نہیں ہو سکتی۔

جگر صاحب نے مجھے بتایا کہ انہوں نے اس مجموعہ کی نظرِ ثانی پر قریباً دو برس صرف کئے ہیں۔ یہ بات تو صرف جگر صاحب ہی بتا سکتے تھے کہ انہوں نے کس کس زاویۂ نظر سے اس میں کانٹ چھانٹ اور اضافہ کیا ہے لیکن جو کچھ میرے مشاہدہ میں آیا وہ یہ ہے :

۲۱۴ اشعار حذف کر دیئے گئے۔

۱۴۳ اشعار میں دلآویز ترامیم کی گئیں۔

۱۷ نئے اشعار ایزاد کئے گئے۔

کئی ایک کتابت کی اغلاط درست کر دی گئیں ——

گذشتہ مطبوعہ نسخوں میں دورِ چہارم شروع میں آتا ہے۔ پھر سوم، دوم اور اوّل۔ میرے خیال میں اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ اس وقت جگر صاحب غزل کے میدان میں جس بلند مقام پر ہیں۔ اس کے سبھی معترف ہیں ایسی صورت میں اگر ان کے کلام کو دور بہ دور ترتیب کے ساتھ پیش کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اس طرح قاری کے لئے سہولت ہو جاتی ہے کہ وہ شاعر کے ذہنی ارتقا کا بتدریج اندازہ کر سکے۔ چنانچہ اسی خیال کے پیشِ نظر میں نے مناسب سمجھا کہ سابقہ ترتیب کو یکسر بدل دیا جائے۔

اس اشاعت میں جگر صاحب کی اپنی لکھائی میں ایک نئی غزل شامل کی جا رہی ہے تاکہ انکی تحریر کا نمونہ بھی آپکے سامنے آ جائے۔ انکی تازہ تصویر کو شریکِ اشاعت کرنے سے مقصود یہ ہے کہ پڑھنے والی نظریں انکے کلام کے علاوہ، چہرے کے خد و خال سے بھی کچھ پڑھ سکیں۔ اور اس طرح میرے نزدیک یہ مجموعۂ کلام اپنے ادنیٰ و اعلیٰ محاسن کے اعتبار سے مکمل ہے۔

محمد طفیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

○
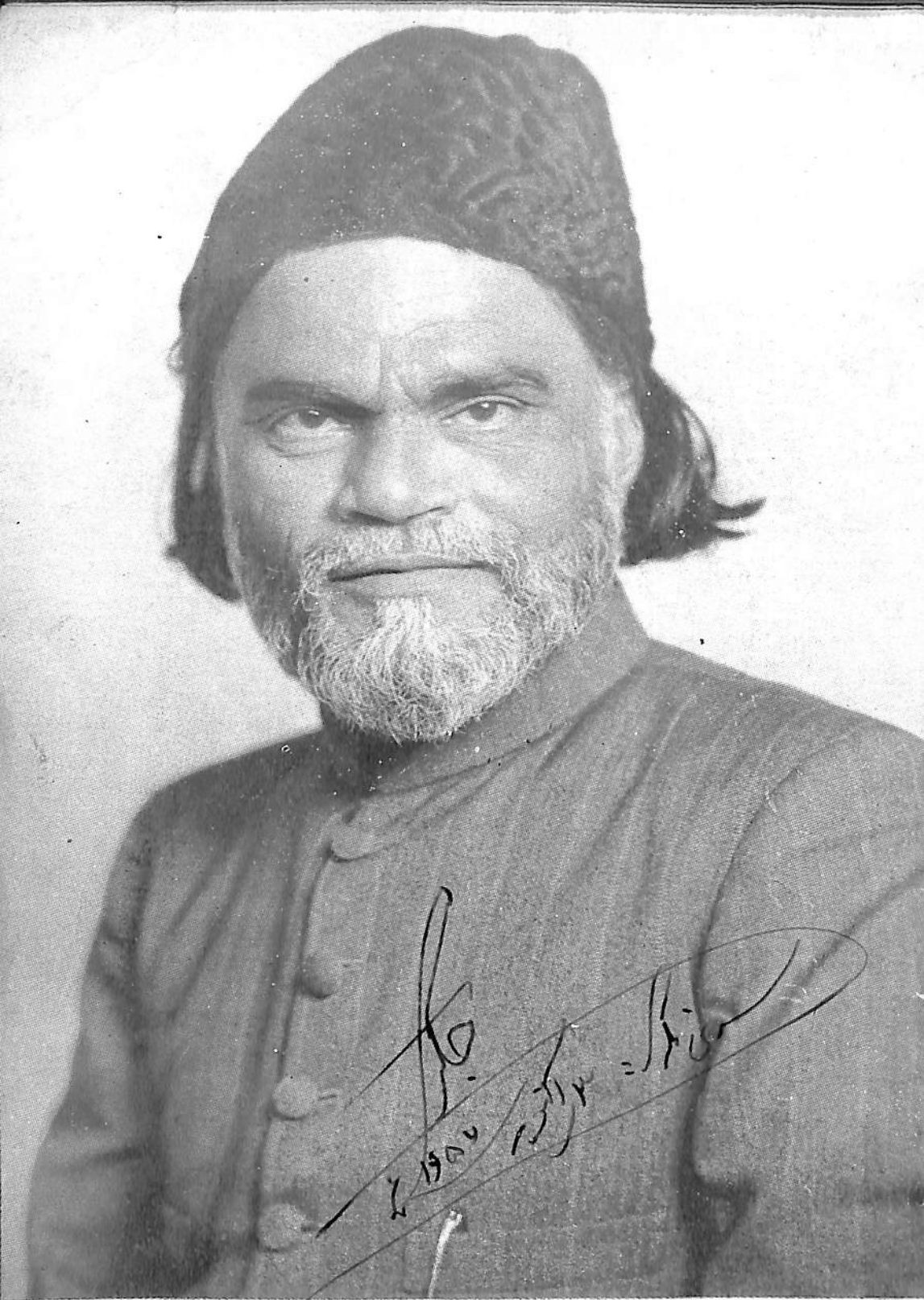
تجھی سے ابتدا ہے تو ہی اک دن انتہا ہوگا
صدائے ساز ہوگی اور نہ سازِ بے صدا ہوگا

ہمیں معلوم ہے ہم سے سنو محشر میں کیا ہوگا
سب اُس کو دیکھتے ہونگے وہ ہم کو دیکھتا ہوگا

سرِ محشر ہم ایسے عاصیوں کا اور کیا ہوگا؟
درِ جنّت نہ وا ہوگا، درِ رحمت تو وا ہوگا

جہنّم ہو کہ جنّت، جو بھی ہوگا فیصلا ہوگا
یہ کیا کم ہے ہمارا اور اُن کا سامنا ہوگا

ازل ہو یا ابد، دونوں اسیرِ زلفِ حضرت ہیں
جدھر نظریں اٹھاؤ گے یہی اک سلسلا ہوگا

یہ نسبت عشق کی، بے رنگ لائے رہ نہیں سکتی
جو محبوبِ خدا کا ہے وہ محبوبِ خدا ہوگا

اِسی اُمید پر ہم طالبانِ درد جیتے ہیں
خوشا دردے کہ تیرا درد، دردِ لا دوا ہوگا

نگاہِ قہر پر بھی جان و دل سب کھوئے بیٹھا ہے
نگاہِ مہر عاشق پر اگر ہوگی تو کیا ہوگا؟

یہ مانا، بھیج دے گا ہم کو محشر سے جہنّم میں
مگر جو دل پہ گزرے گی وہ دل ہی جانتا ہوگا

سمجھتا کیا ہے تو دیوانگانِ عشق کو زاہد!
یہ ہو جائیں گے جس جانب اُسی جانب خدا ہوگا

جگر کا ہاتھ ہوگا حشر میں اور دامنِ حضرت
شکایت ہو کہ شکوہ، جو بھی ہوگا برملا ہوگا

(کرہل ضلع مین پوری)

ترتیب

[illegible]

قطعہ ثانی :-

بستی تا عمر اللہ اللہ   رنگیں فطرت اما دہ طبیعت   سا تزن کا یہی حسن کہ آخر

حسن کی منزل عشق کا مسکن   فرش نشین اور عرش نشیمن   کون چھڑا سکے اپنا دامن

کوئی یہ کہدے، گلشن گلشن — لاکھ بلائیں ایک نشیمن

کامل رہبر، قاتل رہ زن — دل سا دوست نہ دل سا دشمن

پھول کھلے ہیں گلشن گلشن — لیکن اپنا اپنا دامن

عمریں بیتیں، صدیاں گذریں — ہے وہی اب تک عقل کا بچپن

عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے — عشق ہے کارِ شیشہ و آہن

برقِ حوادث، اللہ اللہ — جھوم رہی ہے شاخِ نشیمن

بیٹھے ہم ہر بزم میں لیکن — جھاڑ کے اٹھے، اپنا دامن

دل، کہ مجسم آئینہ ساماں — اور وہ ظالم آئینہ دشمن

خیر مزاجِ حسن کی یارب — تیز بہت ہے دل کی دھڑکن

تجھ سا حسیں اور خونِ محبت — وہم ہے شاید سرخیِ دامن

آج نہ جانے راز یہ کیا ہے — ہجر کی رات اور اتنی روشن

آ۔ کہ نہ جانے تجھ بن کب سے — روح ہے لاشہ جسم ہے مدفن

قطعہ

کام ادھورا اور آزادی — نام بڑے اور تھوڑے درشن

شمع ہے لیکن دھندلی دھندلی — سایہ ہے لیکن روشن روشن

علم ہی ٹھہرا علم کا باغی — عقل ہی نکلی عقل کی دشمن

قطعہ ثانی

ہستیِ شاعر، اللہ اللہ — حسن کی منزل عشق کا مسکن

رنگیں فطرت، سادہ طبیعت — فرش نشیں اور عرش نشیمن

کانٹوں کا بھی حق ہے کچھ آخر — کون چھڑائے، اپنا دامن

دورِ اوّل

ترتیب

و

ی

الف

○

کثرت میں بھی وحدت کا تماشا نظر آیا
جس رنگ میں دیکھا تجھے، یکتا نظر آیا

جب اُس رخِ پر نور کا جلوہ نظر آیا
کعبہ نظر آیا، نہ کلیسا نظر آیا

یہ حُسن، یہ شوخی، یہ کرشمہ، یہ ادائیں
دنیا نظر آئی مجھے، تو کیا نظر آیا

اک سرخوشیِ عشق ہے، اک بیخودیِ شوق
آنکھوں کو خدا جانے مری کیا نظر آیا

جب دیکھ نہ سکتے تھے، تو دریا بھی تھا قطرہ
جب آنکھ کھلی، قطرہ بھی دریا نظر آیا

قربان تری شانِ عنایت کے دل و جاں
اس کم نگہی پر مجھے، کیا کیا نظر آیا

ہر رنگ، تیرے رنگ میں ڈوبا ہوا نکلا
ہر نقش، ترا نقشِ کفِ پا نظر آیا

آنکھوں نے دکھا دی جو ترے غم کی حقیقت
عالم مجھے سارا تہ و بالا نظر آیا

○

پیوست دل میں جب ترا تیرِ نظر ہوا
کس کس ادا سے شکوۂ دردِ جگر ہوا

کچھ داغِ دل سے تھی مجھے امید عشق میں
سو رفتہ رفتہ وہ بھی چراغِ سحر ہوا

تھم تھم کے اُن کے کان میں پہنچی صدائے دل
اُڑ اُڑ کے رنگِ چہرہ مرا، نامہ بر ہوا

سینے میں پھر بھڑکنے لگی آتشِ فراق
دامن سے پھر معاملۂ چشمِ تر ہوا

رگ رگ نے صدقے کر دیا سرمایۂ شکیب
اللہ کس کا خانۂ دل میں گزر ہوا

فریاد کیسی؟ کس کی شکایت؟ کہاں کا حشر
دنیا اُدھر ہی لوٹ پڑی، وہ جدھر ہوا

وارفتگیٔ شوق کا، اللہ رے کمال
جو بے خبر ہوا، وہ بڑا باخبر ہوا

حسرت اُس ایک طائرِ بیکس پر اے جگر!
جو فصلِ گل کے آتے ہی بے بال و پر ہوا

○

ستم کا عدو مستحق ہو گیا
مرا دل، سراپا قلق ہو گیا

سنانے چلے تھے انھیں حالِ دل
نظر ملتے ہی، رنگ فق ہو گیا

جو کچھ بچ رہا تھا مرا خونِ دل
وہی آسماں پر شفق ہو گیا

چھپائے ہوئے تھے ترا رازِ عشق
مگر اب تو سینہ بھی شق ہو گیا

مری موت سُن کر، کیا اُس نے ضبط
مگر، رنگ چہرے کا فق ہو گیا

○

گھڑی بھر میں ناآشنا ہوگیا نہ جانے مرے دل کو کیا ہوگیا
دھڑکنے لگا دل، نظر جھک گئی کبھی اُن سے جب سامنا ہوگیا
مرے سر پہ احسان ہے عشق کا مرا رنگ ہی دُوسرا ہوگیا
نمایاں ہیں چہرے سے آثارِ عشق
جگرؔ! آج سے باخدا ہوگیا

(غالباً مراد آباد)

○

تری یاد کی اُف یہ سرمستیاں کوئی جیسے پی کر شراب آگیا
مرا اُن کا بننا بگڑنا ہی کیا نگاہیں ملیں اور حجاب آگیا
اداؤں میں شوخی جھلکنے لگی قیامت کو لے کر شباب آگیا
اِدھر جوشِ مستی، اُدھر چشمِ شوق مصیبت میں بندِ نقاب آگیا
جگرؔ! یہ قیامت کی بیہوشیاں
اُٹھو، سر پہ اب آفتاب آگیا

(فتحپور)

○

بغور دیکھ لو انداز میرے مٹنے کے یہ سانحہ نہ کبھی پھر نظر سے گزرے گا
قریبِ سرحدِ حرماں جگرؔ! ٹھہر جاؤ سُنا ہے قافلۂ غم اِدھر سے گزرے گا

(مراد آباد)

○

تصویرِ امیدوں کی آئینہ ملالوں کا	انساں جسے کہتے ہیں محشر ہے خیالوں کا

کیا خاک جواب اُن کو دوں اُنکے سوالوں کا	لب خشک ہیں زخموں کے منہ بند ہے چھالوں کا

ہاں ٹھیس نہ لگ جائے اے دردِ غمِ فرقت

دل آئینہ خانہ ہے، آئینہ جمالوں کا!

○

حشر کے دن وہ گنہگار نہ بخشا جائے	جس نے دیکھا تری آنکھوں کا پشیماں ہونا

پردہ رکھنا تھا جو منظور تو عاشق کے لیئے	دامنِ یار کو لازم تھا، گریباں ہونا

سُن کے افسانۂ غم باغ میں کمھلا گئے پھول	شاق گزرا ہے مجھے بلبل کا غزل خواں ہونا

جس کو نعمت یہ ملے کیوں وہ رہے آزردہ

سو خوشی، ایک ترے غم میں پریشاں ہونا

(غالباً مراد آباد)

○

پریشاں ہو کے زلفوں کا وہ اُس رُخ پر بکھر جانا

وہ سوتے سوتے چونک اُٹھنا، وہ لیٹے لیٹے ڈر جانا

ہر اک لرزش پہ چیخ اُٹھنا، ہر اک جنبش پہ ڈر جانا

قفس تک ہائے میرا اس طرح بے بال و پر جانا

○

نقشِ وفا کا رنگ مٹایا نہ جائے گا
مل بھی گیا جو زہر تو کھایا نہ جائے گا

سر سے جنونِ عشق کا سایا نہ جائے گا
تم سے بھی یہ طلسم مٹایا نہ جائے گا

دل نے اگر چھپا بھی لیا داغِ آرزو
آنکھوں سے تو یہ راز چھپایا نہ جائے گا

مجھ ناتوانِ عشق کو سمجھا ہے تم نے کیا؟
دامن پکڑ لیا، تو چھڑایا نہ جائے گا

اُن کو بلا کے اور پشیماں ہوئے جگر
یہ کیا خبر تھی ہوش میں آیا نہ جائے گا

(غالباً مراد آباد)

○

جان ہے بے قرار سی، جسم ہے پائمال سا
اب نہ وہ دل نہ وہ جگر صرف ہے اک خیال سا

چاہیئے عشق میں مجھے آپ ہی کا جمال سا
داغ ہر ایک بدر سا، زخم ہر ایک ہلال سا

جس نے بنا دیا مجھے وحشی و خستہ حال سا
ہائے وہ شکل چاند سی، ہائے وہ قد نہال سا

دل پہ مرے گرائی تھیں تم نے ہی بجلیاں مگر
آؤ نظر کے سامنے مجھ کو ہے احتمال سا

ہائے رے، وہ عتاب میں اُنکی ادا میں اُنکی شکل
آنکھیں بھی سُرخ سُرخ سی، چہرہ بھی لال لال سا

اُٹھتے ہی پائے یار کے باغ کا باغ اُجڑ گیا
پھول بھی ہیں تباہ سے سبزہ بھی پائمال سا

حُسن کی سحر کاریاں عشق کے دل سے پوچھئے
وصل کبھی ہے ہجر سا، ہجر کبھی وصال سا

گم شدگانِ عشق کی شان بھی کیا عجیب ہے
آنکھ میں اک سرور سا، چہرے پہ اک جلال سا

یاد ہے آج تک مجھے پہلے پہل کی رسم و راہ
کچھ انھیں اجتناب سا، کچھ مجھے احتمال سا

(گونڈہ)

○

ہم اسیرانِ جنوں سے کوئی پوچھے آکر　جیتے جی قیدِ تعلّق سے رہا ہو جانا

نالۂ دل جو سلامت ہے تو کیا مشکل ہے　روز اُس کوچے میں اک حشر بپا ہو جانا

خاکِ مجنوں سے یہ آتی ہیں صدائیں اب تک　زندگی ہے غمِ لیلیٰ میں فنا ہو جانا

نگہِ شوق نے سب کھول دیئے بندِ نقاب　سہل سمجھے تھے وہ پابندِ حیا ہو جانا

ہائے وہ ضبطِ محبّت کی جفائیں سرِ بزم　دل میں گھٹ گھٹ کے وہ آہوں کا فنا ہو جانا

رشک آتا ہے شہیدانِ وفا پر مجھکو
اُن کی قسمت میں تھا کیا جلد شفا ہو جانا

(کانپور)

○

آج کیا حال ہے یارب! سرِ محفل میرا　کہ نکالے لئے جاتا ہے کوئی دل میرا

صبح تک ہجر میں کیا جانئے کیا ہوتا ہے　شام ہی سے مرے قابو میں نہیں دل میرا

مل گئی عشق میں ایذا طلبی سے راحت　غم ہے اب جان مری درد ہے اب دل میرا

پا یا جاتا ہے تری شوخیٔ رفتار کا رنگ　کاش! پہلو میں دھڑکتا ہی رہے دل میرا

ہائے اُس درد کی قسمت جو ہوا دل کا شریک　ہائے اُس دل کا مقدّر، جو بنا دل میرا

کچھ کھٹکتا تو ہے پہلو میں مرے رہ رہ کر
اب خدا جانے تری یاد ہے یا دل میرا

(مراد آباد یا گوڑہ)

○

لاکھوں میں انتخاب کے قابل بنا دیا — جس دل کو تم نے دیکھ لیا، دل بنا دیا

ہر چند کر دیا مجھے برباد عشق نے — لیکن انھیں تو شیفتۂ دل بنا دیا

پہلے کہاں یہ ناز تھے، یہ عشوہ و ادا — دل کو دعائیں دو، تمھیں قاتل بنا دیا

○

آنکھوں کا تھا قصور نہ دل کا قصور تھا — آیا جو میرے سامنے، میرا غرور تھا

تاریک مثلِ آہ، جو آنکھوں کا نور تھا — کیا صبح ہی سے شامِ بلا کا ظہور تھا؟

وہ تھے نہ مجھ سے دور نہ میں اُن سے دور تھا — آتا نہ تھا نظر، تو نظر کا قصور تھا

ہر وقت اک خمار تھا، ہر دم سرور تھا — بوتل بغل میں تھی کہ دلِ ناصبور تھا

کوئی تو دردمندِ دلِ ناصبور تھا؟ — مانا، کہ تم نہ تھے، کوئی تم سا ضرور تھا

لگتے ہی ٹھیس، ٹوٹ گیا سازِ آرزو — ملتے ہی آنکھ، شیشۂ دل چور چور تھا

ایسا کہاں بہار میں رنگینیوں کا جوش — شامل کسی کا خونِ تمنّا ضرور تھا

ساقی کی چشمِ مست کا کیا کیجیے بیان — اتنا سرور تھا کہ مجھے بھی سرور تھا

پلٹی جو راستے ہی سے، اے آہِ نامراد! — یہ تو بتا کہ بابِ اثر کتنی دور تھا

جس دل کو تم نے لطف سے اپنا بنا لیا — اُس دل میں اک چھپا ہوا نشتر ضرور تھا

اُس چشمِ مے فروش سے کوئی نہ بچ سکا — سب کو، بقدرِ حوصلۂ دل، سرور تھا

دیکھا تھا کل جگر کو سرِ راہِ میکدہ — اس درجہ پی گیا تھا، کہ نشے میں چور تھا

○

رگ رگ میں دل تھا، دل میں نہاں سوز و ساز تھا　　وہ دن بھی کیا تھے جب میں سراپا گداز تھا

وہ نغمۂ بہار تھی، دل حسرت طراز تھا　　پیہم اُدھر سے ناز، اِدھر سے نیاز تھا

تاثیرِ جذبِ عشق کو، لیلےٰ سے پوچھئے　　جو ذرّہ خاکِ عشق کا تھا، دل گداز تھا

پہلے جو ختم ہوگئی یہ داستانِ غم　　تو میں کہوں گا عرصۂ محشر دراز تھا

کیا کہہ دیا کسی نے؟ کہ ملتے ہی چشمِ شوق　　دونوں طرف سے دستِ تمنّا دراز تھا

وہ نازآفریں تھے انھیں اس پہ تھا غرور

میں تھا نیاز مند، مجھے اس پہ ناز تھا

(گونڈہ یا منگلور شریف)

○

اس عشق میں پورا کبھی ساماں نہیں دیکھا　　دامن پہ نظر کی تو گریباں نہیں دیکھا

خالی زِ اداہائے پریشاں نہیں دیکھا　　ہم نے کسی آئینے کو حیراں نہیں دیکھا

اللہ ری مجبوریِ آدابِ محبت　　گلشن میں رہے اور گلستاں نہیں دیکھا

بے کار گئی، سعیِ محبت بھی ہماری　　حاصل بجز اک دیدۂ حیراں نہیں دیکھا

اللہ ری مری تیز روی جوشِ جنوں میں

مڑ کر جو نظر کی، تو بیاباں نہیں دیکھا

○

دل نہ تھا، جان نہ تھی، سوز نہ تھا، ساز نہ تھا
میں ہی میں تھا، مرے ہمراہ، کوئی راز نہ تھا

دمِ بیخود رہ گئی بلبل ہی چمن میں ورنہ
کونسا پھول تھا جو گوشِ برآواز نہ تھا

ہم تھے، اور سامنے اک جلوۂ حیرت افزا
پردہ تھا اور کوئی پردہ برانداز نہ تھا

حسرت اُس طائرِ مایوس کی حالت پہ کہ جو
قید سے چھوٹ کے بھی مائلِ پرواز نہ تھا

(گونڈہ)

○

شریکِ نالہ میرا بھی جو اندازِ فغاں ہوتا
چمن میں ہر لبِ خاموش بلبل کی زباں ہوتا

دمِ بسمل اگر تم چیر دیتے دل کے زخموں کو
لہو کا قطرہ قطرہ دردِ دل کی داستاں ہوتا

بہت روکا تمہارے وعدۂ دیدار نے ورنہ
وہاں ہوتی نہ میری بیخودی بھی میں جہاں ہوتا

○

خلوت میں غمِ فرقت اس طرح بیاں ہوتا
وہ میری زباں بنتے، میں ان کی زباں ہوتا

تھی سیر اگر میں بھی ساتھ اُن کے وہاں ہوتا
آنسو بھی رواں ہوتے، دریا بھی رواں ہوتا

یوں رازِ غمِ الفت، سینے میں نہاں ہوتا
ہم خود بھی عیاں کرتے، تو بھی نہ عیاں ہوتا

اے کاش، نہ ہم اُٹھتے در سے ترے جیتے جی
جینا بھی یہاں ہوتا، مرنا بھی یہاں ہوتا

(لکھنو)

○

کمالِ عشق بھی، کیا کیا فریب کار ہوا
کہ اپنے پر، مجھے اکثر گمانِ یار ہوا

جنوں میں سینے کو بیٹھے ہیں جیب کے ٹکڑے
خبر نہیں، کہ گریباں بھی تار تار ہوا

کہاں کے غمزہ و شوخی، کہاں کے ناز و ادا
وہ تیر اور ہی تھا، جو جگر کے پار ہوا

اب اس سے بڑھ کے طلسمِ خیال کیا ہوگا
کہ ذرّہ ذرّہ تو تصویرِ حسنِ یار ہوا

خزاں نہ تھی چمنستانِ دہر میں کوئی
خود اپنا ضعفِ نظر پردۂ بہار ہوا

○

رازِ اُس حُسن کا ہندو نہ مسلماں سمجھا
کچھ جو سمجھا، تو مرا دیدۂ حیراں سمجھا

زخم کو مرہمِ دل، درد کو درماں سمجھا
چارہ گر، خوب علاجِ غمِ پنہاں سمجھا

عشق کا راز، وہی سوختہ ساماں سمجھا
جس نے دامن کبھی جانا، نہ گریباں سمجھا

حشر میں بھی نہ اُٹھا آنکھ سے غفلت کا حجاب
اس کو بھی سلسلۂ خوابِ پریشاں سمجھا

○

اس عشق کے ہاتھوں سے ہرگز نہ مفر دیکھا — اُتنی ہی بڑھی حسرت، جتنا ہی اُدھر دیکھا

تھا کھیل سا پہلے عشق، لیکن جو کھلیں آنکھیں — ڈوبا ہوا رگ رگ میں، وہ تیرِ نظر دیکھا

سب ہو گئے اُٹھ اُٹھ کر اک بار نثارِ شمع — پروانوں نے کیا جانے کیا وقتِ سحر دیکھا

وہ اشک بھری آنکھیں، یہ درد بھرے نالے — اللہ نہ دکھلائے، جو وقتِ سحر دیکھا

قرباں تری آنکھوں کے صدقے تری نظروں کے — تھا حاصلِ صد ناوک، جو زخمِ جگر دیکھا

جاتے رہے دم بھر میں، سارے ہی گلے شکوے — اُس جانِ تغافل نے جب ایک نظر دیکھا

تھا باعثِ رسوائی، ہر چند جنوں میرا — اُن کو بھی نہ چین آیا، جبتک نہ ادھر دیکھا

اُس چشمِ غزالیں کو مے خانۂ دل پایا — اُس روئے نگاریں کو، فردوسِ نظر دیکھا

یوں دل کے تڑپنے کا کچھ تو ہے سبب آخر — یا درد نے کروٹ لی، یا تم نے اِدھر دیکھا

کیا جانئے کیا گزری؟ ہنگامِ جنوں لیکن — کچھ ہوش جو آیا، تو اُجڑا ہوا گھر دیکھا

ماتھے پہ پسینا کیوں؟ آنکھوں میں نمی کیسی
کچھ خیر تو ہے، تم نے کیا حالِ جگر دیکھا؟

(گونڈہ)

○

تم مجھ سے چھوٹ کر رہے سب کی نگاہ میں — میں تم سے چھوٹ کر کسی قابل نہیں رہا

دل کو نہ چھیڑ اے غمِ فرقت کہ اب یہ دل — تیرے بھی التفات کے قابل نہیں رہا

اُٹھنے میں تیری راہ میں جب سے مرے قدم — احساسِ قرب و دوریِ منزل نہیں رہا

(مراد آباد)

○

کانٹا تھا چشمِ یاس میں ایک ایک برگِ گل　　میرے لئے چمن بھی بیابان نکل گیا

دستِ جنوں کا ضعف سے اُٹھنا محال تھا　　کیا جانئے کس طرح سے گریباں نکل گیا

دل میں تو آگ ہے وہی اب تک لگی ہوئی　　مانا، کہ چشمِ شوق کا ارماں نکل گیا

جوشِ جنوں سے کچھ نہ چلی، ضبطِ عشق کی
سو سو جگہ سے آج گریبان نکل گیا　　(اعظم گڑھ)

○

مجھ کو وہ لذت ملی، احساس مشکل ہو گیا
رہتے رہتے دل میں تیرا درد بھی، دل ہو گیا

اے نگاہِ یاس! یہ کیا رنگِ محفل ہو گیا
میں نے جس دل کی طرف دیکھا، مرا دل ہو گیا

لے ہی پہنچی، بیخودیِ شوق، بزمِ یار تک
گو مجھے اک اک قدم، ایک ایک منزل ہو گیا

ابتدا وہ تھی، کہ تھا جینا محبت میں محال
انتہا یہ ہے کہ اب مرنا بھی مشکل ہو گیا

○

جب تو کچھ ظرف ہے، اے دل ترے پیمانے کا   راز مے خانے سے باہر نہ ہو مے خانے کا

عرصۂ حشر کہاں، یہ دلِ برباد کہاں   وہ بھی چھوٹا سا ہے ٹکڑا اسی ویرانے کا

اُس کی تصویر کسی طرح نہیں کھنچ سکتی   شمع کے ساتھ تعلق ہے جو پروانے کا

جرعۂ مے کی ادائیں نگہِ ناز میں ہیں   چشمِ مخمور میں کل راز ہے مے خانے کا

جذبۂ شوق نے دم لینے کا موقع نہ دیا
شمع مُنھ دیکھتی ہی رہ گئی پروانے کا

(گونڈہ)

○

قدم کیا خاک اُٹھتے قیس کے، بیچارہ حیراں تھا
کہ ہر ذرّہ دیارِ نجد کا تصویرِ جاناں تھا

خزاں کا دَور، وہ پژمردہ غنچے، گل وہ افسردہ،
چمن لٹتا تھا یارب! یا کوئی خوابِ پریشاں تھا

انھیں کی اِک نگاہِ ناز کے سارے کرشمے تھے
نہ حسرت میری حسرت تھی، نہ ارماں میرا ارماں تھا

وہ حلم، اور وہ تواضع، اور وہ طرزِ خود فراموشی
خدا بخشے جگر کو، لاکھ انسانوں کا انساں تھا

(اعظم گڑھ)

○

فروغِ حُسنِ رُخِ نکو نے، کیا یہ کیا انقلاب پیدا
حجاب پر ہے حجاب طاری، نقاب پر ہے نقاب پیدا
حیا میں آئے تو رنگِ مستی، ادا میں ہو تو حجاب پیدا
وہ آنکھ، خود ہی بنے گی ساقی، نظر کرے گی شراب پیدا
سُنیں تو وہ میرا قصّۂ غم، بنیں تو وہ دردِ دل کے محرم
کریگا ایک ایک اشکِ حسرت، ہزار چشمِ پُر آب پیدا
کہاں کا میخانہ، کس کا ساقی، کچھ اور بڑھنے دو بے خودی کو
یہی بنائے گی جام و ساغر یہی کرے گی شراب پیدا
نظر کی ناکامیوں نے مجھ پر، یہ راز ظاہر کیا بالآخر،
کہ بے حجابی میں بھی ہے تیری، ہزار رنگِ حجاب پیدا
تڑپ یہ دل کی، کہ بے حسی بھی، ہزار جاں سے نثار جس پر
سکون ایسا، کہ جس کی ہر ہر ادا سے، لاکھ اضطراب پیدا

(گونڈہ)

○

یہی ہے سب سے بڑھ کر محرمِ اسرار ہو جانا
میسّر ہو اگر اپنا ہمیں دیدار ہو جانا

محبت میں کہاں ممکن، ذلیل و خوار ہو جانا
کہ پہلی شرط ہے انسان کا خود دار ہو جانا

کھُلے گا چارہ گر پر رازِ غم، کیا در کے ہوتے
کہ آتا ہے اسے خود نبض کی رفتار ہو جانا

ہوا کا اُس طرف اُنکی نقابِ رخ اُلٹ دینا
اِدھر ایک اک لہو کی بوند کا سرشار ہو جانا

اثر لینا تھا ہم کو، ہر ادائے حُسن سے اُنکی
مگر لازم نہ تھا رسوا سرِ بازار ہو جانا

گریں، ہر ہر قدم پر بجلیاں، راہِ محبت میں
بڑی مشکل سے آیا، طالبِ دیدار ہو جانا

اُدھر دامن کسی کا جھاڑ کر محفل سے اُٹھ جانا
اِدھر نظروں میں ہر ہر چیز کا بیکار ہو جانا

وصال و ہجر کے جھگڑوں نے فرصت ہی نہ دی ورنہ
مآلِ عاشقی تھا، روح کا بیدار ہو جانا

زباں گو چپ ہوئی دل میں تلاطم ہے وہی برپا
نہ آیا آج تک محوِ خیالِ یار ہو جانا

جگرؔ وہ خاک ہی تو سرمۂ چشمِ دو عالم ہے
میسّر ہو جسے صرفِ جمالِ یار ہو جانا

(گونڈہ یا اعظم گڑھ)

○

حسرت سے دیکھتا ہوں ہر اک شاخِ گل کی سمت
یہ ضعف اور ہائے یہ عالم بہار کا

جس پر برس گئی کبھی برقِ جمالِ یار
ہر ذرّہ آفتاب ہے اُس کے مزار کا

○

گرتے گرتے ایک طوفانِ قیامت زا ہوا
وہ جو اک آنسو مژہ پر تھا مری ٹھہرا ہوا

اب تو آنکھیں کھول، او افتادۂ کوئے حبیب!
جھانکتا ہے کوئی دروازے سے شرمایا ہوا

دیدۂ حق بیں میں کیسا فرق؟ کیسا اشتباہ؟
ایک ہی جلوہ کہیں مجنوں، کہیں لیلا ہوا

ذرّے ذرّے میں تھی ساری ایک موجِ انقلاب
منظرِ فطرت کو میں دیکھا کیا سہما ہوا

اللہ اللہ، یہ کمالِ جذبۂ پنہانِ عشق
جو گرا آنکھوں سے آنسو حُسن کا دریا ہوا

بڑھتے بڑھتے آفتابِ روزِ محشر بن گیا
دل کی خاکستر میں اک شعلہ تھا جو بھڑکا ہوا

لے چلا ہوں میں بھی، نذرِ حسنِ جاناں کو جگرؔ!
ساتھ دل کے، ایک سازِ آرزو ٹوٹا ہوا

(سلطان پور)

○

دل پہ طاری بے حسی و ضعف کا عالم ہوا
گھٹ گئی اتنی ہی طاقت درد جتنا کم ہوا
آہ رو لینے سے بھی کب بوجھ دل کا کم ہوا
جب کسی کی یاد آئی، پھر وہی عالم ہوا

ب

○

صیّاد مجھ سے دور ہے خوش باغباں ہے اب
جس شاخ پر نگاہ کروں آشیاں ہے اب

نازک لبوں پہ شکوۂ درد نہاں ہے اب
اُن کا دہن ہے اور ہماری زباں ہے اب

چشمِ طلب ہیں اور کوئی آشیاں ہے اب
میرے لئے قفس مجھے سارا جہاں ہے اب

○

دل کی کیا تاب کہ پہنچے صفِ مژگاں کے قریب
جلوے خود لوٹ رہے ہیں رُخِ تاباں کے قریب

داغِ فرقت کے دہکتے ہوئے انگارے ہیں
ہاتھ لانا نہ مرے سینۂ سوزاں کے قریب

تابِ دیدارِ رُخِ یار کہاں سے لاؤں
گر پڑی جا کے نظر گوشۂ داماں کے قریب

گر نہیں خارِ محبّت کی کرم فرمائی
پھر یہ کیا چیز کھٹکتی ہے رگِ جاں کے قریب

شوق نے توڑ ہی ڈالے تھے محبّت کے قیود
ہوش آیا ہے پہنچ کر درِ جاناں کے قریب

ہو چکے حسرت و امید و الم سب رخصت
اب نہیں کوئی مریضِ شبِ ہجراں کے قریب

جب ہمیں مٹ گئے ارمان ہیں پابوسی کے
خاک پہنچی بھی تو کیا گوشۂ داماں کے قریب

عشق میں سیرِ گل و لالہ ہے تمہیدِ جنوں
چاہئے ایک بیاباں بھی گلستاں کے قریب

ہیں جگر! لاکھ ہوں آوارہ و سرگشتہ مگر
دل ہر اک حال میں ہے حضرتِ احساںؔ[1] کے قریب

(گونڈہ)

[1] جناب مرزا احسان احمد صاحب بی اے، ایل ایل بی (علیگ) ایڈووکیٹ اعظم گڑھ

پ

○

صبر کے ساتھ، مرا دل بھی لئے جائیں آپ
اس قدر رحم مرے حال پہ فرمائیں آپ

دیکھئے، میری تمناؤں کا احساس رہے
باغِ فردوس میں تنہا نہ چلے جائیں آپ

میری رگ رگ میں سما کر بھی، یہ پردہ مجھ سے
ظلم ہے ظلم، جو آئینے سے شرمائیں آپ

کر دیا دردِ محبّت نے مرا کام تمام
اب کسی طرح کی تکلیف نہ فرمائیں آپ

نالے کرتے ہوئے رہ رہ کے یہ آتا ہے خیال
کہ مری طرح نہ دل تھام کے رہ جائیں آپ

(مراد آباد)

ج

○

لب پہ نالہ ہے مرے اور نہ فریاد ہے آج
کچھ عجب طرح سے بیچین تری یاد ہے آج

کیا قیامت، نگہِ یاس کی بیداد ہے آج
کہ نشیمن بھی مجھے خانۂ صیاد ہے آج

بر سرِ لطف، وہ شوخِ ستم ایجاد ہے آج
نالہ بھی، نالہ ہے فریاد بھی فریاد ہے آج

حسرتِ قید بھی اب دل سے نکل جائے گی
مژدہ اے شوق! کہ خالی کفِ صیاد ہے آج

ایک اک حرف، غمِ دل کا سنانا ہے انھیں
کل اگر بھول نہ جاؤں جو مجھے یاد ہے آج

(اعظم گڑھ)

○

اور ہی کچھ کہہ رہا ہے رنگِ بیتابانہ آج
اُڑ نہ جائے شمع کو لے کر کہیں پروانہ آج

کام آخر کر گئی، وہ نرگسِ مستانہ آج
بھر گیا، بے منّتِ ساقی، مرا پیمانہ آج

چھک گیا ایک ایک میکش اس نگاہِ مست سے
تم ادھر دیکھا کئے، اور لٹ گیا میخانہ آج

(اعظم گڑھ)

د

○

نظر بھی ساتھ رہی ہے قدم قدم پہ مری
پھرا ہے صحنِ چمن میں جہاں جہاں صیاد
سُناؤں آہ کسے سرگزشتِ سیرِ چمن
نہ ہم خیال فلک ہے، نہ ہم زباں صیّاد

ر

○

ذرّے ذرّے سے نمایاں شانِ قدرت دیکھ کر
کھل گئیں آنکھیں طلسمِ حُسنِ فطرت دیکھ کر

یہ ہجومِ غم، یہ اندوہِ مصیبت دیکھ کر
اپنی حالت دیکھتا ہوں اُنکی صورت دیکھ کر

عمر بھر کا ساتھ، رنج و غم میں دے سکتا ہے کون
شمع بھی رخصت ہوئی، میری مصیبت دیکھ کر

گوشے گوشے میں ہے پنہاں، جلوۂ برقِ جمال
پاؤں رکھنا میرے گھر اے شامِ فرقت دیکھ کر

چارہ سازوں سے مریضِ غم کو فرصت مل گئی
ہو چکے مایوس آثارِ طبیعت دیکھ کر (گونڈہ)

○

لالہ و گل کو دیکھتے کیا، یہ بہار دیکھ کر
رہ گئے بیخودی میں ہم، صورتِ یار دیکھ کر

ہائے، وہ جوشِ ربط و ضبط، ہائے یہ بے تعلّقی
اشک بھر آئے آنکھ میں، کوچۂ یار دیکھ کر

یاد کسی کی آہ، کیا کہہ گئی آ کے کان میں
زورِ جنوں سوا ہوا، جوشِ بہار دیکھ کر

شوق نے چٹکیاں سی لیں، حسرتِ دل مچل گئی
میری طرف بڑھا ہوا دامنِ یار دیکھ کر

اُن سے بھی ہو سکا نہ ضبط، اُن کو بھی رحم آ گیا
پائے برہنہ دیکھ کر، جسمِ فگار دیکھ کر

تھی یہ ہوس کہ دیکھتے خال و خط و بہارِ حُسن
آنکھیں ہی چوندھیا گئیں، جلوۂ یار دیکھ کر

س

○

وہ چمن، میرا چمن ہے، وہ قفس میرا قفس
جس کے گوشے گوشے میں صد ہا چمن صد ہا قفس

ہائے کس بلبل نے اے صیّاد پھر دیکھا قفس
بال و پر بکھرے پڑے ہیں آشیاں سے تا قفس

عشق میں کیا لالہ و گل، کیا چمن کیسا قفس
میں ہی خود اپنا گلستاں ہوں، ہی خود اپنا قفس

سو بہاروں کی ہے جاں، اک میری چشمِ خونچکاں
سارے گلشن کی حقیقت اک مرا ننھا قفس

خاک ہو اپنی رسائی جلوہ گاہِ یار تک
حسن کا عالم گلستاں، عشق کی دنیا قفس

عشق میں آزاد ہو کر کیا کروں سیرِ بہار
اس گلستاں کا نظر آتا ہے ہر تنکا قفس

اضطرابِ دل کے ہاتھوں سب برابر ہیں مجھے
کیا بیاباں، کیا گلستاں، کیا نشیمن، کیا قفس

کچھ تو ایسی بات ہے، جی بیٹھا جاتا ہے مرا
ورنہ اس سے پہلے کیا میں نے نہ دیکھا تھا قفس؟

رکھ دیئے ہیں سامنے لا کر کمالِ عشق نے
اک طرف صد ہا گلستاں اک طرف صد ہا قفس

تم جدھر نکلے، اُدھر اک چھا گئی تازہ بہار
ہم جہاں بیٹھے، وہیں، اک کر لیا پیدا قفس

کیا چمن کا حال مجھ سے پوچھتا ہے ہمنشیں!
میرا کل حاصل اسیری، میری کل دنیا قفس

باغباں، مجھ سے ہی خوش صیّاد مجھ پر مہرباں
اب چمن میرا چمن ہے، اب قفس میرا قفس

دو ہی دن میں ہو گیا اے دل یہ کیسا انقلاب؟
کل تھا کُل عالم گلستاں، آج کُل دنیا قفس

میں وہ غیرت مند بلبل تھا، دکھایا پھر نہ مُنہ
بوئے گل آ آ کے ڈھونڈا کی قفس سے تا قفس

(بنارس دھنم گڑھ)

ض

○

وہ مست مانندِ رند آنکھیں، وہ سرخ مثلِ شہاب عارض
جو ہیں مجسم شراب آنکھیں، تو ہے سراپا شباب عارض

دلوں کو بےچین کر رہی ہے، بنی ہوئی برق، اُن کی شوخی،
نظر کو تیرہ بنا رہا ہے، لئے ہوئے آفتاب عارض

برس رہا ہے یہ رنگِ مستی، کہ ہوش باقی نہیں کسی کو
نگاہیں اُن کی جھکی ہوئی ہیں، پلا رہا ہے شراب عارض

(گونڈہ)

م

○

فرصت کہاں کہ چھیڑ کریں آسماں سے ہم
لپٹے پڑے ہیں لذّتِ دردِ نہاں سے ہم

اس درجہ بے قرار تھے دردِ نہاں سے ہم
کچھ دُور آگے بڑھ گئے عمرِ رواں سے ہم

کبتک رہیں گے دُور ترے آستاں سے ہم
اب آ پہنچے شرط باندھ کے عمرِ رواں سے ہم

اے چارہ ساز! حالتِ دردِ نہاں نہ پوچھ
اک راز ہے، جو کہہ نہیں سکتے زباں سے ہم

تقدیر نے اُسے بھی نظر سے چھپا دیا
روتے لپٹ کے گردِ پسِ کارواں سے ہم

سو جائیں ہوں تو لذّتِ آزار پر نثار
باز آئے چارہ سازیِ دردِ نہاں سے ہم

بیٹھے ہی بیٹھے آگیا کیا جانے کیا خیال
پھر رو لپٹ کے روئے دلِ ناتواں سے ہم

پوچھیں گے سرگزشتِ مصیبت کی ابتدا
اب کے اگر ملے دلِ حسرت نشاں سے ہم

بیتابیوں نے کام دیا دستِ ناز کا
آخر لپٹ کے سو گئے دردِ نہاں سے ہم (نگینہ)

○

اللہ ری حسن و عشق کی سحر آفرینیاں
خوش ہو رہے ہیں گھر کا گھر وندا بنا کے ہم

کس کس پہ جان دیجئے، کس کس کو چاہیئے؟
گم ہو گئے ہیں بزمِ تمنّا میں آ کے ہم

اتنے حجابوں پر تو یہ عالم ہے حسن کا
کیا حال ہو جو دیکھ لیں پردہ اٹھا کے ہم

یہ بے دلی کا زور ہے ساقی کے ہجر میں
جی چاہتا ہے پھینک دیں ساغر اٹھا کے ہم

تاثیرِ جذبِ عشق کا اللہ رے کمال
آئینہ بن گئے تری اک اک ادا کے ہم (گونڈہ)

ن

○

سرور کم نہ کبھی ہوگا، اب قیامت تک خُمِ حجاز کی پی کر شراب آتے ہیں
کوئی یہ جا کے درِ پاک پر خبر کر دے خراب حال، بحالِ خراب آتے ہیں
کہو یہ حضرتِ موسیٰؑ سے اب سنبھل جائیں حضورؐ آتے ہیں اور بے نقاب آتے ہیں

وہ رند ہوں، کہ صبوحی کے واسطے ہر روز
فرشتے لے کے خُمِ آفتاب آتے ہیں

○

اے کاش، وہ حسرت زدہ طور کو ملتی
جس آنکھ سے ہم حسنِ بتاں دیکھ رہے ہیں
ہر چند کہ تھمتے نہیں آنسو صفتِ شمع
بارے تری محفل کا سماں دیکھ رہے ہیں
پھر آپ نے چھیڑی وہی گیسو کی حکایت
ہر چند کہ زورِ خفقاں دیکھ رہے ہیں
تا چند کریں ضبط مرے آبلۂ پا
سوکھی ہوئی کانٹوں کی زباں دیکھ رہے ہیں

○

غم سے چھوٹوں، تو اُدھر دیکھوں میں — دل کو رولوں، تو جگر دیکھوں میں

نگہِ یاس! اثر دیکھوں میں — دامنِ یار بھی تر، دیکھوں میں

آشیاں کے جو اُٹھا لوں تنکے — اپنے ٹوٹے ہوئے پر دیکھوں میں

داغ ہی داغ نظر آتے ہیں — کس طرح قلب و جگر دیکھوں میں

دَم گھٹا جاتا ہے، اے دستِ جنوں — چاک دامانِ سحر دیکھوں میں

نہ وہ محفل ہے، نہ پروانے ہیں — خاک اے شمعِ سحر! دیکھوں میں

دلِ دیوانہ! یہ قسمت میری — کہ تجھے خاک بسر دیکھوں میں

نزع میں ڈھونڈ رہی ہیں آنکھیں — کاش! انھیں ایک نظر دیکھوں میں

چھوٹ جاؤں، جو غمِ ہستی سے
بھول کر بھی نہ اُدھر دیکھوں میں

(مراد آباد)

○

اُس کوچے میں ہوں صورتِ یک نقشِ وفا میں — دنیا نے مٹایا مجھے لیکن نہ مٹا میں

بَن بَن کے مٹاؤ نہ مرا نقشۂ ہستی — مٹ مٹ کے بنا ہوں ہمہ تن نقشِ وفا میں

اے اہلِ حقیقت! مجھے آنکھوں پہ بٹھاؤ
طے کر کے چلا آتا ہوں میدانِ وفا میں

(گونڈہ)

عرش سے ہو گئے مایوس دعائیں آئیں — میں یہ سمجھا کہ مرے گھر میں بلائیں آئیں

میں نے جب شرم سے محشر میں جھکا لی گردن — بخشوانے کو مجھے میری خطائیں آئیں

کیجئے اور کوئی ظلم، اگر ضد ہے یہی — لیجئے اور مرے لب پہ دعائیں آئیں

مدتوں یاد دلایا گیا افسانۂ غم — دل اگر خاک ہوا، دل کی صدائیں آئیں

کسی بے کس کا پڑا صبر کسی پر شاید — آج اُس سمت سے ناساز ہوائیں آئیں

اُف، نہ پوچھو، شبِ غم شام سے لیکر تا صبح — کیا بھیانک مرے کانوں میں صدائیں آئیں

میں نے جب مرحلۂ عشق کیا ختم جگرؔ!
مرحبا کی مرے کانوں میں صدائیں آئیں

○

سراپا آرزو ہوں، درد ہوں، داغِ تمنا ہوں
مجھے دنیا سے کیا مطلب، کہ میں آپ اپنی دنیا ہوں

کبھی کیفِ مجسّم ہوں، کبھی شوقِ سراپا ہوں
خدا جانے، کہ کس کا درد ہوں، کس کی تمنّا ہوں

مجھے جنبش میں کیا لائے گی موجِ صرصرِ عالم
حریمِ قدس کہتے ہیں جسے، میں اُس کا پردا ہوں

مجھی میں حسن کا عالم، مجھی میں عشق کی دنیا
نثار اپنے پہ ہو جاؤں اگر سو بار پیدا ہوں

○

ضبطِ غم کا متحمّل دلِ مہجور نہیں — اب یہ جی سے بھی گزر جائے تو کچھ دُور نہیں
طلبِ خلد نہیں، آرزوئے حور نہیں — تم جو مل جاؤ، تو پھر کچھ بھی مجھے منظور نہیں
اللہ اللہ رے یہ رنگِ حقیقت کی بہار — کون سا خون کا قطرہ ہے جو منصور نہیں
سخت مشکل سے پڑا آج گریباں پہ ہاتھ — میں سمجھتا تھا کہ یہ فاصلہ کچھ دُور نہیں

دل کے ہوتے ہوئے جاتے ہو کہاں اے موسیٰؑ؟
اس میں کچھ جلوے ہیں ایسے کہ سرِ طور نہیں (اعظم گڑھ)

○

کیا آ گیا خیال دلِ بے قرار میں — خود آشیاں کو آگ لگا دی بہار میں
محشر میں عرضِ شوق کی امید کیا کروں — دل ہی تو ہے رہا نہ رہا اختیار میں
دستِ جنونِ عشق کی گلکاریاں نہ پوچھ — ڈوبا ہوا ہوں سر سے قدم تک بہار میں
صورت دکھا کے پھر مجھے بیتاب کر دیا — اک لطف آ چلا تھا غمِ انتظار میں
رگ رگ میں دل ہے دل میں تڑپ دردِ عشق کی — محشر بنا ہوا ہوں تمنائے یار میں

تھم تھم کے دل سے چھیڑ ہو تیرِ نگاہِ یار!
کیا لطف جب ہمیں نہ رہے اختیار میں (اعظم گڑھ)

○

چھوڑا نہ تپِ عشق نے کچھ بھی کسی گھر میں　　　دل سے جو لگی آگ، بجھی جا کے جگر میں
اب شمع بھی بجھتی ہے، مرا دم بھی لبوں پہ　　　کیا دیر ہے یارب! شبِ فرقت کی سحر میں

پھر برق سے مجھ کو نہ رہے کوئی شکایت
ایسی ہی لگے آگ، جو صیّاد کے گھر میں

○

اچھا ہے، پاس اگر کوئی غمخوار بھی نہیں　　　اب میرا حال لائقِ اظہار بھی نہیں
حسرت ہے اب نگہ طرفِ یار بھی نہیں　　　یعنی کہ ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں
دامان و جیب ہو گئے نذرِ جنوں تمام　　　باقی کفن کے واسطے اک تار بھی نہیں
صیّاد! میرے دم سے ہیں سارے یہ چہچہے　　　جب میں نہیں، تو رونقِ گلزار بھی نہیں
کچھ یہ کہ عرضِ شوق کی طاقت نہیں مجھے　　　اور کچھ یہ ہے، کہ مصلحتِ یار بھی نہیں
وہ دل، کہ جس پہ حرفِ تمنّا بھی بار تھا　　　اب صرفِ شکوہ سنجیِ اغیار بھی نہیں

دل میں ہجومِ شوق کا عالم نہ پوچھئے
گنجائشِ خیالِ رخِ یار بھی نہیں

(اعظم گڑھ)

○

خوفِ صیّاد سے عالم ہے یہ بیتابی کا　　　کہ ابھی ہوں تو ابھی صحنِ گلستاں میں نہیں
بچ رہا ہو جو کوئی جوشِ جنوں کے ہاتھوں　　　تار ایسا کوئی اب جیب و گریباں میں نہیں

(اعظم گڑھ)

○

عنایت کی جس پر نظر دیکھتے ہیں — ہم اس کا دل، اس کا جگر دیکھتے ہیں
وہی راہ چلتے ہیں عشاق ان کے — کہ جس راہ کو پر خطر دیکھتے ہیں
فلک کے ستم آشیاں میں ہم اپنے
سمٹے ہوئے بال و پر دیکھتے ہیں (اعظم گڑھ)

○

ڈوب کر دل میں وہ نظریں تیر و پیکاں ہو گئیں — رہ گئیں جو دل کے باہر نشترِ جاں ہو گئیں
حُسن کی شانیں تھیں جتنی سب نمایاں ہو گئیں — جو ترے رُخ سے بچیں رنگِ گلستاں ہو گئیں
اور بھی میرے لئے آفت کا ساماں ہو گئیں — ہائے وہ مخمور آنکھیں جب پشیماں ہو گئیں
دھجیاں باقی ہیں جتنی، اب مرے کس کام کی — جو گریباں ہونے والی تھیں گریباں ہو گئیں
ہو چلی تھیں عرضِ غم پر وہ نگاہیں تیز تیز — پھر نہ جانے کیا خیال آیا، پشیماں ہو گئیں
عرصہ گاہِ عشق میں آزادیاں کس کو نصیب — خود مری آہیں مجھے دیوارِ زنداں ہو گئیں
اب کہاں دل کی تمنّاؤں کی بزم آرائیاں — آنکھ جھپکی تھی کہ سب خوابِ پریشاں ہو گئیں
ان جنوں سامانیوں پر کیا رہائی کی امید — حسرتیں بھی دفن زیرِ خاکِ زنداں ہو گئیں
عشق کی بے تابیاں کب چھوڑ سکتی ہیں مجھے — فرق اتنا ہے کہ اب آنکھوں سے پنہاں ہو گئیں
لکھنؤ کی شاعری بے کیف ہے، اب تک جگر
گو بہت کچھ بند شیں دست و گریباں ہو گئیں (گونڈہ)

○

دل کی تسکیں کے لئے وہ پھول دامن میں نہیں
اس طرح ہوں آج گلشن میں کہ گلشن میں نہیں

چین اسیرانِ قفس کو یادِ گلشن میں نہیں
دوڑتی ہیں بجلیاں سیلابِ خوں تن میں نہیں

وہ گلوں پر تازگی، رونق وہ گلشن میں نہیں
خاک سی اُڑتی ہے میں جب سے نشیمن میں نہیں

چھوٹنا قیدِ قفس سے کیا قیامت ہو گیا
اب برائے نام بھی راحت نشیمن میں نہیں

دید کے قابل ہے یہ تنگِ سبک روحی مرا
ڈھونڈھتی ہے برق مجھ کو میں نشیمن میں نہیں

کیوں خزاں میں سر جھکائے مضمحل بیٹھا رہوں
میری نظروں میں تو ہیں جو پھول گلشن میں نہیں

رُک گئی کنجِ قفس میں خود بخود میری زباں
شاید اک تنکا بھی باقی اب نشیمن میں نہیں

(گونڈہ)

○

جوش وہ رنگینیوں کا ان کے پیکاں میں نہیں
کیا کوئی قطرہ لہو کا اب رگِ جاں میں نہیں

کوئی دیوانہ ہی اس عہدِ پریشاں میں نہیں
ورنہ جو صحرا میں قیدی ہیں وہ زنداں میں نہیں

فیضِ سوزِ عشق سے اے دل! سراپا داغ ہوں
جو بہار اب مجھ میں ہے سارے گلستاں میں نہیں

نالۂ پردرد، بوئے سوزِ دل، داغِ جگر
یہ بہاریں ہیں قفس کی، جو گلستاں میں نہیں

بھر نہ دی ہو روح جس میں وحشتِ دل نے مرے
ایک ذرّہ بھی کوئی ایسا بیاباں میں نہیں

(ضلع رائے بریلی)

○

جواب اُن کا کہاں سارے جہاں میں ‏ ‏ دبی ہیں بجلیاں جو آشیاں میں
لبوں تک جان بھی کھنچ آئی یارب ‏ ‏ توقّف کیا ہے مرگِ ناگہاں میں؟
جگہ پر اپنی چھوڑ آیا ہوں صیّاد ‏ ‏ لہو کے چند قطرے آشیاں میں
اشارہ ہے کسی کی اک نظر کا ‏ ‏ وگرنہ، کیا ہے جانِ ناتواں میں
بتا دے بیخودیِ عشق! اتنا ‏ ‏ قفس میں ہوں کہ ہوں میں آشیاں میں
حقیقت کھول کر اک دن رہیں گے ‏ ‏ وہ آنسو جو ہیں چشمِ رازداں میں
بڑھی جاتی ہے وحشت ہر قدم پر ‏ ‏ چھپا جاتا ہوں گردِ کارواں میں
یہ رنگِ اتحاد! اللہ اکبر ‏ ‏ شبیہِ دل ہے ہر اشکِ رواں میں
جرس کے بھی جو اُٹھ کر ہوش کھو دیں ‏ ‏ وہ نغمے ہیں مرے سازِ فغاں میں
رہی لرزاں ہمیشہ ان سے بجلی ‏ ‏ جو تنکے بچ رہے تھے آشیاں میں

کئے جا، نالے، اے بلبل! کئے جا
قفس بھی مل رہے گا آشیاں میں ‏ (اعظم گڑھ)

○

یہی کہہ کے تسلّیِ دلِ ناشاد کرتے ہیں ‏ ‏ کہ ایسا بھی کبھی ہوتا ہے، وہ خود یاد کرتے ہیں
بنا کر اپنے ہاتھوں آشیاں برباد کرتے ہیں ‏ ‏ جو تیرا کام تھا، وہ بھی ہم، اے صیّاد کرتے ہیں

○

یہ نہ پوچھو دہر میں کب سے ہیں اسی طرح خانہ خراب ہوں
جو نہ مٹ سکا، وہ طلسم ہوں، جو نہ اُٹھ سکا، وہ حجاب ہوں

مجھے غیر سمجھیں نہ اہلِ دل، ہمہ تن اگرچہ حجاب ہوں
جو نہاں ہے میری نظر سے بھی میں اُسی کے رُخ کی نقاب ہوں

نہ تعلّقات کی حد کوئی، نہ توقّعات کی حد کوئی،
جو کبھی سمجھ میں نہ آ سکے، وہ میں ایک فردِ حساب ہوں

نہ صدائے بلبل خوش بیاں، نہ سرودِ بزمِ پری رُخاں
جو بھرا ہے نغمۂ درد سے، وہ میں ایک تارِ رباب ہوں

(گونڈہ)

○

و

○

کسی نے پھر نہ سُنا، درد کے فسانے کو
مرے نہ ہونے سے راحت ہوئی زمانے کو

اب اس میں جان مری جائے یا رہے صیّاد
بہار میں تو نہ چھوڑوں گا آشیانے کو

چلا نہ پھر کوئی مجھ پر فریبِ ہستی کا
لحد تک آئی اجل بھی مرے منانے کو

فلک! ذرا تُو مری بے بسی کی داد تو دے
قفس میں بیٹھ کے روتا ہوں آشیانے کو

وفا کا نام کوئی بھول کر نہیں لیتا
ترے سلوک نے چونکا دیا زمانے کو

قفس کی یاد میں پھر جی یہ چاہتا ہے جگر!
لگا کے آگ نکل جاؤں آشیانے کو

○

جب کبھی چھیڑا جنوں نے دیدۂ خونبار کو
بھر دیا پھولوں سے ہم نے دامنِ کہسار کو

ٹھیس لگ جائے نہ اُن کی حسرتِ دیدار کو
اے ہجومِ غم! اب سنبھلنے دے ذرا بیمار کو

فکر ہے زاہد کو حور و کوثر و تسنیم کی
اور ہم جنّت سمجھتے ہیں ترے دیدار کو

دیکھنے والے نگاہِ مست ساقی کے کبھی
آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں ساغرِ سرشار کو

ہر قدم پر، ہر روش پر، ہر ادا پر، ہر جگہ
دیکھنا پڑتا ہے اندازِ نگاہِ یار کو

لاکھ سمجھایا جگر کو ایک بھی مانی نہ بات
دُھن لگی تھی کوچۂ قاتل کی میرے یار کو

(گونڈہ)

○

واقف غمِ الفت سے، نہ دل ہو، نہ جگر ہو
یوں مجھ سے ملو تم، کہ مجھے بھی نہ خبر ہو

یہ سر ہو، اور اُس شوخ ستمگار کا در ہو
اس طرح بسر ہو، تو بہت خوب بسر ہو

اس قہر و غضب پر تو فدا دیدہ و دل ہیں
کیا حال ہو میرا، جو عنایت کی نظر ہو

سر رکھ ہی دیا سنگِ درِ یار پہ میں نے
اب حشر بھی اُٹھے، تو مجھے کچھ نہ خبر ہو

حالت دلِ مایوس کی دیکھی نہیں جاتی
اللہ کرے جلد شبِ غم کی سحر ہو

رہ رہ کے تڑپ جاتی ہے سینے میں کوئی چیز
ایسا نہ ہو بیتاب تمھاری ہی نظر ہو

(گونڈہ)

○

○

وفورِ کیف سے دل اتنا بے قرار نہ ہو — میں ڈر رہا ہوں کہ مضطر نگاہِ یار نہ ہو

شریکِ عشق اگر عقل پردہ دار نہ ہو — نظر کے سامنے کچھ بھی سوائے یار نہ ہو

نگاہِ یار کا ممکن نہیں کہ وار نہ ہو — خود اپنا عیب ہے سینہ اگر فگار نہ ہو

دکھاؤں داغِ محبت جو ہو قصور معاف — سناؤں قصۂ فرقت جو ناگوار نہ ہو

کہاں کے سرو و صنوبر کہاں کے لالہ و گل؟ — نگاہ ہی میں جو کیفیتِ بہار نہ ہو

انھیں تو دیکھ کے آئینہ وہم آتا ہے، — کہ یہ کسی کی کہیں چشمِ انتظار نہ ہو

عجب زمانہ ہے کرتا نہیں اسے تسلیم — کسی سبب سے لٹا ہو جو بے قرار نہ ہو

بس اک نگاہِ محبت سے دیکھ لینا ہے — مگر جو خاطرِ نازک پہ یہ بھی بار نہ ہو

نصیبِ دل کو ہو یوں محوِ آرزو ہونا — کہ خود بھی چاہیں اگر وہ تو ہوشیار نہ ہو

بھرے ہوئے ہیں نگاہوں میں حسن کے جلوے — یہ کیا مجال جہاں میں ہوں اور بہار نہ ہو

خیالِ وصل سے کر تو رہا ہوں کچھ باتیں — قریب ہی کہیں لیکن نگاہِ یار نہ ہو

میں سن کے حضرت اصغرؔ[1] کے اے جگرؔ اشعار
وہ مست ہوں کہ کوئی پی کے بادہ خوار نہ ہو

(گونڈہ)

○

[1] جناب مولانا اصغر حسین صاحب اصغرؔ گونڈوی نوراللہ مرقدہٗ ۱۲ جگرؔ

ی

○

نہ چھیڑ اُن کے تصوّر میں اے بہار مجھے کہ بوئے گل بھی ہے اس وقت ناگوار مجھے

تڑپ کے روح نکل جائے گی ابھی صیّاد سُنا قفس میں نہ کیفیتِ بہار مجھے

نگاہِ یاس! ذرا تو ہی کام کر اپنا کہاں وہ چھوڑ کے جاتے ہیں بیقرار مجھے

کسی کا وعدۂ دیدار، میرا جذبۂ شوق بنا نہ دے کہیں تصویرِ انتظار مجھے

ہجومِ یاس میں کوشش نہ کوئی کام آئی تسلّیوں نے کیا اور بے قرار مجھے

کہیں مرادِ دلِ گم گشتہ ہو نہ خاک بسر کہ دور تک نظر آتا ہے اک غبار مجھے

جنوں کی خیر ہو یا رب! کہ ضعف کے ہاتھوں
رہا نہ جیب و گریباں پہ اختیار مجھے (مراد آباد)

○

رُخ پہ جھونکوں سے جو وہ زلفِ دوتا پھرتی ہے کیسی بل کھائی ہوئی بادِ صبا پھرتی ہے

پاس جانا دلِ بیتاب! سنبھل کر شبِ وصل نیچی نظروں میں چھری بن کے حیا پھرتی ہے

کچھ ہمیں جانتے ہیں لطف ترے کوچے کے ورنہ پھرنے کو تو مخلوقِ خدا پھرتی ہے

مدد اے جذبۂ دل! حوصلہ اے دردِ فراق!! مجھ سے مل کر نگہِ ہوش رُبا پھرتی ہے

بھول سکتا ہوں کہیں اُنکی محبت کے مزے
میری آنکھوں میں وہ، ایک ایک ادا پھرتی ہے

○

دل کو مٹا کے داغِ تمنّا دیا مجھے
اے عشق! تیری خیر ہو، یہ کیا دیا مجھے

محشر میں بات بھی نہ زباں سے نکل سکی
کیا جھک کے اُس نگاہ نے سمجھا دیا مجھے

میں اور آرزوئے وصالِ پری رخاں
اس عشقِ سادہ لوح نے بہکا دیا مجھے

ہر بار یاس، ہجر میں دل کی ہوئی شریک
ہر مرتبہ امید نے دھوکا دیا مجھے

اللہ رے تیغِ عشق کی برہم مزاجیاں
میرے ہی خون شوق میں نہلا دیا مجھے

خوش ہوں کہ حسنِ یار نے خود اپنے ہاتھ سے
اک دل فریب داغِ تمنّا دیا مجھے

دنیا سے کھو چکا تھا مرا جوشِ انتظار
آوازِ پائے یار نے چونکا دیا مجھے

دعویٰ کیا تھا ضبطِ محبّت کا اے جگرؔ!
ظالم نے بات بات پہ تڑپا دیا مجھے (مرادآباد)

○

ہم اور اُن کے سامنے عرضِ نیازِ عشق
لیکن ہجومِ شوق سے مجبور ہو گئے

آئی ہے موت، منزلِ مقصود دیکھ کر
اتنے ہوئے قریب، کہ ہم دُور ہو گئے

○

کچھ بات بن پڑی نہ دلِ دادخواہ سے
کیا جانے کیا وہ کہہ گئے نیچی نگاہ سے

یہ جانتا ہوں، جانتے ہو، میرا حالِ دل
یہ دیکھتا ہوں، دیکھتے ہو کس نگاہ سے (آگرہ)

○

کیا خبر تھی خلشِ ناز، نہ جینے دے گی یہ تری پیار کی آواز نہ جینے دے گی
قہر کی لاکھ نگاہوں کی ضرورت کیا ہے! لطف کی اِک نگہِ ناز نہ جینے دے گی
چین آتا ہی نہیں مجھ کو قفس میں یارب! کیا مری حسرتِ پرواز نہ جینے دے گی
مسلکِ عشق مرا مجھ کو نہ مرنے دے گا
تیری شوخی، ستمِ ناز نہ جینے دے گا (نگینہ)

○

کیا چیز تھی کیا چیز تھی ظالم کی نظر بھی اُف کر کے وہیں بیٹھ گیا، دردِ جگر بھی
ہوتی ہی نہیں کم شبِ فرقت کی سیاہی رخصت ہوئی کیا شام کے ہمراہ سحر بھی
یہ مجرمِ الفت ہے تو وہ مجرمِ دیدار دل لے کے چلے ہو تو لئے جاؤ نظر بھی
کیا دیکھیں گے ہم جلوۂ محبوب، کہ ہم سے دیکھی نہ گئی دیکھنے والے کی نظر بھی
مایوس شبِ ہجر نہ ہو، اے دلِ بیتاب اللہ دکھائے گا تو، دیکھیں گے سحر بھی
جلووں کو ترے دیکھ کے جی چاہ رہا ہے آنکھوں میں اُتر آئے مرا کیفِ نظر بھی
واعظ نہ ڈرا مجھ کو قیامت کی سحر سے دیکھی ہے اِن آنکھوں نے قیامت کی سحر بھی
اُس دل کے تصدّق، جو محبت سے بھرا ہو اُس درد کے صدقے، جو اِدھر بھی ہو اُدھر بھی
ہے فیصلۂ عشق ہی منظور تو اُٹھئے
اغیار بھی موجود ہیں، حاضر ہے جگر بھی (مرادآباد)

○

اس درجہ محوِ لذّتِ رنج و محن ہوئے — ناوک بھی اس نگاہ کے جزوِ بدن ہوئے

ہر وقت تازہ چاہئیں غم کی نشانیاں — جو داغ ابھی پڑے تھے، وہ داغِ کہن ہوئے

غربت کا رشک بھی نہ گوارا ہوا جگر

کتنے ہی میرے بعد غریب الوطن ہوئے

○

گر چشمِ آرزو کی حالت یہی رہے گی — پردے میں بھی کسی کی بے پردگی رہے گی

تم خاک میں ملا دو، دل کو جگر کو لیکن — ارماں یہی رہیں گے حسرت یہی رہے گی

جل اے فلک! نہ خوش ہو برباد کرکے مجھ کو

تیرے مزاج میں بھی آشفتگی رہے گی

(غالباً گونڈہ)

○

اُداسی طبیعت پہ چھا جائے گی — انھیں جب مری یاد آجائے گی

شبِ غم کرشمے دکھا جائے گی — کمی آنسوؤں کی رُلا جائے گی

مرے بعد ڈھونڈو گے میری وفا — مرے ساتھ، میری وفا جائے گی

مجھے اس کے در پر ہے مرنا ضرور

مری یہ ادا اُس کو بھا جائے گی

(آگرہ)

○

چیخی ہے کس انداز سے، کس کرب و بلا سے
دل ٹوٹ گیا نالۂ بلبل کی صدا سے

انسان کو لازم ہے رہے دُور ریا سے
یہ چیز جُدا کرتی ہے بندے کو خدا سے

جی سیر ہو کس طرح مئے ہوش رُبا سے
مستی کو ہے بیعت مری رندانہ ادا سے

اُٹھے نہ قدم جادۂ تسلیم و رضا سے
آواز یہ آتی ہے مزارِ شہدا سے

پھر حُسن کے جلووں نے بنایا مجھے بیخود
ہشیار ہُوا تھا جرسِ دل کی صدا سے

گزرا ہے دل و جاں سے اسی راہ میں کوئی
سجدوں کے نشاں پوچھ لو نقشِ کفِ پا سے

بے تابیِ دل تھی وہ مری آہِ جنوں خیز
کانٹے بھی کھٹکتے رہے مجھ آبلہ پا سے (گونڈہ)

○

صدموں کی جان، درد کا قالب دیا مجھے
جو کچھ دیا کسی نے مناسب دیا مجھے

دی جان بھی تو سوزِ الم سے جلی ہوئی
دل بھی دیا، تو جان کا طالب دیا مجھے

دینی تھی میرے سر کو جو شوریدگیِ عشق
پھر کیوں خیالِ حفظِ مراتب دیا مجھے

○

اُٹھا نہ دیدۂ بلبل سے پردۂ غفلت
ہلاک ہو گئی کمبخت رنگ و بو کے لئے

ہجومِ شوق میں دل کے بھی ہو گئے ٹکڑے
مکان تنگ تھا، دنیائے آرزو کے لئے

خیالِ یار! کہاں تک خموشیاں تیری
زباں دہن میں ہے بیتاب گفتگو کے لئے
(فتحپور)

○

آہ میری یہ فغاں، اب نہ سنی جائے گی — اب نہ سنو داستاں، اب نہ سنی جائے گی

پھر گئی اُن کی نظر پھر گئے دنیا سے وہ — دوستیِ جسم و جاں، اب نہ سنی جائے گی

یاس بھرا دردِ دل اب نہ کہا جائے گا — درد بھری داستاں، اب نہ سنی جائے گی

قصۂ غم کہہ کے میں لیجئے خاموش ہوں — میرے دہن میں زباں، اب نہ سنی جائے گی

بزم سے باچشمِ تر اُٹھ گئے کہتے ہوئے — "ہم سے تری داستاں، اب نہ سنی جائے گی"

رحم انھیں آگیا میرے دلِ زار پر — یہ روشِ آسماں، اب نہ سنی جائے گی

کہہ کے بُرا غیر کو، اُن کو خفا کر دیا
بات جگرؔ کی وہاں، اب نہ سنی جائے گی

(مرادآباد)

○

یہ نہیں تیری آرزو نہ کرے — دل، مگر، خالی ہائے ہو نہ کرے

گم ہوا ہوں خیالِ جاناں میں — بیخودی میری جستجو نہ کرے

ختم سرمایۂ شکیب ہوا — چھیڑ اب تیری آرزو نہ کرے

ناز کرتے ہیں پھول گلشن میں — کہیں رسوا یہ رنگ و بو نہ کرے

خاک ہے جذبِ عشق کی تاثیر — خامشی ہی جو گفتگو نہ کرے

ڈر ہے مجھ کو کہ میری حیرانی — آئینہ اُن کے روبرو نہ کرے

یاد بھی اُن کی اے جگرؔ صد حیف — پرسشِ داغِ آرزو نہ کرے

(گونڈہ یا فیض آباد)

○

برابر کی خلش، خونابہ افشانی مقابل کی — محبت نے بنا دی ایک حالت دیدۂ و دل کی
مجھے اے شورِ محشر! تو نے کیوں چونکا دیا؟ اُٹھ کر — بلائیں لے رہا تھا بیخودی میں اپنے قاتل کی
ضرورت تیرے سائے کی نہیں ہے اے فلک مجھکو — عنایت چاہتا ہوں گوشۂ دامانِ قاتل کی
نہ توڑ اے دستِ گلچیں! باغ میں پھولوں کی کلیوں کو — کہ ان میں کچھ شباہت پائی جاتی ہے مرے دل کی
اجل! اک مرتبہ پھر ہوش میں آجانے دے مجھ کو — ہوس رہ جائے گی دل میں نوازشہائے قاتل کی

جگر! میں نے چھپایا لاکھ اپنا دردِ غم لیکن
بیاں کر دیں مری صورت نے سب کیفیتیں دل کی
(مراد آباد و گونڈہ)

○

برسائی آنسوؤں کی جھڑی چشمِ یار نے — کیا اُٹھ کے کہدیا، مری خاکِ مزار نے
اے شوقِ مرگ! پھر وہی میں ہوں وہی قفس — آساں کر نہ دی مری مشکل بہار نے

○

کسی کے سامنے مشکل سے عرضِ حال ہوئی — سنبھل سنبھل کے طبیعت مری نڈھال ہوئی
نگاہِ قہر کے صدقے، جھکی نہ غیر کی سمت — مجھی پہ تیز ہوئی یہ، مجھی پہ لال ہوئی

مجھے جو عرضِ تمنّا پہ کچھ حجاب آیا
مرے سوال کی شرمندگی سوال ہوئی

○

عاشقی یاس کی محکوم ہوئی جاتی ہے　　بیکسی اب مرا مفہوم ہوئی جاتی ہے

دل ہوا خاک تپِ غم سے مگر دل کی جگہ　　اک خلش سی مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے

وائے ایذا طلبی شدّتِ غم کے ہاتھوں　　طاقتِ گریہ بھی معدوم ہوئی جاتی ہے

ہم تو سمجھے تھے غمِ عشق فنا کر دے گی　　اب یہ امید بھی موہوم ہوئی جاتی ہے

وہی دل ہے، جو چھٹا جاتا ہے اُن سے ترے　　وہی قسمت ہے جو محروم ہوئی جاتی ہے

دل دھڑکنا بھی غنیمت ہے، تری فرقت میں　　کہ خبر تو مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے

اے جگر! بات یہ کیا ہے کہ مری نظروں سے
آج جو چیز ہے معدوم ہوئی جاتی ہے

○

نازک ترے مریضِ محبت کا حال ہے　　دن کٹ گیا تو رات کا کٹنا محال ہے

دل تھا ترے خیال میں پہلے چمن چمن　　اب بھی روش روش ہے مگر پائمال ہے

آنکھوں سے جان جائیے فرقت کا ماجرا
اشکوں سے پوچھ لیجئے جو دل کا حال ہے

○

سر میں پھر لہرِ جنوں کی صفتِ تیر چلی　　اے فلک! روک مرے پاؤں سے زنجیر چلی

صدقے ان ہاتھوں کے مجھ کو بھی خبر تک نہ ہوئی　　اس نزاکت سے گلے پر مرے شمشیر چلی

○

نظر ملتے ہی دل کو وقفِ تسلیم و رضا کر دے　　جہاں سے ابتدا کی ہے، وہیں پر انتہا کر دے

وفا پر دل کو صدقے، جان کو نذرِ جفا کر دے　　محبّت میں یہ لازم ہے کہ جو کچھ ہو فنا کر دے

چمن دُور، آشیاں برباد، یہ ٹوٹے ہوئے بازو　　مرا کیا حال ہو صیّاد اگر مجھ کو رہا کر دے

چُنے ہیں میں نے بھی کچھ پھول تیرے باغِ معنی سے　　الٰہی تو اگر حسنِ قبول اُن کو عطا کر دے

تری مجنوں ادائی سے جگر یہ خوف آتا ہے

کہیں ایسا نہ ہو اُن کو بھی عالم آشنا کر دے

○

شبِ وصل کیا مختصر ہو گئی　　ذرا آنکھ جھپکی، سحر ہو گئی

نگاہوں نے سب رازِ دل کہہ دیا　　انھیں آج اپنی خبر ہو گئی

بڑی چیز ہے طرزِ بیگانگی　　یہ ترکیب اگر کارگر ہو گئی

الٰہی بُرا ہو، غمِ عشق کا　　سُنا ہے کہ اُن کو خبر ہو گئی

کئے مجھ پہ احساں غمِ یار نے　　ہمیشہ کو نیچی نظر ہو گئی

نمایاں ہوئی صبحِ پیری جگر!

بس اب داستاں مختصر ہو گئی

(مراد آباد۔ گونڈہ یا آگرہ)

○

کیا لطف پوچھتے ہو پرشوقِ زندگی کے
جی جی اٹھا ہوں مر کے، مر مر گیا ہوں جی کے

بے حکمِ عشق مر کے، بے اذنِ عشق جی کے
کرتے ہیں مفت ضائع اوقات زندگی کے

دیکھا تو اس جگہ پر لاکھوں ہیں جسمِ تازہ
حاصل ہوئی تھی فرصت جس زخمِ دل کو سی کے

فیضِ بہار سے ہے، عالم یہ تازگی کا
گویا برس رہے ہیں، انوار زندگی کے

اک اک سے پوچھتے ہیں وہ میری حالتِ دل
قربان اس ادا کے، اس بے تعلّقی کے

○

فلک کے جور زمانے کے غم اٹھائے ہوئے — ہمیں بہت نہ ستاؤ کہ ہیں ستائے ہوئے

نہ جانے دل میں وہ کیا سوچتے رہے پیہم؟ — مرے جنازے پہ تا دیر سر جھکائے ہوئے

نگاہِ شوق نے محشر میں صاف تاڑ لیا — کہاں وہ چھپتے کہ آنکھوں میں تھے سمائے ہوئے

انھی میں رازِ محبت کسی کا پنہاں تھا — جو خشک ہو گئے آنسو مژہ تک آئے ہوئے

حدودِ کوچۂ محبوب ہیں وہیں سے شروع — جہاں سے پڑنے لگیں پاؤں ڈگمگائے ہوئے

(سیتا پور و گونڈہ)

چلے گا کام تمہارا نہ اب گواہوں سے
کہ ٹپکی پڑتی ہے شرمندگی نگاہوں سے

اثر کو بھی نہ رہا ربط، دل کی آہوں سے
خدا پناہ میں رکھے تری نگاہوں سے

کہیں تمھیں بھی نہ پڑ جائے کام آہوں سے
بچے رہو، مری حسرت بھری نگاہوں سے

مریضِ ہجر کے چہرے پر آگئی رونق
ابھی وہ کہہ گئے کیا جانے کیا نگاہوں سے

زمین بھی نہ اٹھا سکے گی میری خاک کا بار
گرا دیا ہے مجھے تم نے اگر نگاہوں سے

جگر! بتائیے کچھ حالِ زار، خیر تو ہے؟
یہ کیوں برستی ہیں مایوسیاں نگاہوں سے؟

(مراد آباد)

دل کی خبر، نہ ہوش کسی کو جگر کا ہے
اللہ اب یہ حال تمہاری نظر کا ہے

اُس سمت دیکھتی بھی نہیں، رُخ جدھر کا ہے
سب سے جُدا اصول تمہاری نظر کا ہے

دل رکھ دیا ہے سامنے لاکر خلوص سے
آگے اب اس کے کام تمہاری نظر کا ہے

سب رفتہ رفتہ داغِ الم دے گئے مگر
محفوظ ہے وہ زخم، جو پہلی نظر کا ہے

میرے دلِ حزیں میں کہاں تابِ اضطراب
جو کچھ کمال ہے وہ تمہاری نظر کا ہے

کس طرح دیکھوں جلوۂ جاناں کو بے حجاب
پردہ پڑا ہوا مرے آگے نظر کا ہے

پیہم ہجومِ یاس سے آتا نہیں یقیں
تم میرے سامنے ہو کہ دھوکا نظر کا ہے

(منگلور شریف)

○

ہاں چلے دور میں ساقی! مئے گلفام چلے
دن چلے، رات چلے، صبح چلے، شام چلے

خاک بیمارِ غمِ عشق کا اب کام چلے
پاؤں دُکھنے لگے جب اُٹھ کے وہ دو گام چلے

جھک گئے سر تری دہلیز پہ سب آپ سے آپ
کچھ کسی کی نہ چلی جب ترے احکام چلے

کعبۂ دل کی حقیقت سے تو واقف ہی نہیں
باندھ کر شیخ کہاں جامۂ احرام چلے

نقد کچھ پاس نہیں، فکر ہے میخواری کی
قرض مل جائے کہیں سے تو بڑا کام چلے

پاؤں لٹکائے ہوئے قبر میں بیٹھے ہیں جگر
دیر چلنے میں نہیں، صبح چلے شام چلے

(غالباً مراد آباد)

○

کیا قیامت تھا کسی کا شکوۂ بیداد بھی
لب تک آئی ٹکڑے ہو ہو کر مری فریاد بھی

پہلے تھی کچھ اس سے تسکینِ دلِ ناشاد بھی
اب کلیجا کھائے جاتی ہے تمھاری یاد بھی

جسم ہے زنداں میں لیکن روح بزمِ یار میں
بیڑیاں بھی پاؤں میں ہیں اور ہوں آزاد بھی

آتے ہی کنجِ قفس میں چپ سی مجھ کو لگ گئی
لے اُڑے کیا ہوش میرے طاقتِ پرواز بھی

یوں نہ اے بلبل تڑپ کر جان دینی تھی تجھے
چاہیئے تھا کچھ تو پاسِ خاطرِ صیاد بھی

دیکھئے کس کی فغاں میں پہلے آتا ہے اثر
میں بھی نالے کر رہا ہوں، بلبلِ ناشاد بھی

یہ ہجومِ یاس و حرماں، یہ وفورِ رنج و غم
مجھ کو ڈر ہے دب نہ جائے تیری یاد بھی

مجھ ہی سے کچھ واسطہ مطلب نہیں ان کو جگر
تیز ہوتا ہے مجھی پر خنجرِ بیداد بھی

(گونڈہ)

○

جان سے تنگ ہمارا دلِ دیوانہ ہے
زندگی کا ہے کو ہے موت کا افسانہ ہے

گوشے گوشے میں نہاں جلوۂ جانانہ ہے
دل نہیں ہے مرے سینے میں پریخانہ ہے

وہی گل ہے، وہی بلبل، وہی پروانہ ہے
شان ہے ایک، مگر رنگ جداگانہ ہے

یہی صہبا، یہی ساغر، یہی پیمانہ ہے
چشمِ ساقی ہے، کہ میخانے کا میخانہ ہے

کان ہنگامۂ محشر پہ لگے ہیں سب کے
کیا ترے رہ گزرِ عام کا افسانہ ہے

اللہ اللہ یہ وارفتگیٔ عشق مری
اُس جگہ ہوں کہ جہاں حُسن بھی دیوانہ ہے

تم دکھا دو جسے آنکھیں وہی مخمور بنے
ہم جہاں شیشہ ٹپک دیں وہیں میخانہ ہے

حشر کہتے ہیں کسے؟ وعدۂ دیدار ہے کیا؟
وہ بھی میری نگہِ شوق کا افسانہ ہے

منزلِ عشق ہیں اللہ رے یہ عالمِ شوق
ہر قدم پہ مرا انداز جداگانہ ہے

اُن سے پوچھے کوئی یہ ہوش کی باتیں میری
لوگ کہتے ہیں کہ دیوانہ ہے، دیوانہ ہے

(کانپوری)

○

داستانِ غمِ دل اُن کو سنائی نہ گئی
بات بگڑی تھی کچھ ایسی کہ بنائی نہ گئی

سب کو ہم بھول گئے جوشِ جنوں میں لیکن
اک تری یاد تھی ایسی جو بھلائی نہ گئی

عشق پر کچھ نہ چلا، دیدۂ تر کا قابو
اس نے جو آگ لگا دی وہ بجھائی نہ گئی

پڑ گیا حُسنِ رخِ یار کا پرتو جس پر
خاک میں مل کے بھی اس دل کی صفائی نہ گئی

کیا اٹھائے گی صبا خاک مری اس در سے
یہ قیامت تو خود اُن سے بھی اٹھائی نہ گئی

(اعظم گڑھ)

○

رات کیا دلکش ادائے جلوۂ جانانہ تھی
شمع جب رُخ کے مقابل آئی خود پروانہ تھی

آج رگ رگ میں مری اک شورشِ مستانہ تھی
کیا نگاہِ مستِ ساقی شاملِ پیمانہ تھی؟

صبح تک یہ یادگارِ عشق بھی افسانہ تھی
شمع اب ہے دفن جس جا تربتِ پروانہ تھی (اعظم گڑھ)

○

مشغلہ ہجر میں کچھ تو دلِ ناشاد رہے
نالہ تھمتا ہؤا رکتی ہوئی فریاد رہے

منتشر بعدِ فنا یُوں مری رُوداد رہے
دل مرا خاک ہؤا اور خاک بھی برباد رہے

اک محبّت کی نظر بھی دمِ بیداد رہے
کیجئے ظلم وہ مجھ پر جو مجھے یاد رہے

کس کو معلوم ہے اس جلوہ گہِ ناز کا حال
ہوش ہی جب نہ ٹھکانے ہوں تو کیا یاد رہے

آپ تو چھپ گئے پردے سے دکھا کر صورت
اب کوئی شاد رہے یا کوئی ناشاد رہے

رُوح سے ربط نہ چھوٹا ترے کوچے کا کبھی
تیرے دیوانے اسیری میں بھی آزاد رہے

جان تو آ چکی ہونٹوں پہ مری اے صیّاد!
اب بھی محدود قفس تک مری فریاد رہے؟

(گونڈہ یا اعظم گڑھ)

○

یہ جو دھندلی سی ضیا خانۂ زنجیر میں ہے
داغ شاید کوئی روشن دلِ دلگیر میں ہے
ہر ادا حُسن کی ڈوبی ہوئی تاثیر میں ہے
تجھ میں جو ہے وہی عالم تری تصویر میں ہے
مطمئن ہو کے کریں سیرِ چمن کیا وحشی
اِک قدم باغ میں، اک خانۂ زنجیر میں ہے
پہلے ہوں گے کبھی بیتابیِ دل کے شکوے
اب تو راحت سی مجھے خانۂ زنجیر میں ہے (اعظم گڑھ)

○

کیا پوچھتے ہو حالت، بیمارِ محبّت کی
کچھ اور ابھی گھڑیاں باقی ہیں مصیبت کی
ہر نقش ہے سینے پر، نقشہ غمِ فرقت کا
ہر اشک ہے آنکھوں میں تصویر محبّت کی
آہی گیا رحم ان کو حالِ دلِ محزوں پر
کرہی گئی کام اپنا، تاثیر محبّت کی
اے جوشِ جنوں! ٹوٹے چھالا نہ مرے دل کا
دُھندلی سی نشانی ہے سوزِ غمِ فرقت کی
لاکھوں میں جگر! اُس نے پہچان لیا تم کو
چھپتی ہے چھپانے سے کب آنکھ محبّت کی

(غالباً گونڈہ)

○

جورِ گلچیں و جفائے باغباں دیکھا کیے		جو دکھایا تو نے وہ اے آسماں دیکھا کیے
آج کن آنکھوں سے یہ جورِ خزاں دیکھا کیے		سب چمن لٹتا رہا، اور باغباں دیکھا کیے
اب قفس میں ہوش آیا تو یہ حیرت ہے ہمیں		کس طرح آنکھوں سے لٹتے آشیاں دیکھا کیے
جی بھر آیا ناتوانی پر جو راہِ شوق میں		دیر تک ہم نقشِ پائے رہرواں دیکھا کیے
جب چمن سے لے چلا صیّاد کر کے ہم کو قید		دور تک مڑ مڑ کے سوئے آشیاں دیکھا کیے

خاک سیرِ لالہ و گل، باغ میں جب تک رہے
دستِ گلچیں، یا نگاہِ باغباں دیکھا کیے

(غالباً اعظم گڑھ)

○

آنکھوں میں نور، جسم میں بن کر وہ جاں رہے		یعنی ہمیں میں رہ کے وہ ہم سے نہاں رہے
ہم وہ ہیں دردمندِ محبّت جہاں رہے		خاموش بھی رہے تو سراپا فغاں رہے
ہر چند وقفِ کشمکشِ دو جہاں رہے		تم بھی ہمارے ساتھ رہے ہم جہاں رہے
باقی چمن میں کچھ تو ہمارا نشاں رہے		صیّاد ہم رہیں نہ رہیں آشیاں رہے

ہر شاخ پر ہے باغ میں صیّاد کی نگاہ
مطلب یہ ہے کہیں نہ مرا آشیاں رہے

(اعظم گڑھ)

○

آیا نہ راس نالۂ دل کا اثر مجھے
جب تم ملے، تو کچھ نہیں اپنی خبر مجھے

دل لے کے مجھ سے دیتے ہو داغِ جگر مجھے
یہ بات بھولنے کی نہیں عمر بھر مجھے

ہر سُو دکھائی دیتے ہیں وہ جلوہ گر مجھے
کیا کیا فریب دیتی ہے میری نظر مجھے

ملتی نہیں ہے لذّتِ دردِ جگر مجھے
بھولی ہوئی نہ ہو نگہِ فتنہ گر مجھے

ڈالا ہے بیخودی نے عجب راہ پر مجھے
آنکھیں ہیں اور کچھ نہیں آتا نظر مجھے

کرنا ہے آج حضرتِ ناصح سے سامنا
مل جائے دو گھڑی کو تمھاری نظر مجھے

مستانہ کر رہا ہوں رہِ عاشقی کو طے
لے جائے جذبِ شوق مرا اب جدھر مجھے

یکساں ہے حسن و عشق کی سرمستیوں کا رنگ
اُن کی خبر انھیں ہے نہ میری خبر مجھے

مرنا ہے اُن کے پاؤں پہ رکھ کر سرِ نیاز
کرنا ہے آج قصّۂ غم مختصر مجھے

سینے سے دل عزیز ہے دل سے ہو تم عزیز
سب سے مگر عزیز ہے میری نظر مجھے

میں دور ہوں تو روئے سخن مجھ سے کس لئے
تم پاس ہو تو کیوں نہیں آتے نظر مجھے

کیا جانئے قفس میں رہے کیا معاملہ
اب تک تو ہیں عزیز مرے بال و پر مجھے

(اعظم گڑھ)

○

اک تلاطم سا تو برپا سینۂ بسمل میں ہے
اب نہ جانے تو ہے خود یا درد تیرا دل میں ہے
جلوہ فرما کون اُس اُجڑی ہوئی منزل میں ہے
آفتابِ حشر ہے جو داغ میرے دل میں ہے
عشق کا ہر رنگ پنہاں میری آب و گل میں ہے
قیس میرے سینے میں فرہاد میرے دل میں ہے
اللہ اللہ یہ مری مشقِ تصوّر کا کمال !!
میں ہوں اُس محفل میں اور محفل کی محفل دل میں ہے
عشق میں گم گشتگیِ شوق، راس آئی سب مجھے
تھی جو میرے دل میں حسرت اب وہ اُنکے دل میں ہے
ہر تڑپ کے ساتھ آجاتی ہے مجھ میں تازہ روح
شکر ہے اتنا اثر تو اضطرابِ دل میں ہے
شمع چُپ پروانے ششدر اہلِ دل سب دم بخود
ہائے کیا تصویر کا عالم تری محفل میں ہے

(غالباً اعظم گڑھ)

جوانی آتے ہی، اُن پر قیامت کی بہار آئی
نظر بیگانہ وار اٹھی، حیا مستانہ وار آئی

چمن میں راس کب مجھ کو ہوائے روزگار آئی
قفس ہی میری قسمت میں لکھا تھا جب بہار آئی

مری نظروں میں جب سے تازگیِ حسنِ یار آئی
خزاں بھی آئی گلشن میں، تو میں سمجھا بہار آئی

وہ عاشق ہوں کہ میری لاش جب زیرِ مزار آئی
محبت نوحہ گر پہنچی، تمنّا سوگوار آئی

کچھ ایسی جوش پر اب سکے یہ چشمِ اشکبار آئی
قفس میں ٹوٹ کر سارے گلستاں کی بہار آئی

شمیمِ عطر بیز آئی، نسیمِ خوشگوار آئی
تم آئے سامنے یا سو بہاروں کی بہار آئی

اب آخر آشیاں کے ذکر سے صیّاد! کیا حاصل
یہ کہہ دینا ہی کیا کم تھا؟ کہ گلشن میں بہار آئی

چمن میں جیسی اک بلبل کے دم تک دیکھ لی ہمدم
نہ پھر ایسی خزاں دیکھی، نہ پھر ایسی بہار آئی

وہ دیوانہ ہوں میں، جب سے بسایا میں نے زنداں کو
نہ صحرا میں اُگے کانٹے، نہ گلشن میں بہار آئی

قفس میں بھی نگاہوں سے جُدا ہوتا نہیں دم بھر

وہ عالم ہائے میرا، خاتمے پر جب بہار آئی

غضب تھا آج گلشن میں یہ حسرت خیز نظارہ

اِدھر بلبل کا دم ٹوٹا، اُدھر فصلِ بہار آئی

اثر اتنا تو ہونا چاہیے، جذبِ محبّت میں

کہ جب تک میں قفس میں تھا، قفس ہی میں بہار آئی

قفس کا اور یکایک اس طرح جنبش میں آجانا

مگر معلوم ہوتا ہے کہ گلشن میں بہار آئی

کہیں ساغر بکفِ گُل ہیں، کہیں خُم در بغل غنچے

چمن ہی میکدہ بھی بن گیا، جب سے بہار آئی

بنا کر جس نے بیخودؔ آشیاں ہم سے چھڑایا تھا

سُنا ہے پھر اُسی شدّت سے گلشن میں بہار آئی

مری اِس بیخودی کا یادِ گل میں کیا ٹھکانا ہے

اُٹھی جب آشیاں سے آگ تب سمجھا بہار آئی

وہ گھر برباد ہی ہو جائے تو بہتر ہے، جس گھر میں

نہ صبحِ وصل آئی، اور نہ شامِ انتظار آئی

نگاہِ یاس اور دب کر نگاہ ناز سے رہتی

گئی اور چند نشتر اُن کے دل میں بھی اُتار آئی

بہارِ رفتہ میری پھر نہ آئی اے جگرؔ واپس چمن میں ہر خزاں کے بعد لیکن اک بہار آئی

○

علاجِ کاوشِ غم نماک چارہ جو کرتے　　ہزار زخم تھے کس کس جگہ رفو کرتے
اشارہ خود جو نہ وہ بہرِ جستجو کرتے　　مجال کیا تھی ہماری کہ آرزو کرتے
وہ ہم سے ملتے نہ ملتے، یہ اُن کی تھی مرضی　　ہمارا کام یہی تھا کہ جستجو کرتے
بیان ہو نہ سکی ابتدا محبت کی
تمام عمر ہوئی شرحِ آرزو کرتے　　(گونڈہ)

○

جلوہ جو اُن کے رُخ کا مری چشمِ تر میں ہے　　شادابیِ بہار کا عالم نظر میں ہے
ہر ذرّہ رقص میں ہے، جو اس رہگزر میں ہے　　کیا عالمِ حیات کسی کی نظر میں ہے
تاریک ہوتی جاتی ہے رہ رہ کے کل فضا　　پھر بھی مریضِ ہجر، امیدِ سحر میں ہے
کیا آفتابِ حشر سے جھپکے گی اب یہ آنکھ　　ہر ذرّہ کوئے یار کا میری نظر میں ہے
تنہائیِ فراق کا کیا کیجیے بیاں　　اِک آہ تھی، سو وہ بھی تلاشِ اثر میں ہے
اللہ رے یاد طاقتِ پرواز کا اثر　　دل میں بھی وہ تڑپ نہیں جو بال و پر میں ہے
وا ہوں جو گوشِ ہوش، تو عبرت کے واسطے　　اک داستاں، خموشیِ شمعِ سحر میں ہے
یوں آرہے ہیں آج ہم اک بزمِ ناز سے　　چہرہ پہ نور، جلوۂ جاناں نظر میں ہے
کیوں کر نہ بہار شعر سے ٹپکے نہ اے جگر!
رنگِ کلامِ حضرتِ اصغرؔ[1] نظر میں ہے
(اعظم گڑھ)

[1] حضرت اصغر گونڈوی نور اللہ مرقدہٗ ۱۲ جگر

○

ازل کے دن جنھیں لیکر چلے تھے تیری محفل سے — وہ شعلے آج تک لپٹے ہوئے ہیں دامنِ دل سے

مجھے اب خوف ہی کیا، ہجر میں تنہائیٔ دل سے — ہزاروں محفلیں لیکر اٹھا ہوں تیری محفل سے

یہ عالم ہے ہجومِ شوق میں بے تابیٔ دل سے — کہ منزل پر پہنچ کر بھی اُڑا جاتا ہوں منزل سے

فلک پر ڈوبتے جاتے ہیں تارے بھی شبِ فرقت — مگر نسبت کہاں اُن کو مرے ڈوبے ہوئے دل سے

نگاہیں قیس کی اُٹھتی ہیں جوشِ کیف مستی میں — ذرا ہشیار رہنا، سارباں! لیلیٰ کی محمل سے

وہی سب بن گئیں نقش و نگارِ صفحۂ ہستی — اُڑی تھیں جس قدر چھینٹیں مرے خونابۂ دل سے

سمجھ کر پھونکنا اس کو ذرا اے داغِ ناکامی! — بہت سے گھر بھی ہیں آباد اس اُجڑے ہوئے دل سے

محبّت میں قدم رکھتے ہی گم ہونا پڑا مجھ کو — نکل آئیں ہزاروں منزلیں اک ایک منزل سے

قیامت کیا؟ کہاں کا حشر؟ کیسا دیر؟ کیا کعبہ؟ — یہ سب ہنگامے برپا ہیں مرے اک مضطرب دل سے

بیاں کیا ہوں یہاں کی مشکلیں بس مختصر یہ ہے — وہی اچھے ہیں کچھ جو جس قدر ہیں دور منزل سے

ہجومِ یاس ایسا! کچھ نظر آتا نہیں مجھ کو — وفورِ شوق یہ! آگے بڑھا جاتا ہوں منزل سے

محبّت میں ضرورت ہی تلاشِ غیر کی کیا تھی؟ — اگر ہم ڈھونڈتے، نشتر بھی مل جاتا رگِ دل سے

بدن سے جان بھی ہو جائیگی رخصت جگر! لیکن
نہ جائے گا خیالِ حضرتِ اصغر[1] مرے دل سے

(گونڈہ)

---

[1] جناب مولانا اصغر حسین صاحب اصغرؔ گونڈوی نور اللہ مرقدہٗ ۱۲ جگر

○

بس اک نظروں کا دھوکا ہے بس اک آنکھوں کا پردا ہے
نہ مجنوں کوئی مجنوں ہے نہ لیلیٰ کوئی لیلیٰ ہے
ہوسناکی خیالِ غیریت ہی کا نتیجہ ہے
جو یہ پردا بھی اُٹھ جائے تو سب اپنا ہی اپنا ہے
سمجھ میں جو نہ آئے اور بے سمجھے نہ رہنے دے
اسی کا نام شاید عشق میں نامِ تمنا ہے
یہی تو فرق ہے بس کافر و مومن میں اے غافل
کہ اس کے لاکھ کعبے ہیں اور اس کا ایک کعبہ ہے (گونڈہ)

○

مژدہ اے شوقِ شہادت! اوج پر تقدیر ہے
آج دستِ نازنیں نازک سی اک شمشیر ہے
کم نہیں ہوتیں دلِ ایذا طلب کی خواہشیں
آپ دیکھیں تو سہی "ترکش میں کوئی تیر ہے؟"
کس ادا پر جان دوں تو ہی بتا، اے چشمِ یار
جس ادا کو دیکھتا ہوں حُسن کی تصویر ہے
قید خانے میں جو بیٹھا ہوں یہ ہے تیری خوشی
تو اگر کہہ دے تو دو ٹکڑے ابھی زنجیر ہے
میرے پہلو میں نہیں ہے یہ دلِ خانہ خراب
میری بربادی کی جیتی جاگتی تصویر ہے
وہ اُدھر محوِ تماشا ہیں اِدھر مرعوبِ حسن
وصل کی شب دونوں جانب عالمِ تصویر ہے
(مراد آباد)

○

دل بہلنے کی شبِ غم، یہی صورت ہو گی — آپ کی دی ہوئی تکلیف بھی راحت ہو گی
آپ کے درد میں بھی آپ کی سیرت ہو گی — بات میں بات، نزاکت میں نزاکت ہو گی
آتشِ دوزخِ ہجراں ہے، قیامت لیکن — تم جو چاہو گے، تو یہ بھی مجھے جنت ہو گی
جمع کرتی رہے آمادگیِ ذوقِ فنا — کام آئے گی، اگر دل میں حرارت ہو گی

کہنے سننے کی غمِ عشق میں حاجت ہی نہیں
آنکھ سے ٹپکے گی، دل میں جو محبت ہو گی

(گونڈہ)

○

وہ شکلِ جانستاں کیا، مظہرِ شانِ الٰہی ہے — نظر میں رنگِ مستی رُخ پہ نورِ صبح گاہی ہے
اسی کو ایک دن بننا ہے، خالِ عارضِ رحمت — ہمارے نامۂ اعمال کی جتنی سیاہی ہے
کسی صورت بھی ہم سے بیخبر وہ رہ نہیں سکتے — جو ہم ایسا سمجھتے ہیں ہماری کم نگاہی ہے

خدا جانے، محبت کونسی منزل کو کہتے ہیں
نہ جس کی ابتدا ہی ہے نہ جس کی انتہا ہی ہے

○

دلِ برباد ہی میں، عالم اک آباد بھی ہے — اسی ویرانے میں مجنوں بھی ہے فرہاد بھی ہے
کیا خبر قلبِ ہوسناک کو ہنگامِ سماع — کہ انھی نغموں میں پنہاں کوئی فریاد بھی ہے

○

پارہ ہائے جگر

○

اللہ ری وارفتگیٔ شوق کا عالم — میرا بھی پتا اب سرِ منزل نہیں ملتا
کیا قیس کی پرشوق نگاہوں نے کیا سحر — محمل میں بھی اب صاحبِ محمل نہیں ملتا

○

دل پہ طاری بے حسیٔ ضعف کا عالم ہوا — گھٹ گئی اتنی ہی طاقت درد جتنا کم ہوا
آہ رو لینے سے بھی کب بوجھ دل کا کم ہوا — جب کسی کی یاد آئی پھر وہی عالم ہوا

○

آنکھوں میں اس طرح سے ترا شوقِ دید تھا — گویا مری نظر میں دلِ ناامید تھا
اللہ ری نشترِ غمِ فرقت کی تیزیاں — رگ رگ میں شور و شیونِ قطع و برید تھا

○

کہاں ممکن تھا اُس چشمِ عنایت کا ادھر ہونا — مگر کام آگیا میری فغاں کا بے اثر ہونا

○

میں ہوا ہشیار جتنا مجھ سے وہ غافل ہوا — دل سراپا غم بنا جب میں سراپا دل ہوا

○

○

جذبۂ دل صرفِ جلنا بے محل ہوتا گیا — اُس قدر ذوقِ نظر میں بتذل ہوتا گیا
تنگ اتنا دامنِ فکر و عمل ہوتا گیا — زندگی بھر آج کل ہی آج کل ہوتا گیا

○

دمِ اخیر بھی اُن کا یہ احترام ہُوا — اُٹھے نہ ہاتھ تو آنکھوں ہی سے سلام ہُوا

○

یہ سوزِ نہاں نہیں ہے دل میں — جلتا ہے چراغ بے کسی کا
حسرت کا لہو بھرا ہے جس میں — وہ جام ہوں دورِ آخری کا

○

لے کے خط اُن کا کیا ضبط بہت کچھ لیکن — تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں نے بھرم کھول دیا

○

ہر اک داغِ فرقت کا دھونا پڑے گا — تمھیں بھی مرے ساتھ رونا پڑے گا

○

بھلا کر خود کو، غافل، رحم کا تو مستحق ہوگا — کہ گل بوٹے بھی بن جائیں گے جب سادہ ورق ہوگا

○

کہاں وہ دن گئے یارب! کہ تھی شکیبائی — نظر میں پھرتی ہے صبر و قرار کی صورت
گئے جو دل سے تو دل کو خزاں بنا کے گئے — جو آئے دل میں تو آئے بہار کی صورت

○

کیا کروں گا اب بہارِ گل بداماں دیکھ کر محوِ حیرت ہوں خود اپنا حُسنِ پنہاں دیکھ کر

○

سحر تک شمعِ محفل! میں نے جل بجھنے کی ٹھانی ہے
ہمیں یہ دیکھنا ہے خاک ہو جاتے ہیں ہم کب تک

○

قیدِ قفس میں یاد بہار آتی ہے مجھے نشتر بنے ہوئے ہیں پر و بال آج کل

○

یہی کہہ کہہ کر تسلی دلِ ناشاد کرتے ہیں کہ ایسا بھی کبھی ہوتا ہے وہ خود یاد کرتے ہیں
بنا کر اپنے ہاتھوں آشیاں برباد کرتے ہیں جو تیرا کام تھا، وہ بھی ہم اے صیاد کرتے ہیں

○

حال وحشت میں ہوا یہ ترے دیوانوں کا جیب چھوٹی تو گریباں لئے بیٹھے ہیں

○

نہ رہا کیا کوئی دیوانوں میں خاک اُڑتی ہے بیابانوں میں
رہ گئی آہ اب افسانوں میں مے نہ شیشوں میں نہ پیمانوں میں
اُٹھ گیا کیا جگرِ نکتہ سرا شور برپا ہے غزلخوانوں میں

○

○

روح کہتی ہوئی نکلی ہے تنِ لاغر سے اب مجھے روکنے والی کوئی زنجیر نہیں

○

رنگِ حیا ہے یہ ترے جوشِ شباب میں یا چاندنی کا پھول کھلا ہے گلاب میں

○

دوست اغیار ہوئے جاتے ہیں ہاتھ بیکار ہوئے جاتے ہیں
سینۂ عشق ہے اور ناوکِ ناز وار پر وار ہوئے جاتے ہیں
عشق سے روز ہوا عہدِ وفا چارو ناچار ہوئے جاتے ہیں
ساقیا! توبہ کئے لیتے ہیں لے گنہگار ہوئے جاتے ہیں

○

دے چکا جب دل تو کیسا خوف، شہرت ہو تو ہو اب یہ سر جائے تو جائے اور قیامت ہو تو ہو
دل کہاں پہلو میں دل تو کر چلے پہلے ہی نذر یہ جو کچھ بے چین سا ہے دردِ فرقت ہو تو ہو

○

لطفِ تشہیر مصوّر رہے تشہیر کے ساتھ
کھینچ دے درد بھی میرا مری تصویر کے ساتھ
حاصلِ دشت نوردی ہیں یہ اے دستِ جنوں!
آبلے ٹوٹ نہ جائیں کہیں زنجیر کے ساتھ

○

ہے مآلِ کارِ فنا یہی کہ ابھی کا رنگ عیاں رہے
نہ نظر ہماری نظر رہے نہ زباں ہماری زباں رہے
مرے عشقِ سحر طراز نے بہت اُن کے جلوے دکھا دیئے
مگر ایسے لاکھوں ہی حسن تھے جو نظر سے پھر بھی نہاں رہے

○

مشروطِ نگاہِ ساقی کی تحریک پہ جس کا پینا ہے
بس اُس کا ساغر، ساغر ہے بس اُس کا اُس کا مینا مینا ہے

○

چشمِ امید میں ہے جان ابھی تھوڑی سی ابھی دُھندلا سا اُجالا نظر آتا ہے مجھے

○

تصوّر میں یہ کس کا جلوۂ مستانہ آتا ہے کہ ہر آنسو لئے ہمراہ اک پیمانہ آتا ہے

○

دمِ اظہارِ سوزِ پنہانی شعلے میری زبان سے آئے

○

سوزِ غمِ ہجر بجھ نہ جائے دھندلا سا چراغ بیکسی ہے

○

سفّاک چتونیں بھی ہیں قاتل نظر بھی ہے کیا چیز ہو گئے ہو تمہیں کچھ خبر بھی ہے

○

اُن سے تو عنایت کی نظر کی نہیں جاتی اور دل کی یہ حالت ہے، کہ دیکھی نہیں جاتی

○

ہستی کے نکات پوچھتا ہے غافل تجھے اپنی بھی خبر ہے

○

آنسوؤں کی کمی نہیں لیکن کچھ سبب تھا کہ آنکھ تر نہ ہوئی

○

پردے الٹ دیئے تھے محبت کے جوش نے کھویا مگر مجھے مرے تمکین و ہوش نے

○

تاثیرِ سوزِ عشق سے بچنا محال ہے ایسی لگے یہ آگ کہ دیکھا کرے کوئی

○

پیری بھی تمام ہونے آئی دن ڈھل چکا شام ہونے آئی

○

مسرور وقتِ نزع جو بیمار ہو گئے کیا جانے کیا اشاروں میں اقرار ہو گئے
ترکِ خودی سے مائلِ پندار ہو گئے آزاد ہوتے ہوتے گرفتار ہو گئے

○

کیا جانیے کب تک مجھے فرقت میں کل آئے دل کو ابھی روکا تھا کہ آنسو نکل آئے

○

دیکھی تری آنکھوں کی کیفیّتِ رعنائی اب کس سے سنبھلتا ہے جامِ مے مینائی

○

دورِ دُوم

ترتیب

الف

ب

ر

ن

و

ی

الف

دل کیا ہے؟ نقش، حسنِ حقیقت طراز کا　　　آئینہ کیا ہے؟ عکس ہے آئینہ ساز کا

عالم نہ پوچھ، عشق کی شانِ نماز کا　　　کونین ایک ذرّہ ہے خاکِ نیاز کا

آخر، کھُلا یہ رازِ طلسمِ مجاز کا　　　اک شعبدہ تھا، غفلتِ بیگانہ ساز کا

دھوکا، قدم قدم پہ، تری بزمِ ناز کا　　　کیا سخت مرحلہ ہے طلسمِ مجاز کا

اللہ رے اثر، نگہِ مستِ ناز کا　　　ہر پردہ ارتعاش میں ہے دل کے ساز کا

چھایا یہ رنگ، ہستیِ وحدت طراز کا　　　مفتی نے دے دیا، مجھے فتویٰ جواز کا

عالم نہ پوچھ کشمکشِ ضبطِ راز کا　　　ہر سانس ہے، پیامِ غمِ جاں گداز کا

کس لطف سے کٹیں شبِ غم کی مصیبتیں　　　ممنون ہوں، محبّتِ افسانہ ساز کا

تو محوِ بے خودی ہی رہا، ورنہ بے خبر!　　　پنہاں تھا نازِ حسن میں، عالم نیاز کا

پیراہنِ جنوں سے تنِ عشق ڈھک لیا　　　یہ اک طریقِ خاص ہے اخفائے راز کا

ناگاہ، سامنے نظر آیا، جمالِ دوست　　　میں شکوہ سنج تھا غمِ ہستی گداز کا

مجھ سے گناہ گار پہ، یہ بارشِ کرم　　　منہ دیکھتا ہوں رحمتِ عاجز نواز کا

صوفی نے جس کو شاہدِ مطلق سمجھ لیا　　　اک پرتوِ لطیف تھا حُسنِ مجاز کا

تنہائیِ فراق میں کیوں گریہ کیجئے　　　اے دل! یہ وقتِ خاص ہے راز و نیاز کا

تصویرِ یار سامنے سر میں ہوائے شوق　　　ایسے میں کس کو ہوش، نشیب و فراز کا

مجھ کو وصال و ہجر سے کیا واسطہ جگر!　　　عاشق ہوں اک تبسّمِ دیوانہ ساز کا

○

فاش اہلِ بزم پر کُل رازِ پنہاں کر دیا
آئینہ وہ جھلک ہمیں نے سب کچھ حیراں کر دیا

حُسن کے جلووں کو رگ رگ میں خراماں کر دیا
غم کی اک جنبش نے کیا کارِ نمایاں کر دیا

بن رہی تھیں میرے اُن کے درمیاں کیا کیا حجاب
موت نے سب مشکلوں کو آخر آساں کر دیا

حسن نے تا شام ہنس کر جو بنایا تھا چمن
عشق نے تا صبح، رو کر، شبنمستاں کر دیا

زخمۂ حُسنِ تبسّم کی فسوں کاری نہ پوچھ!
ہر نگاہِ شوق کو تارِ رگِ جاں کر دیا

لے چلا تھا سوئے صحرا کھینچ کر جوشِ جنوں
پاسِ ناموسِ وفا نے پا بہ زنداں کر دیا

اب اُسی دستِ جنوں پر آستیں ہے خندہ زن
دھجیوں کو بارہا جس نے گریباں کر دیا

عشق نے لذّت جو دی تھی، آہ تو نے عندلیب!
اُس کو بھی صرفِ نواہائے پریشاں کر دیا

بیخودی حد سے زیادہ بڑھ چلی جب عشق میں
بے حسی کو پردہ دارِ رازِ پنہاں کر دیا

عشق نے دردِ زلیخا بھر دیا کونین میں
حسن نے ساری فضا کو یوسفستاں کر دیا

شمع جب فانوس میں تھی، آنکھ تھی محوِ جمال
جب ہوئی عریاں، نگاہوں کو پریشاں کر دیا

بتکدے کو وہ میسّر ہے نہ کعبے کو نصیب
اُس نے جس جلوے کو وقفِ سینہ چاکاں کر دیا

(غالباً گونڈہ)

○

زمین و آسماں ہونا، مکان و لامکاں ہونا　　غرض دل کو کسی صورت محیطِ دو جہاں ہونا

فنائے عشق کیا ہے؟ کارواں در کارواں ہونا　　یہاں تک منتشر ہونا، کہ بے نام و نشاں ہونا

ترے جلووں میں گم ہو کر جہاں اندر جہاں ہونا　　مبارک عمرِ رفتہ کو حیاتِ جاوداں ہونا

نظر صیاد کی کیا؟ برق بھی ہو تو لرز اُٹھے　　ابھی آیا نہیں تنکوں کو جانِ آشیاں ہونا

تماشا دیدنی ہے دیکھ لیں اہلِ نظر آ کر　　مرے ہمراہ، منزل کا بھی گردِ کارواں ہونا

لہو کا قطرہ قطرہ بن گیا لو شمع وحدت کی　　بجا ہے اب مرا، پروانۂ آتش بجاں ہونا

نہ ہے صورت، نہ ہے معنیٰ، نہ ہے جلوہ، نہ ہے پردہ　　بیک لحظہ بیک ساعت عیاں ہونا نہاں ہونا

کسی کے سامنے وہ میری عرضِ شوق کا عالم　　مرے ذراتِ ہستی کا مسلسل داستاں ہونا

کبھی دریائے بیتابی کا، سینے میں سمٹ آنا　ق　کبھی ہر اشک کے قطرے کا بحرِ بیکراں ہونا

سُنا ہے ہر طرف لٹتے ہیں جلوے حسن صورت کے

کبھی تم بھی جگرؔ! آوارۂ کوئے بتاں ہونا

(کانپور)

○

جا دو، قلمِ کاتبِ تقدیر میں کیا تھا　　میں اوّلِ ساعت ہی سے، مائل بہ فنا تھا

میں اس کی نظر، اور وہ مجھے دیکھ رہا تھا　　اے حیرتِ خاموش! یہ منظر ابھی کیا تھا

جب تک حدِ ہستی کا تعین نہ ہوا تھا　　نام اُس ستم ایجاد کا کیا جانیے کیا تھا

پہنچا ہوں اسی راہ سے تا منزلِ عرفاں　　کہتے ہیں جسے ہوش، وہی ہوش ربا تھا

(کانپور)

○

یہ فصلِ گل، سماں یہ شبِ ماہتاب کا
لاساقیا! شراب! مزا ہے شراب کا

چھوڑا نہ راز کوئی، جہانِ خراب کا
سب کہہ گیا میں خواب میں افسانہ خواب کا

بگڑا ہوا ہے رنگ، جہانِ خراب کا
بھر لوں نظر میں حسن کسی کے شباب کا

اپنی نظر کی برق وشی کو بھی دیکھئے
مجھ سے ہی پوچھئے نہ مزاج اضطراب کا

نکلی تڑپ کے پردۂ خاکی سے روحِ پاک
ٹوٹا طلسم جلوۂ حسنِ حجاب کا

(مشاعرہ بدایوں) (مین پوری)

○

آہ، یہ عالمِ کثرت تری رعنائی کا
ایک مرکز نہ رہا، چشمِ تماشائی کا

کیا ٹھکانا ہے اُس آوارہ و سودائی کا
حشر اک لمحہ ہے جس کی شبِ تنہائی کا

عشق کیا چیز ہے اک حشرِ درآغوشِ خیال
حُسن کیا؟ خواب ہے اک چشمِ تماشائی کا

منحصر جلوت و خلوت پہ نہیں وصلِ حبیب
خاص اک وقت ہوا کرتا ہے یکجائی کا

رہ گئیں پردۂ ظاہر میں الجھ کر نظریں
حُسن دیکھا نہ کسی نے مری رسوائی کا

(اناؤ مشاعرہ الہ آباد)

نظر میں ہیچ ہے، گلشن تمام دنیا کا — نہ پوچھ! حوصلہ مرغانِ رشتہ بر پا کا

اثر ہے جس میں کہ ہر موجِ کارفرما کا — وہ ایک قطرہ ہے، حاصل تمام دریا کا

نجات روح کو ملتی نہیں، نفس سے آہ — بنا ہوا ہے یہ مجنوں حجابِ لیلا کا

ہر ایک ذرّے سے نکلے تڑپ کے برقِ جمال — بنے تو کوئی طلب گارِ حسنِ معنیٰ کا

خدا ہی رحم کرے اس کی تشنہ کامی پر — سراب پر جسے کامل یقیں ہو دریا کا

رواں اگرچہ ہیں اسمیں بھی سب وہی موجیں — مگر ہے قطرے پہ فرض احترام دریا کا

(غالبًا بمبئی)

وہ ہجر کے پردے میں جس وقت کہ واصل تھا — اس درجہ لطافت تھی، احساس بھی مشکل تھا

کل دیکھ کے یہ منظر، قابو میں نہ پھر دل تھا — بیتاب تھیں خود موجیں لب تشنہ جو ساحل تھا

کیا سیر تھی، میں جب تک آوارۂ ساحل تھا — دریا کی طرح غم تھا، کشتی کی طرح دل تھا

حیراں ہوں کہ یہ آخر کیوں بیچ میں حائل تھا — میرا ترا رشتہ تو بے واسطۂ دل تھا

کل اتنی حقیقت تھی، منصور انا الحق کی — ناچیز سا اک قطرہ دریا کے مقابل تھا

کونین کا غم، دل نے سب لے لیا اپنے سر — آغاز کا دیوانہ انجام سے غافل تھا

جب غور کیا دم بھر، سب نقش چمک اٹھے — جب آنکھ ذرا کھولی آئینہ مقابل تھا

دل کیلئے الفت کی قیدیں ہی مناسب تھیں — دیوانہ، یہ ایسی ہی زنجیر کے قابل تھا

خود اپنی تجلّی میں جب عشق تھا مستغرق — ہر ثابت و سیّارہ، مدہوش تھا غافل تھا

کیا دن تھے جگر! وہ دن جب صحبتِ اصغر میں — مسرور طبیعت تھی مسرور مرا دل تھا

(کانپور)

○

سینے سے دل اچھلتے ہی رفعت نشاں ہوا

یہ ذرّہ جب بلند ہوا، آسماں ہوا

صیّاد! دونوں گھر ہیں بس اک گل کے نام کے

تیرا قفس ہوا، کہ مرا آشیاں ہوا

غفلت کے ساتھ ساتھ ہے، یہ قیدِ جسم بھی

پھر میں کہاں؟ اگر مجھے عرفانِ جاں ہوا

صحرائے جستجو سے، نہ آگے بڑھے قدم

گم اس کی وسعتوں میں ہر اک کارواں ہوا

صیّاد سے چھپا نہ سکی، کوئی شاخِ نخل

پہنچی وہیں نگاہ، جہاں آشیاں ہوا

چھوٹا نہ رشتۂ طلب دوست ہاتھ سے

میں خاک ہو کے گردِ پسِ کارواں ہوا

تبدیلیٔ مقام سے بدلی فضائے عشق،

جو درد تھا ابھی، وہی آرامِ جاں ہوا

عالم تمام، میرا ثنا خواں ہوا جگر!

میں آپ اپنے شعر کا جب قدرداں ہوا

(کانپور)

○

یہ مزا تھا، خلد میں بھی نہ مجھے قرار ہوتا ۔۔۔ جو وہاں بھی آنکھ کھلتی، یہی انتظار ہوتا

میں جنونِ عشق میں یوں، ہمہ تن فگار ہوتا ۔۔۔ کہ مرے لہو سے پیدا اثرِ بہار ہوتا

مرے رشک سے نہایت مجھے نہ پوچھ میرے دل سے ۔۔۔ تجھے تجھ سے بھی چھپاتا اگر اختیار ہوتا

مری بیقراریاں ہی تو نہیں اس کی وجہ تسکیں ۔۔۔ جو مجھے قرار ہوتا، تو وہ بے قرار ہوتا

جسے چشمِ شوق میری، کسی طرح دیکھ پاتی ۔۔۔ کبھی حشر تک وہ جلوہ نہ پھر آشکار ہوتا

یہ دل، اور یہ بیانِ غمِ عشق بے محابا ۔۔۔ اگر آپ طرح دیتے، مجھے ناگوار ہوتا

کبھی یہ ملال اُس کا نہ دکھے کسی طرح دل ۔۔۔ کبھی یہ خیال، وہ بھی یُونہی بے قرار ہوتا

مرا حال ہی جگر! کیا وہ مریضِ عشق ہوں میں ۔۔۔ کہ وہ زہر بھی جو دیتا مجھے سازگار ہوتا

(گونڈہ)

○

عشق جب مصروفِ اصلاحاتِ روح و تن میں تھا ۔۔۔ دفترِ عالم، مرے اک گوشۂ دامن میں تھا

ہم نے تکمیلِ جنوں بھی، جلوہ زارِ غم میں کی ۔۔۔ دور کیوں جاتے؟ کہ صحرا بھی اسی گلشن میں تھا

مجھ کو سب معلوم ہے افسانۂ برق و کلیم ۔۔۔ میرے دل کا ذرّہ ذرّہ وادیٔ ایمن میں تھا

رخصت، اے بیگانگی! بس کھل گیا تیرا فریب ۔۔۔ اپنا میں دشمن رہا جب تک غمِ دشمن میں تھا

ورنہ ممکن ہی نہ تھا، نظارۂ برقِ جمال ۔۔۔ ذوقِ موسیٰ بھی حدودِ وادیٔ ایمن میں تھا

تھا جنونِ عشق خود ہی کارفرما اے جگر

تو عبث دیوانہ، فکرِ وسعتِ دامن میں تھا

(بدایوں)

○

دہر کی نیرنگیوں کا خوب عرفاں ہو گیا
لا، شرابِ کہنہ، ساقی! دل پریشاں ہو گیا

محوِ رنگارنگیٔ صحرائے امکاں ہو گیا
اپنے جلووں میں مقیّد آپ انساں ہو گیا

برق چمکی تھی، کہ برپا جوشِ طوفاں ہو گیا
المدد، اے شوق! نظارہ پریشاں ہو گیا

ہر تڑپ کے ساتھ، اک جلوہ نمایاں ہو گیا
آج ثابت یار کا، قربِ رگِ جاں ہو گیا

ذوقِ سجدہ، ہر بُنِ مو سے نمایاں ہو گیا
میں بھی کیا شے ہوں کہ اپنا آپ عنواں ہو گیا

روح قالب سے نکل کر، اصل میں گم ہو گئی
نے سے ہوتے ہی جدا، نغمہ پریشاں ہو گیا

انتہائے جستجو میں دیکھئے ہوتا ہے کیا؟
ابتدا یہ ہے کہ ہر ذرّہ بیاباں ہو گیا

روح جب تڑپی، نگاہِ شوق عاشق بن گئی
دل جب اُچھلا، جلوہ گاہِ حسنِ جاناں ہو گیا

ایک مرکز پر سمٹ آیا جہانِ آرزو
کثرتِ موہوم سے جب دل پریشاں ہو گیا

کس کو دیکھا پردۂ خاکی میں اپنے جلوہ گر؟
ڈالتے ہی اک نظر، مغرور انساں ہو گیا

کم نہ تھا، یہ عالمِ ہستی، کسی صورت مگر
وسعتیں دل کی بڑھیں اتنی، کہ زنداں ہو گیا

دل کے پرتو بن گئے سب نقشہائے رنگ رنگ
ایک ذرّہ موجدِ کل بزمِ امکاں ہو گیا

غم نے جنبش قلب کو دی، جاگ اُٹھی روحِ شوق
ساز چھیڑا درد نے، مطرب غزلخواں ہو گیا

چشمِ پُرنم، زلف آشفتہ، نگاہیں بے قرار
اس پشیمانی کے صدقے، میں پشیماں ہو گیا

زعم تھا ذوقِ نگاہ و جذبِ دل پر ناگہاں
محو اک جلوے میں سب وجدان و عرفاں ہو گیا

چھوٹ سکتا تھا کہیں اس جسم سے دامانِ روح
پھر کبھی ملنے کا شاید عہد و پیماں ہو گیا

دل گلستاں تھا، تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
یہ بیاباں جب ہوا عالم بیاباں ہو گیا

ورنہ کیا تھا، صرف ترتیبِ عناصر کے سوا
خاص کچھ بے تابیوں کا نام انساں ہو گیا

یوں بسر کی زندگی میں نے اسیری میں جگرؔ!
ہر طریقہ داخلِ آدابِ زنداں ہو گیا

(مشاعرہ بدایوں)

ب

○

تیری نگاہِ ناز بایں شانِ اضطراب
ہم جانِ دردِ عشق و ہم ایمانِ اضطراب

اب تک تو تیرے فیض سے اے عشقِ معتبر!
داغِ سکوں سے پاک ہے دامانِ اضطراب

تو خود اگر نہیں تو بتا، اے نگاہِ شوخ!
پھر کون ہے؟ یہ سلسلہ جنبانِ اضطراب

ہر چند نجدِ عشق سے اُٹھے ہزار قیس
نکلا مگر نہ ایک بھی شایانِ اضطراب

پھر ہے وہیں چلا تھا جہاں سے دلِ غریب
آغاز ہی پہ لے گیا پایانِ اضطراب

بے وجہ یہ سکونِ محبت نہیں جگر!
اُٹھنے کو ہے مگر، کوئی طوفانِ اضطراب

۱۳

○

ہو چکا، تکملۂ صورت و معنائے بہار — تو بھی اب سامنے آ، اے چمن آرائے بہار

میری نظروں میں ہے، وہ منظرِ زیبائے بہار — سب بہاریں ہیں جہاں، گردِ کفِ پائے بہار

تیرا گلشن ہی نہ بن جائے قفس، اے بلبل! — دیکھ محدود نہ کر وسعتِ دنیائے بہار

عکسِ افسردگیِ شوق سراپائے خزاں — پرتوِ حسنِ نظر، صورتِ زیبائے بہار

باہر آتا ہی نہ تھا پردۂ بے رنگی سے — خود خزاں سازبنی، برقِ تجلائے بہار

تیرے دیوانے ہیں آزادِ تعیّن، ورنہ
یہ خزاں کو بھی جو دیکھیں، تو نظر آئے بہار

(غالباً علی گڑھ)

ن

دل مرا توڑ کر کہا، اُس نے زبانِ راز میں
سازمیں نغمے وہ کہاں؟ ہیں جو شکستِ ساز میں

دونوں جہاں تھے غرق و محو جس کی نگاہِ ناز میں
ایسا بھی ایک بُت ملا بت کدۂ مجاز میں

خاک بھی اس غریب کی، آہ کہ پھر نہ اُٹھ سکی
تم نے جسے مٹا دیا، پردۂ امتیاز میں

درد کا دل بڑھائے کون؟ پردۂ در اُٹھائے کون
موت کو نیند آ گئی، غم کی حریمِ ناز میں

پھیلے پڑے ہیں جس قدر حسن کے جلوۂ لطیف
جی میں ہے سب سمیٹ لوں دامنِ امتیاز میں

وحدتِ خاصِ عشق میں ذکر ہی غیریت کا کیا؟
اپنے ہی جلوے دیکھئے اپنی ہی بزمِ ناز میں

یوں ہیں مری نگاہ میں نقش و نگارِ کائنات
عالمِ خواب جس طرح دیدۂ نیم باز میں

حسنِ کمال عشق کا، کوئی کمال رہ نہ جائے
ناز کا اک سبق بھی لے درس گہِ نیاز میں

مشرقِ غم سے کر طلوع، ایک وہ آفتابِ حسن
ڈوب سکے نہ جو کبھی مغربِ امتیاز میں

دونوں جہاں ہیں دو قدم اوّل و آخرِ ہوس
ان کو اٹھا! تو ہے ابھی خاص حریمِ ناز میں

غیر جو تلخ کام ہے اُس کے نصیب کی کمی
مجھ کو تو اک مزہ ملا، ہر غمِ جانگداز میں

توڑ کے سب قیودِ عشق، چل دلِ مدعا طلب!
بالبِ خشک و آہِ سرد، اس کی حریمِ ناز میں

جلد سکون و عیش سے ہاتھ اٹھا کہ بے خبر!
تیری بقا کا راز ہے شورشِ جانگداز میں

اصل سے ہو گئے بیخبر، ڈھونڈھ نہ اے دلِ حزیں!
عیشِ دوام عافیت، غم کدۂ مجاز میں

یہ جو تمام نغمہ ہے، دعوتِ عام نغمہ ہے
موجِ خرامِ نغمہ ہے، نغمہ نہیں ہے ساز میں

میرے نیازِ عشق کا، ہو ہی رہے گا فیصلہ
آپ کمی نہ کیجئے، اپنے جنونِ ناز میں

کام نہ آئیں عقل کی عقدہ کشائیاں جگر!
اور اضافہ ہو گیا، سلسلہ ہائے راز میں

(اناؤ - مین پوری)

○

ندرت پسند کتنے، عشاقِ خوش نظر ہیں
سینے تمام ویراں، آنکھیں تمام تر ہیں

رنگینیٔ الم میں، دیکھا ہے جن کو اکثر
اے دل! وہی تو جلوے سرمایۂ نظر ہیں

آساں نہیں گزرنا، صحرائے بیخودی سے
ہشیار اہلِ تمکیں! رستے یہ پُر خطر ہیں

اپنا نشاں بتائیں، کیا رہروانِ غربت
بربادِ جستجو ہیں، پامالِ رہ گزر ہیں

درماندگی کے نالے، بیچارگی کی آہیں
وہ شام کی ہیں رونق، یہ زینتِ سحر ہیں

کیوں آسماں سے مل کر، اپنا وقار کھوئیں
کیا کم ہے یہ کہ تیری، ہم خاکِ رہ گزر ہیں

بزمِ مشاعرہ ہے، یا گلشنِ تخیّل
بلبل چہک رہا ہے، یا حضرتِ جگر ہیں

(مشاعرہ بنارس)

و

○

سمجھائے کون؟ بلبلِ غفلت شعار کو
محدود کر لیا ہے چمن تک بہار کو

عصیاں کی بھی نہ ہو سکی، تکمیل مجھ سے آہ
کیا منھ دکھاؤں رحمتِ پروردگار کو

اے دل! جو راہِ عشق میں رکھا ہے تو نے پاؤں
کرنا نہ تنگ دائرۂ اختیار کو

پھر دیکھنا بہارِ بیابانِ عشق کی
گلشن بنا چکوں گا جب اس خارزار کو

بھڑکا رہا ہوں آتشِ عصیاں ہر ایک سمت
پھیلا رہا ہوں رحمتِ پروردگار کو

(مشاعرہ الہ آباد)

○

بیخودی کا نہ ہوا شک کسی بیگانے کو
فطرتِ عشق سنبھالے رہی دیوانے کو

جب سے معلوم کیا، دل کے نہاں خانے کو
آنکھ اٹھانے کی بھی فرصت نہیں دیوانے کو

عشق معصوم صفت حسن ثقافت دشمن
مختصر کون کرے شوق کے افسانے کو

پی کے اک جام، وہ جلوے نظر آئے مجھ کو
دیکھتا ہوں کبھی مے کو، کبھی مے خانے کو

بجلیاں طورِ تصوّر پہ گرانے والے!
پھونک دے پھونک دے ہستی کے سیہ خانے کو

مے کشو! مژدہ کہ باقی نہ رہی قیدِ مکاں
آج اک موج بہا لے گئی میخانے کو

غیر از دوست نہ تھا ہستیِ عاشق کا وجود
کم نگاہی نے دیا طول، اس افسانے کو

قیس و فرہاد ہوں یا سرمدؒ و منصورؒ جگر!
ہم نے بے مایہ نہ دیکھا کسی دیوانے کو

(مشاعرہ کانپور)

○

نگراں کوئی بجز دیدۂ مسحور نہ ہو　　جلوہ اس طرح دکھا، برق نہ ہو، طور نہ ہو

خود ضیا بار، جو اک جلوۂ مستور نہ ہو　　آئینہ خانۂ عالم میں کہیں نور نہ ہو

رازِ غم فاش نہ ہو، عشق جو مجبور نہ ہو　　دیکھنا! کوئی پسِ پردۂ منصور نہ ہو

آج، ہر زخم نظر آتا ہے پیمانہ بدست　　اس میں کچھ شعبدۂ نرگسِ مخمور نہ ہو

کھول کر آنکھ ذرا دیکھ تو سلے او غافل!　　تیری ہستی ہی حجابِ رُخِ پُر نور نہ ہو

خاک ہے سوزِ غمِ عشق کی تاثیر، کلیم!　　دل کا ہر ذرّہ اگر برقِ سرِ طور نہ ہو

جتنے وہ پاس ہیں اتنا بھی نہ ہو پاس کوئی　　جتنے وہ دُور ہیں، اتنا بھی کوئی دُور نہ ہو

عین ایماں ہے، انا الحق کا ترانہ لیکن　　ہے یہی کفر، اگر دیدۂ منصور نہ ہو

اس تقید پہ تو عالم ہے یہ آزادی کا　　کیا قیامت کرے انسان، جو مجبور نہ ہو

ایک اک سانس ہے اُس کے لیے پیغامِ حیات　　آدمی اپنی حقیقت سے اگر دور نہ ہو

کوچۂ عشق سے باہر وہ نکل جائے جگر!
جیتے جی خاک میں ملنا جسے منظور نہ ہو

(مشاعرہ کانپور)

ابھی کچھ روز بھی گذرے نہ تھے تخلیقِ انساں کو — ابھارا خود کسی کی مصلحت نے ذوقِ عصیاں کو

ملک اور سجدہ کرتا، ایک مشتِ خاک انساں کو — کمالاتِ نبوّت نے کیا کافر مسلماں کو

کسی صورت نہ ہونے دوں عیاں اسرارِ جاناں کو — جو چاک سینہ فرصت دے، تو میں سی لوں گریباں کو

خدا رکھے سلامت اس دلِ برباد ویراں کو — بیاباں ہیں لئے بیٹھا ہے اک جانِ گلستاں کو

خزاں آتے ہی ٹوٹیں جلوۂ ظاہر کی سب قیدیں — شکستِ رنگ نے پرواز بخشی طائرِ جاں کو

عزادارِ تمنا ہوں، نہ پوچھو میری بربادی — گراں بارِ مصیبت ہوں نہ دیکھو میرے ساماں کو

یہیں سے روز کر لیتے ہیں سیرِ دو جہاں وحشی — خدا رکھے سلامت، سایۂ دیوارِ زنداں کو

نہ پوچھی بات بھی اُس شوخ کی کافر نگاہوں نے — لئے بیٹھا رہا زاہد متاعِ دین و ایماں کو

ابھی اے جوشِ وحشت! کون یہ کہتا ہوا گذرا — ترے دامن کے ٹکڑے یاد کرتے ہیں گریباں کو

عطا کر، وہ مذاقِ عشق، اے بیگانۂ عالم! — کہ تیری آنکھ سے دیکھوں ترے حسنِ نمایاں کو

کمالِ لذتِ ذوقِ اسیری تو کہاں ممکن — بقدرِ ظرف حصہ مل گیا، ہر اہلِ زنداں کو

نہ تھا کوئی حجاب اک لغزشِ مستانہ کے آگے — مآل اندیشیوں ہی نے کیا گمراہ انساں کو

مزاجِ حسن و تکلیفِ تجلّی، اے معاذ اللہ — بس اب یہ سوا نہ کر، اے بیخودی! شوقِ پشیماں کو

نہیں آپے میں کوئی کس کو ہو احساسِ نظارہ — تحیّر ہے نگاہوں کو تواجد ہے رگِ جاں کو

نکاتِ عشق حل کرتی ہے ہر جنبش نگاہوں کی — زبانِ آگہی سمجھو، سکوتِ اہلِ عرفاں کو

دکھا کر اک جھلک سامانِ راحت جس نے لوٹا تھا — نگاہیں ڈھونڈتی ہیں پھر اُسی غارت گرِ جاں کو

تغافل بھی کسی کا وجہِ تسکیں اے جگر! کیا ہو — سمجھتا ہے یہ دل کمبخت پرسش ہائے پنہاں کو

(مشاعرہ جوبلی علی گڑھ)

ی

○

قدرت کی آن والے! رحمت کی شان والے
تجھ پر جہاں تصدّق! او پاک جان والے!

دونوں جہاں کی نعمت ہے مٹھیوں میں تیری
بوسیدہ کپڑوں والے، ٹوٹے مکان والے!

ایسے تھے آپ اُمّیؐ کھولی زبان جس دم
دم بھر میں بے زباں تھے سارے زبان والے

روضے پر اے صبا تو جا کر یہ عرض کر دے
مہجور کب تک آخر ہندوستان والے

اک جنبشِ نگہ کے سب منتظر کھڑے ہیں
پُر درد قلب والے، پُر سوز جان والے

○

ہنسی پھر اُڑنے لگی، عشق کے فسانے کی
نقاب اٹھاؤ، بدل دو فضا زمانے کی

چلی کچھ ایسی مخالف ہوا زمانے کی
پناہ برق نے لی میرے آشیانے کی

یہ شرح ہے دلِ عشّاق کے فسانے کی
کہ گردشیں اسی محور پہ ہیں زمانے کی

اب آگے دیکھیں کرے کیا ہوا زمانے کی
قفس میں طرح تو ڈالی ہے آشیانے کی

جنھیں سمجھتے ہو نیرنگیاں زمانے کی
جُدا جُدا ہیں یہ شرحیں مرے فسانے کی

قفس کے سامنے بجلی کچھ اس طرح چمکی
نظر میں پھر گئی تصویر آشیانے کی

یہ بزمِ دل خس و خاشاک پر نہیں موقوف
اجڑ کے بھی وہی رونق ہے آشیانے کی

خزاں افسردگیِ شوقِ ناتمام مری
بہار مستیِ ناقص مرے فسانے کی

تعیّنات کے ہیں وصل و ہجر، دو پہلو
حیات و موت ہیں دو کروٹیں زمانے کی

زبانِ غیر کجا؟ انکشافِ راز کجا؟
کھلی نہ مجھ پہ حقیقت مرے فسانے کی

(اناؤ مشاعرہ کانپور)

○

ہر پردۂ ہستی میں جب تو متشکّل ہے　　حیران ہوں میں، جلوہ پھر کونسا باطل ہے؟

صحرا ہے، نہ بستی ہے، دریا ہے، نہ ساحل ہے　　جو کچھ نظر آتا ہے، اک شعبدۂ دل ہے

کیا چیز ہے کل عالم؟ کیا چیز مرادِ دل ہے؟　　حیرت کا اک آئینہ، حیرت کے مقابل ہے

حیراں ہوں، کہ یہ آخر کیوں بیچ میں حائل ہے؟　　میرا ترا رشتہ تو بے واسطۂ دل ہے

خود شورشِ ہستی ہے تمہیدِ فنا یعنی،　　ہنگامۂ محفل ہی، برہم زنِ محفل ہے

جس میں کہ ترے جلوے خود تیرتے پھرتے ہیں　　اُس خون کا ہر قطرہ، کونین کا حاصل ہے

وحشت نے نگاہوں کی تاریک کیا منظر
ایک ایک قدم ورنہ خود عشق میں منزل ہے

(کانپور)

○

جدھر کو جھوم کے مستِ شراب دیکھیں گے　　تمام زُہدِ ریائی، خراب دیکھیں گے

بغور عالمِ ہستی پہ جب کریں گے نگاہ　　ہر ایک موج کو، موجِ سراب دیکھیں گے

بھرے ہیں جن کی ہر اک رگ میں سرمدی نغمے　　وہ خاک محفلِ چنگ و رباب دیکھیں گے

ادب، معاملہ داں، شوق مصلحت دشمن　　خبر نہیں کہ کسے کامیاب دیکھیں گے

جگر کی بادہ کشی ان دنوں، معاذ اللہ
جب آپ دیکھیں گے غرقِ شراب دیکھیں گے

(مشاعرہ آگرہ)

○

چشمِ نظر پرست میں حسن کا جہان نام ہے — حسنِ تمامِ یار کا جلوۂ ناتمام ہے

کس کے فروغِ حسن کا آج یہ فیضِ عام ہے — شام نثارِ صبح ہے، صبح، نثارِ شام ہے

خلوتیانِ راز کا، خاص یہ اک پیام ہے — کیفِ وصالِ دوست بھی منزلِ ناتمام ہے

حسن کی بارگاہ میں رکھیے سنبھال کر قدم — یہ وہ مقام ہے جہاں خواہشِ دل حرام ہے

گرمیٔ سوزِ عشق سے دل کو جلا تو، بوالہوس! — صبح کو بھی نہ بجھ سکے، یہ وہ چراغِ شام ہے

شوق کی انتہا کہو، یا کہ فریبِ عاشقی — شورِ انا الحبیب کا خاصۂ مقام ہے

ایک بلا کی بیخودی، ایک غضب کی بےحسی — دورِ حیات کہتے ہیں جس کو وہ دورِ جام ہے

بندگیٔ جنوں ادا، بیخودیٔ ادب سرشت — حسن کی اصطلاح میں عشق اسی کا نام ہے

ایک ادائے پرسکوت، لاکھ نوائے پرخروش — وہ روشِ خواص تھی، یہ روشِ عوام ہے

شیفتۂ صفات کو، کوئی سکون ہو تو ہو — عاشقِ ذات کو کہاں ایک جگہ قیام ہے

اب تو خدا کے واسطے زیست کا دو جگر ثبوت
خوابِ گراں وہی ہے اور وقت قریبِ شام ہے

(غالباً اعظم گڑھ)

○

سوز میں بھی وہی اک نغمہ ہے، جو ساز میں ہے
فرق نزدیک کی اور دُور کی آواز میں ہے

یہ سبب ہے کہ تڑپ سینۂ ہر ساز میں ہے
میری آواز بھی شامل تری آواز میں ہے

جو، نہ صورت میں، نہ معنی میں، نہ آواز میں ہے
دل کی ہستی بھی اُسی سلسلۂ راز میں ہے

ہمہ تن محوِ دل، اک نغمۂ بے ساز میں ہے
اب نہ مطرب میں کوئی فرق نہ آواز میں ہے

عاشقوں کے دلِ مجروح سے کوئی پوچھے
وہ جو اک لطف نگاہِ غلط انداز میں ہے

گوشِ مشتاق کی کیا بات ہے اللہ اللہ
سُن رہا ہوں میں وہ نغمہ، جو ابھی ساز میں ہے

حُسنِ انجام پہ کس طرح تصدق کردوں
وہ جو اک لطف سراک لغزشِ آغاز میں ہے

حرم و دیر نظر آتے ہیں سب سربہ سجود
جلوہ گر کون؟ مرے شوقِ جبیں ساز میں ہے

(مشاعرہ مین پوری)

کیونکر نہ روشن تجھ سے ہوں، کون و مکانِ عاشقی　　تو شمعِ بزمِ آرزو، تو نورِ جہانِ عاشقی

اللہ رے سوزِ دلِ خوں کشتگانِ عاشقی　　پنہاں ہے اب تک خاک میں برقِ تپانِ عاشقی

لیکر ازل ہی سے چلے شوریدگانِ عاشقی　　نشتر بجانِ آرزو، آتش بجانِ عاشقی

کیا قصۂ جورِ فلک؟ کیا داستانِ عاشقی؟　　سب جانتی ہے وہ نظر، دردِ نہانِ عاشقی

ناکام ہی اب تک رہے، بدنام ہی اب تک رہے　　ہم بیکسانِ بیکسی، ہم عاشقانِ عاشقی

گو لب پہ آہِ سرد ہے، چہرہ بھی غم سے زرد ہے　　پھر بھی یہی اک درد ہے آرامِ جانِ عاشقی

اُٹھنے کو ہے اُن کی نظر، ہونے کو ہے وہ آنکھ تر　　ہاں تیز کر دے بیخبر! سازِ نہانِ عاشقی

برہم اُدھر بزمِ جہاں، تاراج باغ و آشیاں　　طاری وہی اب تک یہاں، خوابِ گرانِ عاشقی

ان کی نگاہِ لطف ہے، اور کشفِ رازِ دلبری　　میری نگاہِ شوق ہے اور داستانِ عاشقی

آؤ جہاں برہم کریں، پیدا نیا عالم کریں　　تم جانِ جانِ حسن ہو، ہم جانِ جانِ عاشقی

یہ مصرعِ حسرت[1]، جگرؔ! نشتر سے بھی ہے تیز تر
سیراب غم کر دے کہیں پیرِ مغانِ عاشقی

(اعظم گڑھ)

[1] جناب مولانا حسرت موہانی ۱۲ جگرؔ

○

وہ بزمِ تماشا بھی، کیسا بزمِ تماشا ہے
جو جلوہ ہے، پردا ہے، جو پردا ہے، جلوا ہے

یہ حُسنِ طلب ہی کا، اک جلوۂ رعنا ہے
کس نے اُسے دیکھا ہے کس نے اُسے پایا ہے

دُنیا، یہ اُسی کی ہے، عالم یہ اُسی کا ہے
جو آپ ہی مجنوں ہے، جو آپ ہی لیلا ہے

آغازِ محبّت کا، انجام بس اتنا ہے
جب دل میں تمنّا تھی، اب دل ہی تمنّا ہے

بیکار ہے اے مجنوں! یہ پیکرِ آب و گل
اُس چیز کا طالب بن، جو محمل میں لیلا ہے

کیا حسن کا افسانہ، محدود ہو لفظوں میں
آنکھیں ہی کہیں اُس کو، آنکھوں نے جو دیکھا ہے

کہنے کے لئے کہہ لیں، سب کچھ اسے اہلِ دل
خود دورنہ محبّت بھی، اک طرح کا پردا ہے

اس دور میں مجنوں ہی کوئی نہ رہا ورنہ
ابتک وہی محمل ہے، ابتک وہی لیلا ہے

بھر دو انھیں جلووں سے، یا آگ لگا دو تم
آنکھیں بھی تمھاری ہیں، سینہ بھی تمھارا ہے
(کانپوری)

○

تاثیرِ محبّت کی اللہ ری مجبوری
ہر بُعد میں اک قربت، ہر قُرب میں اک دوری

یوں محوِ فنا ہو جا اے دل! رہِ الفت میں
ہر سانس سے پیدا ہو، اک نغمۂ منصوری

کل ہستیٔ عالم پہ طاری ہیں صفات اُس کے
سب کہنے کی باتیں ہیں، مختاری و مجبوری

خود اپنے لئے بلبل، تجویزِ قفس کر لے
اس پر بھی جو کھل جائے صیّاد کی مجبوری

تو نے ہی جگر! اس کو مٹی میں ملایا ہے
ورنہ، یہ ترا دل تھا اک آئینۂ نوری
(غالباً گونڈہ)

○

آدمی نشۂ غفلت میں بھلا دیتا ہے — ورنہ جو سانس ہے، تعلیمِ فنا دیتا ہے

تجھ سے میں دُور کسی وقت نہیں ہوں غافل! — دل میں بیٹھا ہوا کوئی یہ صدا دیتا ہے

بادۂ ناب عجب چیز ہے ساقی! لیکن — اور ہی کچھ ترے ہاتھوں سے مزا دیتا ہے

پھر شرابی تری آنکھوں کے نہ چونکے تا حشر — کوئی اس طرح مئے ہوش ربا دیتا ہے

جھلملاتے ہوئے تاروں کا یہ اللہ رے فیض — سامنے سے کوئی پردہ سا ہٹا دیتا ہے

تجھ سے وحشی ترے غافل نہیں رہنے پاتے — روز آ کر کوئی زنجیر ہلا دیتا ہے

ہائے کیا چیز، گلِ داغِ محبت ہے جگرؔ!
خشک ہونے پہ بھی جو بوئے وفا دیتا ہے

○

دلِ حزیں کی تمنا، دلِ حزیں میں رہی — یہ جس زمیں کی تھی دنیا، اُسی زمیں میں رہی

حجاب بن نہ گئی ہوں حقیقتیں باہم — کہ بے سبب تو کشاکش نہ کفر و دیں میں رہی

سرِ نیاز، نہ جب تک کسی کے در پہ جھکا — برابر ایک خلش سی مری جبیں میں رہی

ہوس نے بھر دئے اس درجہ خواہشات کے بت — ذرا سی بھی نہ جگہ کعبۂ یقیں میں رہی

بقیدِ ظرف مئے بندگی کا جوش رہا — کسی جبیں سے نہ ٹپکی، کسی جبیں میں رہی

عدم میں بھی مری ہستی کی تھی یہ شانِ وجود — کہ راز بن کے دلِ صورت آفریں میں رہی

نگاہِ حضرتِ اصغرؔ[1] کی ہر ودیعتِ خاص — قرار بن کے جگرؔ کے دلِ حزیں میں رہی

([illegible])

[1] حضرت مولانا اصغر گونڈوی [illegible]

○

رند وہ ہوں کہ غزل بھی مری رندانہ ہے
معنی و لفظ نہیں، بادہ و پیمانہ ہے

اپنی ہستی کے جو انوار سے بیگانہ ہے
وہ فقط چند حجابات کا دیوانہ ہے

ہجرِ جاناں میں غضب، شورشِ مستانہ ہے
روح قالب میں نہیں، قید میں دیوانہ ہے

سلسلہ روزِ ازل سے ہے برابر جاری
نہیں معلوم، کہاں تک مرا افسانہ ہے

حیرتِ عشق بھی کیا چیز ہے، اللہ اللہ
نہ یگانہ ہے یہاں کوئی، نہ بیگانہ ہے

چھیڑ، اے مطربِ غم! تازہ غزل کوئی مگر
یہ نہ معلوم ہو مجھ کو، مرا افسانہ ہے

کل جہاں گرم تھا، ہنگامۂ تاثیرِ نظر
آج دیکھا، تو بس اک دشت ہے ویرانہ ہے

بت پرستوں پہ عبث طعن ہیں اے شیخِ حرم!
اپنے بت دیکھ، کہ تو آپ ہی بتخانہ ہے

روشِ دہر کا ہر نقش پکارے گا مجھے
یہ نہ سمجھو کہ مجھی تک مرا افسانہ ہے

واہ، کیا مست غزل، تو نے پڑھی آج جگر!
ایک اک لفظ چھلکتا ہوا پیمانہ ہے

(مشاعرہ کانپور)

○

درِ فردوس نظر آنے لگا باز مجھے
دیکھئے دیکھئے، اک اور بھی آواز مجھے

دیکھنا، شوخیٔ نیرنگِ محبّت کا سلوک
حسنِ انجام میں ہے حسرتِ آغاز مجھے

ایک گوشہ ہی قفس کا مجھے بس ہے صیّاد!
بال و پر دیں نہ اگر زحمتِ پرواز مجھے

دید کیسی؟ مگر اتنا ہے کہ گاہے گاہے
پردۂ دل سے سُنا دیتے ہیں آواز مجھے

(کانپور)

○

کیا بلا عشق تماشہ ساز ہے
اس کا ہر انجام اک آغاز ہے

موت پر حیرانی و حیرت ہی کیا
زندگی خود اک طلسمِ راز ہے

روح ہے اک نغمۂ سازِ الست
جسم جس کا پردۂ آواز ہے

اُن کو اپنی شانِ رحمت پر غرور
مجھ کو اپنی بےبسی پر ناز ہے

لفظ و معنی جس کو چھو سکتے نہیں
وہ مرا افسانۂ آغاز ہے

لب تک اے صیاد آ سکتی نہیں
دل میں جتنی حسرتِ پرواز ہے

یوں نہ دیکھے کوئی تو کچھ بھی نہیں
ورنہ ہر ذرّہ طلسمِ راز ہے

ہوشیار اے طائرِ جاں! ہوشیار
اس گلستاں کی ہوا ناساز ہے

سرِ ہستیٔ دو عالم کچھ نہ پوچھ
ابتدا سے انتہا تک راز ہے

اضطرابِ دل بھی کیا شے ہے کہ اب
بے پر و بالی پرِ پرواز ہے

زندگی کیا ہے؟ نمودِ عاشقی
عشق کیا ہے؟ حسن کا آغاز ہے

زندگی جس سے عبارت ہے جگرؔ!
وہ کسی کی اک نگاہِ ناز ہے

(رائے بریلی)

○

مسرور ہوں کیفیتِ دردِ جگری سے — کچھ کام اثر سے ہے، نہ اب بے اثری سے

کہتے ہیں جسے اہلِ نظر ہوش کی دنیا — کچھ کچھ ہے خبردار مری بے خبری سے

وہ بن گئے سب سینۂ گردوں کے ستارے — بھڑکے تھے جو شعلے مرے داغِ جگری سے

پھولوں کا نہ وہ رنگ نہ بلبل کے وہ انداز — عالم ہے مبدّل مری حیراں نظری سے

ہر چیز پہ پڑتی ہیں تحیّر کی نگاہیں — چھوٹا ہوں جو اب سلسلۂ بیخبری سے

جب آہ مری بابِ اثر دیکھ چکی سب — تب جا کے ہوا ربط کہیں بے اثری سے

سمجھا گیا، اک جلوۂ بیتاب کسی کا — جو راز، کہ محجوب تھا فہمِ بشری سے

دل خون ہوا جاتا ہے لب پر ہے تبسّم — ہم جان فدا کرتے ہیں کس بے جگری سے

لِلّٰہ جگر! اب تو ذرا ہوش میں آجا
تنگ آ گئے احباب، تری بیخبری سے

(غالباً گونڈہ)

○

کس قدر جامع ہے میرا عالمِ تصویر بھی — حسن کی تشریح بھی ہے عشق کی تفسیر بھی

روح کی رنگینیوں سے، جسم بھی ہے فیض یاب — کم نہیں تصویر سے، آئینۂ تصویر بھی

تو نے نالے عشق میں جتنے کئے اے بیخبر! — ہو گئی اتنی ہی ضائع عشق کی تاثیر بھی

اُس کی عالی ہمتی کا کیا ٹھکانا اے جگر!
ننگ ہو جس کے لئے فریاد بھی تاثیر بھی

○

سنا ہے حشر میں اک حسنِ عالمگیر دیکھیں گے
خدا جانے تجھے یا اپنی ہی تصویر دیکھیں گے

دلِ برباد ہی میں حسن کی تنویر دیکھیں گے
اسی برگِ خزاں دیدہ پہ اک تصویر دیکھیں گے

جُدا ہرگز نہ حُسن و عشق کی تصویر دیکھیں گے
وہ جب دیکھیں گے میری خاکِ دامنگیر دیکھیں گے

اگر فرصت ملی، عرفانِ تاثیرِ محبت سے
تجھے بھی ایک دن اے آہ بے تاثیر دیکھیں گے

رہائی ہو نہیں سکتی کبھی قیدِ تعلق سے
جو اک زنجیر ٹوٹی، دوسری زنجیر دیکھیں گے

بغور اس ہستیِ خاکی پہ بھی ہم اک نظر کر لیں
قیامت تک نہ پھر ایسی کوئی تصویر دیکھیں گے

اب اس صورت سے کیا آئیں ترے آئینہ خانے میں
تری تصویر ہی بن کر، تری تصویر دیکھیں گے

(کانپور)

○

یہ دورِ مستعارِ خزاں و بہار کے
دو سلسلے ہیں، اک نگہِ فتنہ کار کے

وارفتگانِ عشق ہوں، ہم رنگ کس طرح
عالم جُدا جُدا ہیں نگہ ہائے یار کے

ہونے دیا تعلقِ اصلی نہ منقطع
مجبوریاں بھی ساتھ چلیں اختیار کے

دیوانۂ جنوں کی وہ ہے ایک سیرگاہ
تھمتے نہیں ہیں پاؤں جہاں ہوشیار کے

آکر قفس میں، اب یہ کھلا ہے معاملہ
ہم اہل تھے خزاں کے نہ رنگِ بہار کے

رگ رگ میں آج دوڑ گئی موجِ سرخوشی
قربان، تیری لغزشِ مستانہ وار کے

پہنچا دیا مقامِ قناعت تک اے جگر!
صدقے میں اپنے اس غمِ ہمت شکار کے

○

ساقی ہے، شراب ہے، سبو ہے
اوّل وہ بڑھے، جو باوضو ہے

مقصود، وہ اک مقامِ ہُو ہے
میں ہوں نہ جہاں نہ یار، تو ہے

اپنے کو، میں آپ پوجتا ہوں
آئینۂ حسن روبرو ہے

کوئی نہ یہاں عدم، نہ ہستی
اوّل، آخر، جو کچھ ہے تو ہے

وہ میری طرف بڑھل دے گلچیں!
جس پھول میں رنگ ہے، نہ بُو ہے

○

خاص اک شان ہے، یہ آپ کے دیوانوں کی
دھجیاں خود بخود اُڑتی ہیں گریبانوں کی

سخت دشوار حفاظت تھی گریبانوں کی
آبرو موت نے رکھ لی ترے دیوانوں کی

رحم کر اب تو جنوں! جان پہ دیوانوں کی
دھجیاں پاؤں تک آپہنچیں گریبانوں کی

گرد بھی مل نہیں سکتی ترے دیوانوں کی
خاک چھانا کرے اب قیس بیابانوں کی

ہم نے دیکھی تھی ادا کل ترے دیوانوں کی
دھجیاں کچھ لئے بیٹھے تھے گریبانوں کی

ابتدا عشق کی ہے، فطرتِ انساں کی نمود
انتہا عشق کی تکمیل ہے انسانوں کی

جب سے غش کھا کے گرے حضرتِ موسیٰ سرِ طور
گھٹ گئی شان سی کچھ عشق کے افسانوں کی

واں ہیں باقی نہیں، وہ جوشِ جنوں ہی، ورنہ
دامنوں کی نہ کمی ہے، نہ گریبانوں کی

تو نے جو آگ لگا دی، وہ فروزاں ہی رہی
بجھ گئی آگ لگائی ہوئی ارمانوں کی

(غالباً اعظم گڑھ)

جگر پارے

مٹایا جس قدر ہستی کو تصویریں ہوئیں پیدا
ہوئے ہم جس قدر آزاد زنجیریں ہوئیں پیدا

○

پاسِ ادب سے چھپ نہ سکا رازِ حسن و عشق
جس جا تمھارا نام سنا سر جھکا دیا

○

جس میں آباد تھی دنیائے محبت میری
ہائے اُس اشک کا آنکھوں سے جدا ہو جانا

○

امیدِ عفو کو بھی میں نے اب دل سے مٹا ڈالا
یہ تھا اک بدنما دھبّا مرے دامانِ عصیاں کا

○

اس جلوۂ تمام کی ہم کو خبر ہی کیا
اِک ناتواں سا رشتۂ تارِ نظر ہی کیا

○

مرا احساسِ غم اے کاش اتنا تیز ہو جاتا
جو چھو جاتی ہوا، دل درد سے لبریز ہو جاتا
نہ رکھا دل کو احساسِ گنہ نے مستقل ورنہ
یہی ظلمت کدہ، اک دن تجلّی خیز ہو جاتا
یہ ساری لذتیں ہیں میرے شوقِ نامکمل تک
قیامت تھی، یہ پیمانہ اگر لبریز ہو جاتا

○

نشۂ صہبائے غفلت جب ذرا کچھ کم ہُوا
مجھ کو ہر ذرّہ مری ہستی کا سازِ غم ہُوا
تیرے اسرارِ حقیقت کا وہی محرم ہُوا
رہ کے عالم میں بھی جو بیگانۂ عالم ہُوا
ربطِ باطن اس کو کہتے ہیں کہ روزِ اوّلیں
روح مضطر ہی رہی جبتک نہ پیدا غم ہُوا

○

توڑ کر سینۂ و دل یار کا پیکاں نکلا　　جان نکلی مرے اللہ! کہ ارماں نکلا

○

تھی حریمِ ناز کے پردوں میں بھی جنبش تمام　　ایک رنگِ خاص سے جب مضطرب تھا دل مرا
مڑ کے پھر میں نے نہ دیکھا، میں ہوں ایسا رہ نورد　　دیکھتی ہی رہ گئی حسرت سے مُنہ منزل مرا
بے دلی پر کیوں ہراساں ہوں کہ ہے مجھ کو خبر　　خود نگاہِ ناز ہی اک دن بنے گی دل مرا

○

عشق کی دسترس ہو کیا جلوۂ بے پناہ تک　　اُٹھ نہ سکی نگاہ بھی، کر نہ سکے اک آہ تک

○

بیانِ اہلِ دل ہے کب اسیر قیل و قال میں　　نظر ملی کہ ہو گیا تبادلہ خیال میں

○

تھی سکونِ یاس میں بھی موجزن اک برقِ حسن　　میں یہ سمجھا تھا کہ اب کوئی شریکِ دل نہیں

○

بے کساں رہِ الفت کو سمجھتے کیا ہو　　عرش ہل جائے اگر دل سے یہ فریاد کریں

○

کس کو رہا ہے پاسِ عشق، کس کو رہے گا پاسِ حُسن
حُسن میں گم حواسِ عشق، عشق میں گم حواسِ حسن
دیدۂ شوق سے ہوئیں آج وہ گل فشانیاں،
ڈوب گئی بہار میں سادگیِ لباسِ حسن

○

غفلتوں میں قید کب فطرت کے کاروبار ہیں　　روح کہتی ہے کہ سوئیں آپ ہم بیدار ہیں
جمع ہیں اضداد تو قائم ہے شانِ امتیاز　　کلفتیں ہی مٹ گئیں تو راحتیں بیکار ہیں

قطعہ

مستِ جامِ شراب ہوتا ہوں　　ہمہ تن آفتاب ہوتا ہوں
کل دکھایا تھا آپ نے جلوہ　　آج میں بے نقاب ہوتا ہوں

قطعہ

ہو گئے مرگ و زیست سے آزاد　　حُسنِ انجام اس کو کہتے ہیں
بعد مرنے کے بھی قرار نہیں　　مرگِ ناکام اس کو کہتے ہیں

○

برق گرتی ہے کہیں جلتی ہیں شمشیریں کہیں　　وہ کہیں غمزہ و عشوہ فرما اُن کی تصویریں کہیں
جذبۂ دل رنگ بن کر مائلِ پرواز ہے　　لے کے اڑ جائیں مصوّر کو نہ تصویریں کہیں

○

جان اُن پر نثار کرتا ہوں　　پیار کی طرح پیار کرتا ہوں
لذتِ گریۂ فراق نہ پوچھ　　ہر تبسّم نثار کرتا ہوں
عشق کی بے نیازیاں بن کر　　حسن کو بے قرار کرتا ہوں

○

○

جو آنسو آنکھ سے ٹپکے وہ نظرِ دل سے نہاں کیوں ہو؟
الٰہی حاصلِ دردِ محبّت رائگاں کیوں ہو؟
یہی منشائے جاناں ہے تو افشائے رازِ جاں کیوں ہو؟
کمالِ ضبط بھی اے دل! اک اندازِ بیاں کیوں ہو؟

○

عقل باریک ہوئی جاتی ہے   روح تاریک ہوئی جاتی ہے

○

یہ کس سے کلام ہو رہا ہے؟   ہر سانس پیام ہو رہا ہے
ہشیار کو کب خبر ہے اُس کی   غفلت سے جو کام ہو رہا ہے
ہر نقشِ جبینِ عاشقی کا   مسجودِ انام ہو رہا ہے

○

چھپ کے رہ نہیں سکتی، عاشقی وہ مستی ہے   دل سے بادل اُٹھتے ہیں، آنکھ سے برستی ہے
ہوش کا وہ بندہ، یہ سجدہ ریزِ مستی ہے   آدمی کی فطرت میں، یعنی بُت پرستی ہے
بیخبر! یہی تو ہے دو جہاں کا سرمایہ   یہ جو تیرے سینے میں مضطرب سی ہستی ہے

○

ناگوارا ہے یہ شانِ جہدِ آزادی مجھے   میں تو مر جاؤں جو کہہ دے کوئی فریادی مجھے

○

کیا کیا خیال و وہم نگاہوں پہ چھا گئے　　جی دھک سے ہوگیا، یہ سنا جب، وہ آ گئے

○

شوقِ محوِ آر، آتشِ عشق غرقِ وحدت ہے　　اک نظر میں مستی ہے، اک نظر میں حیرت ہے
کیا مزاجِ دل کہئے؟ دل کی اب یہ صورت ہے　　حال ہے نہ بے حالی کچھ عجیب حالت ہے

○

کسی طرف سے شبِ غم صدا نہیں آتی　　پکارتا ہوں قضا کو قضا نہیں آتی
ترے فراق کے غم نے بچا لیا سب سے　　مرے قریب کوئی اب بلا نہیں آتی

○

ہر قدم پر گر گر کر آدمی سنبھلتا ہے　　یعنی خضر بھی کوئی ساتھ ساتھ چلتا ہے

○

گزر سکے، تو گزر جا! بطرزِ بے خبری　　یہ کل جہاں ہے فریبِ تجلیِ نظری

○

میں بتاؤں تجھ کو یہ راز کیا؟ تو اسیرِ دامِ قیود ہے
میں جہاں ہوں نغمہ سرا وہاں، نہ وجود ہے نہ شہود ہے

○

○

ہوشیار اے دیدۂ گستاخِ عاشق ہوشیار   اُس کے استغنائے وقتی پر نہ جانا چاہیئے
بزمِ ساقی میں نہیں کچھ کام عقل و ہوش کا   مست جانا چاہیئے، مدہوش آنا چاہیئے

○

محبّت کی پُرپیچ راہوں نے مارا   تری آڑی ترچھی نگاہوں نے مارا

○

وہ ہے غرقِ معرفت یہ محو مائومن میں ہے
عینِ قربت پر بھی کتنا بُعد روح و تن میں ہے
ہم سے پوچھو وہ کہاں ہے اور کس مسکن میں ہے
درد کی بیتابیوں میں قلب کی دھڑکن میں ہے

○

دورِ سوم

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الف

○

اُس کی نگاہِ ناز کے قابل نہ سمجھنا
اے بے خبرو! دل کو کبھی دل نہ سمجھنا

بے کار سی اک ہستیِ باطل نہ سمجھنا
نقشِ قدمِ یار ہے یہ دل نہ سمجھنا

دل ہی کو فقط درد کے قابل نہ سمجھنا
اُس شورش سے خالی کوئی محفل نہ سمجھنا

ہیں دل سے سہی دور، مگر اے غمِ جاناں!
دل کو مرے آوارۂ منزل نہ سمجھنا

جو موجِ نظر ہے، وہ ہے اک برقِ تجلّی
آنکھوں کو فقط پردۂ سائل نہ سمجھنا

ہر جلوے کے پردے میں وہ خود سیر کناں ہیں
تنہا اسے ہنگامۂ محفل نہ سمجھنا

خود دے کے کہا دردِ محبت یہ کسی نے
"اب آج سے اپنا اسے تم دل نہ سمجھنا"

کہتی ہے یہ اب وسعتِ دیوانگیِ شوق،
منزل بھی جو آجائے، تو منزل نہ سمجھنا

اے قیسِ نظر! حسنِ حقیقت سے خبردار
سایہ ہے اسے صاحبِ محمل نہ سمجھنا

ہر سانس ہے درپردہ نگہبانِ محبت
زنہار کبھی حسن کو غافل نہ سمجھنا

ہر ذرہ ہے، اک پیکرِ صد حسنِ حقیقت
ہستی کو جگر ہستیِ باطل نہ سمجھنا

○

محال تھا کہ میں آزادِ دو جہاں ہوتا　　بقیدِ جسم نہ ہوتا، بقیدِ جاں ہوتا
نہاں کسی سے کہیں رازِ غم نہاں ہوتا　　زباں دہن میں نہ ہوتی تو میں زباں ہوتا
یہ سوچتا ہوں، ٹھکانا مرا کہاں ہوتا　　اگر وہ میری طرح مجھ سے بدگماں ہوتا
یہ سب ہیں فیض اسی دم قدم کے اے بلبل!　　خزاں نہ تنکے اڑاتی، نہ آشیاں ہوتا
بھلا ہوا، کہ نظر حیرتوں میں ڈوب گئی　　کہاں کہاں نہ ترا حُسن رائگاں ہوتا
بہار، توبہ شکن، چشمِ مستِ یار مُصر　　میں آج پی جو نہ لیتا وہ بدگماں ہوتا
کہاں فروغ، تلوّن مزاجیوں سے تری　　یہ دردِ ہجر ہی اے کاش جاوداں ہوتا
یہ ذوقِ سجدہ کہیں مطمئن نہ رہ سکتا　　مری جبیں سے جو باہر وہ آستاں ہوتا
کہاں ہم اور کہاں اب فسانۂ غمِ عشق　　وہ التفات نہ کرتے تو کچھ بیاں ہوتا
وہ حالِ دل لبِ خاموش سے بھی سنتے ہیں　　یہ جانتا، تو نہ شرمندۂ فغاں ہوتا
گدازِ عشق کی اب شرح مختصر یہ ہے　　وہ مہرباں جو نہ ہوتا تو مہرباں ہوتا
نثار ہو گئے، اک جلوۂ تبسم پر　　کہاں نصیب یہ وقتِ وداعِ جاں ہوتا
تمام اُٹھ گئے پردے تو اس سے کیا حاصل　　مزا تو جب تھا کہ میں بھی نہ درمیاں ہوتا

یہ سب نمود و نمائش ہے تیرے چھپنے سے
جو تو نہ پردے میں ہوتا، تو میں کہاں ہوتا

○

جنوں میں بھی کبھی کم یہ سامان ہوگا
گریباں سے پیدا گریبان ہوگا

نہ جاں، دل بنے گی، نہ دل جان ہوگا
غمِ عشق، خود اپنا عنوان ہوگا

ٹھہر! اے دلِ دردمندِ محبّت
تصوّر کسی کا پریشان ہوگا

مرے دل میں بھی اک وہ صورت ہے پنہاں
جو تو دیکھ لے گا، تو حیران ہوگا

یہ کہہ کر دیا اُس نے دردِ محبّت
"جہاں ہم رہیں گے یہ سامان ہوگا"

گوارا نہیں، جان دے کر بھی دل کو
تری اک نظر کا جو نقصان ہوگا

کٹے گی شبِ غم بڑی راحتوں سے
تری یاد ہوگی، ترا دھیان ہوگا

چلو دیکھ آئیں جگر کا تماشا
سنا ہے وہ کافر مسلمان ہوگا

○

یادِ ایّام کہ جلووں کا ترے ہوش نہ تھا
حیرت آوارہ نہ تھی، عشق جنوں کوش نہ تھا

حُسن بھی بزم میں جب تک کہ قدح نوش نہ تھا
بادۂ عشق میں نشہ تھا مگر جوش نہ تھا

دن جوانی کے، جگر، بے خبری میں گذرے
ہوش کا وقت جب آیا، تو مجھے ہوش نہ تھا

(بین لپاری)

جدھر سے حسن کا اک گوشۂ نقاب اُٹھا — تمام ذرّے پکارے وہ آفتاب اُٹھا[1]

یہ کون، جامِ تہی کردہ و خراب اُٹھا — کہ میکدے کو لئے شورِ اضطراب اُٹھا

نظر کو مستِ مے حسن کر حجاب اُٹھا — جگر! شراب نہ پی تہمتِ شراب اُٹھا

یہ سب جو حُسنِ حقیقت پہ ہیں حجاب اُٹھا — نظر کو ہے جو اُٹھانا تو کامیاب اُٹھا

کہاں، مشاہدۂ روح میں ہے پابستہ؟ — بہت لطیف سہی، پھر بھی یہ حجاب اُٹھا

نشانِ منزلِ جذب تمام چھپ نہ سکا — ادھر فنا ہوا قطرہ، ادھر حباب اُٹھا

رہِ طلب میں نہ کر خوف لغزشِ پا سے — یہاں جو گر کے اُٹھا، بس وہ کامیاب اُٹھا

جہانِ حسن سے تکمیلِ تشنگی کر لے — ابھی نظر سے، نہ یہ پردۂ سراب اُٹھا

بھری ہوئی ہیں فضائیں جمالِ غم سے تمام — گناہگارِ نظر! لذّتِ عذاب اُٹھا

وداعِ ہوش کہ پابند انحصار نہ کر — سکونِ شوق سے بھی کیفِ اضطراب اُٹھا

اُٹھا چکا ہے بہت نازِ بادہ و ساغر — شکستِ نشہ سے اب لذّتِ شراب اُٹھا

فضائے عشق ہے ساکت، ہوائے شوق ہے تلخ — کدھر ہے مطربِ آتش نوا رباب اُٹھا

کوئی خرابِ تماشا، وہاں پہنچ نہ سکا — مگر جو میکدۂ عشق سے خراب اُٹھا

یہی تھا وعدۂ تسکیں، یہی تھا عہدِ وفا — نظر تو اپنی ادا سے شوخِ پُر حجاب اُٹھا

[1] آفتاب اُٹھا، درحقیقت خلافِ محاورہ ہے مگر میرا مفہوم بجز اس کے اور کسی طرح ادا نہیں ہوتا۔ اگر مذاقِ سلیم سے کام لیا جائے تو ایک اجتہاد ہوگا، جسے رائج ہونا چاہیئے۔ جگر

نسیمِ شوق، یہ لائی جوابِ نامۂ درد کچھ اور دن ابھی تکلیفِ اضطراب اُٹھا
جدھر کو مستیِ دریا نے رُخ کیا اپنا تڑپ کے موج اُٹھی، جھوم کر حباب اُٹھا
مجھے اُٹھانے کو آیا ہے واعظِ ناداں! جو اُٹھ سکے تو مرا ساغرِ شراب اُٹھا
کدھر سے برق چمکتی ہے دیکھیں اے واعظ! میں اپنا ساغر اٹھاتا ہوں تو کتاب اُٹھا
کہاں یہ بار کہاں پائے نازکِ جاناں اٹھا سر اوجگرِ خانماں خراب اُٹھا
قریب ساعتِ وصل آچکی ہے اب تو جگرؔ
نچوڑ دامنِ تر دیدۂ پُر آب اُٹھا

○

حُسن کے احترام نے مارا عشقِ بے ننگ و نام نے مارا
لرزشِ دستِ شوق، آہ نہ پوچھ لغزشِ نیم گام نے مارا
عشق کی سادگی تو ایک طرف شوق کے اہتمام نے مارا
اللہ اللہ، نفس کی آمد و شد اس پیام و سلام نے مارا
عشق مرتا نہ اپنی موت سے آہ عاشقانِ کرام نے مارا
کاش وہ عمرِ خضر بن جاتے جن خیالاتِ خام نے مارا
میں نہیں، بسملِ خیام جگرؔ!
حافظِ خوش کلام نے مارا

○

ہزاروں قربتوں پر یوں مرا مہجور ہو جانا
جہاں سے چاہنا اُن کا وہیں سے دور ہو جانا

نقابِ روئے نادیدہ کا از خود دور ہو جانا
مبارک اپنے ہاتھوں حسن کو مجبور ہو جانا

سراپا دید ہو کر غرقِ موجِ نور ہو جانا
ترا ملنا ہے خود ہستی سے اپنی دور ہو جانا

نہ دکھلائے خدا اے دیدۂ تر دل کی بربادی
جب ایسا وقت آئے پہلے تو بے نور ہو جانا

جو کل تک لغزشِ پائے طلب پر مسکراتے تھے
وہ دیکھیں آج ہر نقشِ قدم کا طور ہو جانا

ان آنکھوں کا نہ پوچھو ضبط جن آنکھوں نے دیکھا ہے
سحر ہونے سے پہلے شمع کا بے نور ہو جانا

محبّت کیا ہے؟ تاثیرِ محبّت کس کو کہتے ہیں؟
ترا مجبور کر دینا، مرا مجبور ہو جانا

یکایک دل کی حالت دیکھ کر میرا تڑپ اُٹھنا
اُسی عالم میں پھر کچھ سوچ کر مسرور ہو جانا

محبّت عین مجبوری سہی لیکن یہ کیا باعث
مجھے باور نہیں آتا، مرا مجبور ہو جانا

نگاہِ ناز کو تکلیفِ جنبش تا کجا آخر
مجھی پر منحصر کر دو، مرا مجبور ہو جانا

جگر! وہ حُسن یکسوئی کا منظر یاد ہے اب تک
نگاہوں کا سمٹنا، اور ہجومِ نور ہو جانا

(اٹاوہ، مین پوری)

○

خالی ز ادا ہائے پریشاں نہیں دیکھا
ہم نے کسی آئینے کو حیراں نہیں دیکھا

مدّت ہوئی چھیڑے ہوئے افسانۂ ہستی
اب تک اثرِ خوابِ پریشاں نہیں دیکھا

اللہ ری مجبوریِ آدابِ محبّت
گلشن میں رہے، اور گلستاں نہیں دیکھا

○

فروغِ بادہ، ترے حسن کا جواب ہوا　　سنبھالنا، مجھے ساقی! امیں بے نقاب ہوا

ادب شناسِ محبت، دلِ خراب ہوا　　ترا حجاب نہ کرنا بھی، اب حجاب ہوا

اسی سے دل کا ہر اک نقش جلوہ تاب ہوا　　مری نظر نہ ہوئی، آپ کا حجاب ہوا

خراب ہو کے بھی دل، کب جہاں خراب ہوا　　اک آفتاب کا سایہ تھا آفتاب ہوا

نگاہِ شوق کی جذب و کشش، ارے توبہ　　جس آئینے پہ نظر کی ترا جواب ہوا

ستم ظریفیِ حسنِ ازل، ارے توبہ　　وہ دل دیا کہ جسے قرب بھی عذاب ہوا

اس ایک دل کی حقیقت کو کوئی کیا جانے　　جو لاکھ بار بنا، اور پھر خراب ہوا

نگاہِ دل بھی، یکایک اسے سمجھ نہ سکی　　وہ ہر کرم، جو پسِ پردۂ عتاب ہوا

دلِ تباہ کی کرنی ہی تھی کوئی تاویل　　سمجھ لیا کہ محبت کا گھر خراب ہوا

نگاہ خاک پہنچتی، جمالِ معنی تک　　خیال دل میں اترتے ہی اضطراب ہوا

سکون اصل عدم تھا، محیطِ قدرت میں　　دلیلِ ہستی ہر موج، اضطراب ہوا

جہانِ شوق کی محرومیاں، نہ پوچھ جگر!
سکوں تو کیا؟ کہ میسر نہ اضطراب ہوا

(مین پوری)

○

رحمت نے مجھ کو مائلِ عصیاں بنا دیا
اِک پیکرِ حقیقتِ عریاں بنا دیا

ساقی نے آج بندۂ احساں بنا دیا
ڈالی وہ اک نظر، کہ مسلماں بنا دیا

تیری ہر ایک شان کے شایاں بنا دیا
انساں کو دردِ عشق نے انساں بنا دیا

بربادیوں نے لوٹ کے سامانِ آرزو
ناکامیوں کو حاصلِ عرفاں بنا دیا

اس عشقِ ہرزہ کار سے ہوتا ہی کیا مگر
اک کیفِ مستقل کو، رگِ جاں بنا دیا

اک اک ادائے عشق کو تاثیرِ حسن نے
آئینۂ لطافتِ پنہاں بنا دیا

ساقی کے فیضِ مست نگاہی کے میں نثار
ایک ایک موجِ مے کو، رگِ جاں بنا دیا

اس کے لئے تو ننگِ محبّت ہی فخر تھا
تیرا کرم، کہ جان کو جاناں بنا دیا

کس نے غمِ فراق میں بھر کر نشاطِ روح؟
اک محشرِ تبسّمِ پنہاں بنا دیا

آج اُس نظر نے دل سے کیا یوں معانقہ
سمجھا یہ میں کہ درد کو درماں بنا دیا

ہم بھی ہیں کلمہ گو اُسی کافر نگاہ کے
کافر جگر کو جس نے مسلماں بنا دیا

(اعظم گڑھ)

ـــــــ

وارفتگیٔ شوق میں حد سے نہ گزر جا
ٹھہر اے جہاں مصلحتِ عشق ٹھہر جا

کونین کی ان بھول بھلیوں سے گزر جا
اپنی ہی طرف دیکھ ادھر جا نہ اُدھر جا

تقلیدِ صبا، اک روشِ عام ہے، اے دل!
تو موجِ فنا بن کے اُبھر، اور ٹھہر جا

مجھ سا کوئی دیوانہ تجھے کون ملے گا؟
آ، اے اجل آ! تو بھی مرے ساتھ ہی مر جا

قاتل کی نگاہوں میں ہے، اک معنیٔ پنہاں
اے جان بلب آمدہ! کچھ دیر ٹھہر جا

(غالباً بین لیوی)

ت

○

نہ دیکھا رُخِ بے نقابِ محبّت — محبّت ہے شاید حجابِ محبّت

برستا ہے کیفِ شبابِ محبّت — ہر آنسو ہے، جامِ شرابِ محبّت

عجب جوش پر ہے شبابِ محبّت — محبّت ہے، مستِ شرابِ محبّت

زہے، خواب و تعبیرِ خوابِ محبّت — محبّت ہی نکلی، جوابِ محبّت

مجھے کیا پڑی ہے ترے در سے اُٹھوں — ٹھہرنے جو دے اضطرابِ محبّت

دلِ ذرّہ ذرّہ ہے، طورِ تجلّی! — زہے، جلوۂ آفتابِ محبّت

سبھی اُٹھ گئے، دیدہ و دل سے پردے — نہ اُٹھا، مگر، اِک حجابِ محبّت

لہو کی ہر ایک بوند، دِل بن گئی ہے — خوشا لذّتِ کامیابِ محبّت

حدودِ محبّت سے بھی بڑھ گئے ہم
سلامت رہے، اِضطرابِ محبّت

(مین پوری)

س

○

ترے جلووں میں گم ہو کر، خودی سے بیخبر ہو کر
تمنّا ہے کہ رہ جاؤں، سراپا نظر ہو کر

نہ چونکے اہلِ دل، تا حشر مست و بیخبر ہو کر
زمانہ کروٹیں بدلا کیا، شام و سحر ہو کر

جنونِ بیخودی نے کھو دیا کیا؟ پردہ در ہو کر
نگاہِ قہر بھی اُٹھی، محبت کی نظر ہو کر

بہارِ لالہ و گل، شوخیِ برق و شرر ہو کر
وہ آئے سامنے لیکن، حجاباتِ نظر ہو کر

نگاہِ اہلِ دل بھی رہ گئی زیر و زبر ہو کر
کہاں پہنچے مرے اجزائے ہستی منتشر ہو کر

بھرم کھونا کہیں اے دل! اثر عشقِ معتبر ہو کر
گزر جا، ہاں گزر جا حسن سے بھی بیخبر ہو کر

حجاب اندر حجاب و جلوہ اندر جلوہ کیا کہئے
بلا میں پھنس گئے عشّاق، پابندِ نظر ہو کر

یہاں تک جذب کر لوں کاش تیرے حسنِ کامل کو
تجھی کو سب پکار اُٹھیں، گزر جاؤں جدھر ہو کر

اب اُس رحمت کے آگے حشر میں کیا ہاتھ پھیلاؤں
رہی وابستہ جو مجھ سے مراد امانِ تر ہو کر

معاذ اللہ، اُن کا کیفِ وجدانی معاذ اللہ
اثر کا منہ چڑھاتی ہیں، جو آہیں بے اثر ہو کر

پڑا رہ، سبزۂ بیگانہ پر، تو باصورتِ شبنم
شعاعِ حسن اُڑا لے جائیگی، خود بال و پر ہو کر

کہاں جاتی ہے مل کر، او نگاہِ ناز لے پڑا!!
مرے پہلو میں رہ جا، لذتِ دردِ جگر ہو کر

لطافت مانعِ نظارہ صورت سہی لیکن
دھڑکنا دل کا کہتا ہے، وہ گزرے ہیں ادھر ہو کر

حریمِ حسنِ معنی ہے جگر! کاشانۂ اصغرؔ
جو بیٹھو، باادب ہو کر، تو اُٹھو، باخبر ہو کر

(لاہور)

ہمارا حضرت اصغرؔ گونڈوی نور اللہ مرقدہٗ ۱۲ عکسہ

ف

○

اللہ اللہ، اثر انگیزیِ جذبِ غمِ کیف　　ٹپکا پڑتا ہے نگاہوں سے مری عالمِ کیف

اُس نے ساغر کو اچھالا تھا کسی دن دمِ کیف　　بن گیا عالمِ ہستی، ہمہ تن، عالمِ کیف

کھل گیا آج مجھے دیکھ کے بیخود، دمِ کیف　　زاہدِ خشک کو سمجھا تھا، میں نامحرمِ کیف

میں نہ کہتا تھا کہ بے سود ہے اب شانِ حجاب　　پھر وہی تُو ہے، وہی میں ہوں وہی عالمِ کیف

گوشۂ دل میں بھی خاک اُڑتی ہے آنکھیں بھی ہیں خشک　　دیکھئے، آج برستی ہے کدھر شبنمِ کیف

دیکھنا تھا مجھے جب میں ہی نہ تھا اے زاہد　　اب جو دیکھی بھی تو کیا انجمنِ برہمِ کیف

یہ ذہن ہو کر ترے جلووں میں، عجب حسن بنا　　چھا رہا تھا نگہِ شوق پہ جو عالمِ کیف

سب ہیں اک بادۂ بےکیف کے پینے والے　　محرمِ کیف ہو کوئی، کہ ہو نامحرمِ کیف

ہر نفس جس کا ہو اک جلوۂ نو سے ملحق،　　پوچھ اُس مست سے اندازۂ نشو و رمِ کیف

کب اسے وسعتِ کونین بھی کافی ہوتی؟　　تو نہ بنتی اگر، اے جانِ حزیں! محرمِ کیف

دیکھتے دیکھتے، دلِ عشق نے کروٹ بدلی　　انتہا کیف کی خود بن گئی وجہ رمِ کیف

ہمہ ایں دامِ قیود و ہمہ ایں نقشِ وجود　　حلقۂ ہست ز صد سلسلۂ برہمِ کیف

ایک دن منظرِ فطرت ہی بدل دے نہ کہیں

یہ تری مست نگاہی، یہ مرا عالمِ کیف

(مین پوری)

ق

○

مجھ سے سنو، مآلِ غمِ انتہائے عشق

میں سازِ عشق ہوں مری نظریں صدائے عشق،

اللہ ری، یہ شانِ فنا و بقائے عشق

اب حسن، آپ جلوہ نما ہے بجائے عشق

وہ جانتا ہے اُس کو جو ہے آشنائے عشق

ہر ذرّہ ہے مقام پہ اپنے، خدائے عشق

اب کوئی سُن سکے، تو سُنے ماجرائے عشق

اِک اِک نظر ہے مطربِ آفت نوائے عشق

دنیائے آب و گل کی ہوا گرم ہو چلی

کھلنے نہ پائے تھے ابھی بندِ قبائے عشق

(یمن لپوری)

ن

○

نالہ پابندِ نفس، اے دلِ ناشاد نہیں
یہ تو فریاد کی توہین ہے، فریاد نہیں

اب یہ کیا بات، کہ آباد نہیں شاد نہیں
دل، گزرگاہ تری ہے، تجھے کیا یاد نہیں

عشق، محرومِ اثر، اور ستم ایجاد نہیں
ہے یہ تیری ہی صدا، درد کی فریاد نہیں

آنکھ کہہ دے جسے وہ عشق کی روداد نہیں
دل سے آجائے جو لب تک، وہی فریاد نہیں

تجھ سے اے دوست! کوئی شکوۂ بیداد نہیں
دل ستم ساز ہے، خود تو ستم ایجاد نہیں

دور ہے منزلِ عرفانِ خودی، اور یہاں
بیخودی کا ہے یہ عالم، کہ خدا یاد نہیں

غم سلامت ہے، تو کر لے گا بہت دل پیدا
سچ کہا آپ نے "ہستی تری برباد نہیں"

ہم وہ مدہوشِ ازل ہیں، کہ الٰہی توبہ
دل سے کیا کہہ کے چلے تھے، ہمیں کچھ یاد نہیں

میری مستی ہے مری عرضِ تمنّا، اے دوست
خود میں فریاد ہوں، میری کوئی فریاد نہیں

موت ہے ذوقِ طلب کے لئے عرفانِ حصول
سعی برباد ہے، جو سعی کہ برباد نہیں

ہستیِ غم کا ہے ادراک، جسے کہتے ہیں درد
ہستیِ دل کا ہے احساس، تری یاد نہیں

پھونک دے قیدِ تعیّن کو بھی اے برقِ جمال!
دل ہے آزاد، نگاہیں ابھی آزاد نہیں

آنکھ غافل ہے کہ ہے تشنۂ دیدار ہنوز
دل ہے آگاہ، کہ تو خود ہے، تری یاد نہیں

تم نے کیوں انجمنِ ناز میں تیور بدلے؟
دل دھڑکنے کی صدا ہے، کوئی فریاد نہیں

دیکھنا، بیخودیِ عشق کا اعجاز، جگر!
کہہ رہا ہوں وہ فسانہ، جو مجھے یاد نہیں

(بین پوری)

○

عشق کا پیغام مستی شوق کی روداد ہوں
زندگی جس سے برستی ہے میں وہ فریاد ہوں

ہر نفس سرمایہ دارِ عشقِ کامل ہے مرا
مرحبا، درسِ کہ حسنِ دوست کی روداد ہوں

مائلِ فرزانگی ہے اب مرا ذوقِ جنوں
آج کل میں محوِ تعمیرِ خراب آباد ہوں

عشقِ بے پروا مرا، کافی حقیقت ہے مری
کچھ سمجھ کر میں ہلاکِ حسنِ بے بنیاد ہوں

اور بھی مشقِ فنا سے بڑھ گئی ایذائے فکر
جس طرف اب دیکھتا ہوں میں ہی میں آباد ہوں

میری ہستی جستجو، میری حقیقت احتیاج
میں سراپا درد ہوں میں مستقل فریاد ہوں

کچھ نہیں کھلتا جگر! رازِ طلسمِ کائنات
مجھ میں یہ آباد ہے یا اس میں میں آباد ہوں

(لاہور۔ فیروز پور)

۹

۰

لے کے نکلا ہے مرا جوشِ لطافت مجھ کو　　　خوب پہچان لے آج اے مری صورت مجھ کو

منزلِ غم میں کہاں؟ وقفۂ راحت مجھ کو　　　ہر نفس تازہ ہے درپیش قیامت مجھ کو

گر پڑی روح، تعیّن کدۂ ہستی میں　　　کاش، ہوتا ہی نہ احساسِ محبت مجھ کو

عشق نے خدمتِ دشوار وہ کی ہے تفویض　　　خود سے ملنے کی بھی ملتی نہیں فرصت مجھ کو

علم کے جہل سے بہتر ہے کہیں جہل کا علم　　　میرے دل نے یہ دیا، درسِ بصیرت مجھ کو

برسوں آوارہ پھرا بادِ صبا کے ہمراہ　　　دل نے جب تنگ دکھا دی مری وسعت مجھ کو

قلزم آشامیٔ یک قطرۂ بیتاب تو دیکھ!　　　گم کئے دیتی ہے، میری ہی محبت مجھ کو

رندِ میخوار وہ ہوں، میکدۂ ہستی میں　　　ہر خمِ موج ہے، محرابِ عبادت مجھ کو

اڑ چلا ہوں، نگہِ یار سے شوخی لے کر　　　اب جو ممکن ہو، تو روکے مری حیرت مجھ کو

لے لیا کام، جو لینا تھا غمِ ہستی نے　　　گرچہ ثابت نہ ہوئی، میری ضرورت مجھ کو

گل و بلبل کو گیا اہلِ ہوس سے مطلب　　　ننگ ہے میری پریشانیٔ نکہت مجھ کو

فردِ عصیاں کو مری اے عرقِ شرم نہ دھو　　　اس سے ہوتا ہے کچھ اندازۂ رحمت مجھ کو

یوں تو ہونے کو جگرؔ! اور بھی ہیں اہلِ کمال
خاص ہے حضرتِ اصغرؔ سے ارادت مجھ کو

(غالباً بین پوری)

عہ حضرت اصغر گونڈوی نور اللہ مرقدہٗ ۱۲ جگر

اے وہ! کہ تازہ تجھ سے گلستانِ آرزو
بھر دے گُلِ مراد سے دامانِ آرزو

اللہ رے فیضِ جلوۂ تابانِ آرزو
صبحِ ازل ہے شامِ غریبانِ آرزو

نکلی تڑپ کے آنکھ سے اک موجِ بے قرار
اب آرزو کہو اسے، یا جانِ آرزو

قطرے تمام خونِ شہیداں کے بن گئے
نقش و نگارِ پردۂ ایوانِ آرزو

جنبش میں ہیں تمام حروفِ خطِ نیاز
اللہ رے[۱] فیضِ شوخیِ عنوانِ آرزو

سب کچھ ہوا، مگر نہ کھلا آج تک یہ راز
تم جانِ آرزو ہو؟ کہ ہم جانِ آرزو

ہاں اس طرف بھی اک نگہِ نیشتر نواز
کب سے تڑپ رہی ہے رگِ جانِ آرزو

(یمن پوہدی)

---

[۱] صرف لفظی حسن ہے جسے میں بالطبع پسند نہیں کرتا۔ ۱۲ جگر

۵

○

دونوں ہیں کشاکش میں غافل ہو کہ فرزانہ
وہ عشق کا سودائی، یہ عقل کا دیوانہ
اندازۂ ساقی تھا کس درجہ حکیمانہ
ساغر سے اُٹھیں موجیں بن کر خطِ پیمانہ
انجام سے بے پروا، آغاز سے بیگانہ
پروانے کی دنیا ہے، بیتابیٔ پروانہ
شیشے سے نہ رکھ مطلب اے ساقیٔ میخانہ
ان مست نگاہوں سے بھر دے مرا پیمانہ
آجائے اگر اپنی ضد پر کوئی دیوانہ
خود گرد پھرے آکر، کعبہ ہو، کہ بت خانہ
اور اک ہے ہستی کا، احساس ہے مستی کا
ہاں اے نگہِ ساقی! اک اور بھی پیمانہ
ٹکرا دیا شیشوں کو، لٹوا دیا رندوں کو
نچلی نہ کبھی بیٹھی، وہ نرگسِ مستانہ

ی

○

بے نقاب آج تو یوں جلوۂ جاناں ہو جائے
جو جہاں ہے یہ ہو وہیں بیخود و حیراں ہو جائے

واقفِ سرِّ حقیقت اگر انساں ہو جائے
غم سے نزدیک ہو، راحت سے گریزاں ہو جائے

ایک ذرّے کا اگر حسن نمایاں ہو جائے
آدمی شدّتِ انوار سے حیراں ہو جائے

حسن خود ہو نگراں، عشق جو حیراں ہو جائے
جان خود جسم بنے، جسم اگر جاں ہو جائے

کفر ہی کا اگر انسان کو عرفاں ہو جائے
جس جگہ ٹیک دے سر کعبۂ ایماں ہو جائے

تم سنا دو کسی پردے سے جو اپنی آواز
روحِ خوابیدہ ابھی جسم میں رقصاں ہو جائے

دل ہے گنجینۂ اسرار، نگاہیں محدود
کاش اس کُل کا ہر اک جزو پریشاں ہو جائے

مستیٔ عشق کا افسانہ اگر چھیڑ دوں میں
کفر کی شرح میں گم، شیخ کا ایماں ہو جائے

عرش تک ہو نہیں سکتی، جو رسائی نہ سہی
یہی انساں کی ہے معراج کہ انساں ہو جائے

اس سے بڑھ کر کوئی دلسوز بھی دنیا میں نہیں
نفسِ چالاک اگر تابعِ فرماں ہو جائے

یوں بڑھے پائے طلب حسن قدم کی جانب
ایک ہی جست میں طے عالمِ امکاں ہو جائے

عام ہے بیعتِ ساقی، درِ میخانہ ہے باز
آج ہونا ہو جسے، آ کے مسلماں ہو جائے

اللہ اللہ، یہ عرفانِ جنوں کی تاثیر
آج جس خار سے کہہ دوں وہ گلستاں ہو جائے

خام سمجھو، طلبِ شوق کا اعجاز، جگر
ہر نفس عشق میں جب تک نہ رگِ جاں ہو جائے

(کانپور مشاعرہ مین پوری)

○

دل کو کسی کا تابعِ فرماں بنائیے
دشوارئ حیات کو آساں بنائیے

درماں کو درد، درد کو درماں بنائیے
جس طرح چاہیے مجھے حیراں بنائیے

پھر دل کو محوِ جلوۂ جاناں بنائیے
پھر شامِ غم کو صبحِ درخشاں بنائیے

پھر کیجئے اُسی رُخِ تاباں سے کسبِ نور
پھر داغِ دل کو شمعِ شبستاں بنائیے

پھر لکھیے خطِّ شوق میں بیتابئ فراق
پھر خونِ دل کو زینتِ عنواں بنائیے

پھر پیکرِ حیات میں بھریئے فنا کا رنگ
پھر جان و دل کو شعلہ بداماں بنائیے

منشاءِ حسنِ دوست ہے نکلیں نہ حسرتیں
سینہ تمام گنجِ شہیداں بنائیے

آباد اگر نہ دل ہو، تو برباد کیجئے
گلشن نہ بن سکے، تو بیاباں بنائیے

ایک اک لہو کی بوند میں بھر لیجے دردِ عشق
جتنی رگیں ہیں سب کو رگِ جاں بنائیے

دل کو اسی نگاہ کے کر دیجئے سپرد
گلشن بنائیے، نہ بیاباں بنائیے

اُن کی طرف سے دل پہ جو پڑ جائیں مشکلیں
اپنی طرف سے اُن کو نہ آساں بنائیے

برقِ جمالِ یار، یہ کہتی ہے، اے جگر!
کون اہلِ ہوش ہے؟ کسے حیراں بنائیے

(اعظم گڑھ)

خود اپنے عکس کو اپنے مقابل دیکھنے والے! ذرا آنکھیں تو کھول او نقشِ باطل دیکھنے والے!

یہ محفل ہے یہاں ہیں رنگِ محفل دیکھنے والے! ارے بیگانہ بن کر جانبِ دل دیکھنے والے!

نقوشِ پرتوِ رنگینیِ دل دیکھنے والے! کبھی خود کو بھی دیکھ او خود سے غافل دیکھنے والے!

ترے جلووں کو دیکھیں اور مرے دل کی طرف دیکھیں کہاں ہیں اتصالِ موج و ساحل دیکھنے والے!

ترے کوچے میں آ کر فخر سمجھے ہیں اسیری کو زمیں سے آسماں تک وسعتِ دل دیکھنے والے!

نہ دیکھیں آنکھ اٹھا کر بھی جمالِ شاہدِ مقصد غمِ بے حاصلی کا حسنِ حاصل دیکھنے والے!

تری صورت کا مظہر ہے ترا ہر پرتوِ رنگیں تجھی کو دیکھتے ہیں تیری محفل دیکھنے والے!

شہادت انتقامِ عشق کی صورت بدلتی ہے سنبھلنا، ہاں سنبھلنا، رقصِ بسمل دیکھنے والے!

مری ہستی کا ہر ذرّہ اڑا جاتا ہے منزل سے مرا منہ دیکھتے ہیں جذبِ منزل دیکھنے والے!

زمیں و آسماں کیا ہیں؟ مکان و لامکاں کیا ہے؟ سما جا تو بھی او گنجائشِ دل دیکھنے والے!

انھیں تہہ کی خبر کیا؟ گوہرِ مقصد کو کیا جانیں؟ یہ سب ہیں رقصِ موج و شکرِ ساحل دیکھنے والے!

شہیدانِ محبت سے لڑا آنکھیں نہ اے ناصح! یہی وہ ہیں جنھیں کہتے ہیں "قاتل دیکھنے والے!"

ادھر آ، ہر قدم پر حسنِ منزل تجھ کو دکھلا دوں فلک اے کو یاس سے منزل بہ منزل دیکھنے والے!

مری آتش نوائی کا بھی کچھ اندازہ فرمائیں اسی محفل میں ہوں گے نبضِ محفل دیکھنے والے!

مجھے آغوشِ طوفاں ہی جگر! آغوشِ مادر ہے
وہ کوئی اور ہوں گے امنِ ساحل دیکھنے والے[1]

(مشاعرہ الہ آباد)

---

[1] مصرعِ طرح مشاعرہ مسلم ہوسٹل الہ آباد یونیورسٹی ۔۱۲ جگر

○

اِک حسن کا دریا ہے، اک نور کا طوفاں ہے
اِس پیکرِ خاکی میں! یہ کون خراماں ہے؟

اک سازِ محبت ہی، کُل عالمِ امکاں ہے
تو چھیڑ تو دے ظالم! ہر تار رگِ جاں ہے

پھر عشقِ جنوں پیشہ، یوں سلسلہ جنباں ہے
راہیں بھی گریزاں ہیں، منزل بھی گریزاں ہے

تو! رازِ محبّت کو سمجھا ہی نہیں ورنہ
پابندیٔ انساں ہی، آزادیٔ انساں ہے

مجکو، مرے عصیاں سے کیا خاک ڈرائے گا
زاہد، وہی زاہد، جو رحمت سے گریزاں ہے

صدقے ترے ہونٹوں کے رنگینی و رعنائی
اک موجِ تبسّم میں، کُل رازِ گلستاں ہے

اِک شاہدِ بیتابی، اک پیکرِ مجبوری
ہر درد میں شامل ہے، ہر سانس میں پنہاں ہے

عالم کا تلوّن کیا، ہستی کا تعیّن کیا؟
تو خود جو خراماں ہے، سایہ بھی خراماں ہے

بیہوشی و ہشیاری، مجبوری و آزادی
جو کچھ ہے محبّت میں احسان ہی احساں ہے

اللہ تجھے رکھے محفوظ حوادث سے
اے کفر! ترے دم تک آبروئے ایماں ہے

یہ تربتِ عاشق ہے ٹھکرا کے نہ چل غافل!
اِس خاک کا ہر ذرّہ خورشید بداماں ہے

(کانپور)

○

فطرت نے محبت کی، اس طرح بنا ڈالی — جو قید نظر آئی، اک بار اٹھا ڈالی

ہر ذرّے کے پیکر میں، اک روح دفنا ڈالی — اپنی ہی سی کُل دنیا عاشق نے بنا ڈالی

اُس جلوۂ رنگیں کی، دیکھے تو کوئی شوخی، — بتخانے کے پردے میں کعبے کی بنا ڈالی

بربادِ ستم ہو کر، پامالِ کرم بن کر — میں نے بھی نقاب اپنے چہرے سے اُٹھا ڈالی

ہستی جسے کہتے ہیں، اک سادہ حقیقت تھی

رنگین نگاہوں نے رنگین بنا ڈالی

(اٹاوہ)

○

احساسِ عاشقی سے بیگانہ کر دیا ہے — یوں بھی کسی نے اکثر، دیوانہ کر دیا ہے

اب کیا امید رکھوں، اے حسنِ یار تجھ سے — تو نے تو مسکرا کر، دیوانہ کر دیا ہے

تجھ سے خدا ہی سمجھے، تو نے کسی کو اے دل! — مجھ سے بھی کچھ زیادہ دیوانہ کر دیا ہے

پھر اُس کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں — یادش بخیر جس نے دیوانہ کر دیا ہے

مجھ کو جنوں سے اپنے شکوہ جو ہے تو یہ ہے، — میری محبتوں کو افسانہ کر دیا ہے

اے حُسنِ روز افزوں! عمرت دراز بادا — دونوں جہاں سے مجھ کو بیگانہ کر دیا ہے

جب دل میں آگیا ہے، اک جنبشِ نظر نے — دیوانہ کہہ دیا ہے، دیوانہ کر دیا ہے

مجھ سے ہی پوچھتے ہیں، یہ شوخیاں تو دیکھو

میرے جگر کو کس نے دیوانہ کر دیا ہے؟

(مراد آباد)

ہم سے رندوں کا زمانے سے جدا میخانہ ہے — آسماں خُم ہے، فضائے آسماں پیمانہ ہے

اک نمودِ مضطرب اک جوشِ بیتابانہ ہے — عشق دیوانہ سہی، کیا حُسن بھی دیوانہ ہے

حیرت آبادِ فنا بھی کیا تجلّی خانہ ہے — ہر تصوّر شمعِ محفل، ہر نگہ پروانہ ہے

اللہ اللہ، بیخودیِ شوق کی صورت گری — ہر قدم پر اِس طرف کعبہ، اُدھر بتخانہ ہے

کھینچ کر اک آہ کس نے رکھ دیا جامِ شراب؟ — دیدنی، آج اضطرابِ ساقی و پیمانہ ہے

ہوشیار، او جان و دل سے چھیننے والے! ہوشیار — آج چشمِ شوق کا انداز بیباکانہ ہے

اُس کے دل سے پوچھ! رازِ جلوہ بیرنگِ حسن — کعبہ بھی جس کی نظر میں صورتِ بتخانہ ہے

فیضِ ساقی نے مجھے لبریزِ مستی کر دیا — ہر نظر جام و سبو ہے، ہر نفس میخانہ ہے

اس تبسّم کے تصدّق، اس تجاہل کے نثار — خود مجھی سے پوچھتے ہیں، "کون یہ دیوانہ ہے"

یہ بہار آئی ہوئی، ایسی گھٹا چھائی ہوئی — ہجوِ مے کرتا ہے زاہد، کیا کوئی دیوانہ ہے

میں ہوں رندِ لم یزل، اک ساقیِ بے نام کا — شش جہت میرے لئے، ٹوٹا سا اک پیمانہ ہے

کوئی قیدِ ہوشیاری ہے نہ شرطِ بیخودی — تم سمجھ لو جس کو دیوانہ، وہی دیوانہ ہے

جس کا جتنا ظرف ہے اُس سے سوا ملتا نہیں — جلوۂ ساقی بقدرِ ہمّتِ مردانہ ہے

ہر قدم پر ناصحِ مشفق کی دل سوزی نہ پوچھ — آدمی اچھا ہے لیکن اک ذرا دیوانہ ہے

پی کے اک جامِ شرابِ شوق آنکھیں کھل گئیں — دیکھتا ہوں جس طرف میخانہ ہی میخانہ ہے

عشقِ وحدت آشنا و شوق، صورت آفریں — اک نظر اپنی ہے کعبہ، اک نظر بتخانہ ہے

آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ فرما دیجئے — سب یہ کہتے ہیں جگر دیوانہ ہے دیوانہ ہے

○

ہر گھڑی پیشِ نظر، اک تازہ طوفاں چاہیئے حشر کیا شے ہے؟ مذاقِ حشر ساماں چاہیئے

ذوقِ بر ہم چاہیئے، شوقِ گریزاں چاہیئے مجھ کو اب تیرے سوا سب کچھ پریشاں چاہیئے

یہ کرم بھی، اے نگاہِ فتنہ ساماں چاہیئے دل کی خاطر، ایک دل سا دشمنِ جاں چاہیئے

اک جمالِ نو بنو، طوفاں بہ طوفاں چاہیئے اب بجائے ہر نگہ تصویرِ جاناں چاہیئے

عشق بے قیدِ تصور، شوق بے قیدِ نظر مجھ کو جو کچھ چاہیئے، بیحد و پایاں چاہیئے

لذتِ باقی کو اے ذوقِ فنا رہنے بھی دے کچھ تو بہرِ امتیازِ جان و جاناں چاہیئے

ایک وہ جلوہ میں کھنچتی ہے کہیں رندوں کی پیاس ہر نگاہِ مستِ ساقی، ساغرستاں چاہیئے

عفو کیسا؟ جلوۂ رحمت بھی نکلے گا یہیں ذوقِ عصیاں چاہیئے، عرفانِ عصیاں چاہیئے

آرزو و شوق تو ہیں، انجمن در انجمن اب ترا جلوہ، گلستاں در گلستاں چاہیئے

حسن کی کافر نگاہیں، عشق کا معصوم دل اب تجھے کیا، اے حیاتِ فتنہ ساماں چاہیئے

سیر گاہِ عشق میں کانٹے ہی کانٹے ہوں تو ہوں دیکھنے والی نظر، گلشن بداماں چاہیئے

آرزوئے دل سلامت، دردِ پیہم برقرار آنکھ لگ ہی جائیگی، گہوارہ جنباں چاہیئے

منتشر کر دے فضائے حسن میں ذراتِ دل عشق کی تصویر کا ہر رخ نمایاں چاہیئے

حسن بیتابِ تجلی خود ہے، لیکن اے جگر!
ایک ہلکا سا حجابِ چشمِ حیراں چاہیئے

(مین پوری)

○

یہ جذبِ شہادت کا حاصل نظر آتا ہے | جو پردہ اُٹھاتا ہوں قاتل نظر آتا ہے

عالم، مجھے نادیدہ بسمل نظر آتا ہے | بسمل ہے وہی جس کو قاتل نظر آتا ہے

تصدیقِ حقیقت بھی محتاجِ حقیقت ہے | باطل ہے نظر جب تک باطل نظر آتا ہے

اُس جانِ تمنّا کا کس طرح پتا پوچھیں ؟ | ہم خود ہی نہیں رہتے جب دل نظر آتا ہے

اب اس رُخِ رنگیں کے جلوؤں کو تو کیا کہئے | اپنا بھی نظر آنا مشکل نظر آتا ہے

ہر سمت سے مقتل میں کیوں ٹوٹ پڑیں نظریں؟ | کیا صورتِ بسمل میں قاتل نظر آتا ہے

ہستی کے عدم پر بھی شک ہے ترے مستوں کو | تصویر کا یہ رُخ بھی باطل نظر آتا ہے

پروردۂ طوفاں کو کشتی کی نہیں حاجت
موجوں کے تلاطم میں ساحل نظر آتا ہے

(مین پوری)

○

عشق میں مقصودِ اصلی کو مقدم کیجئے | شرح و تفصیلات پر یعنی نظر کم کیجئے

ہر طرف بے فائدہ کیوں سعیِ پیہم کیجئے | تشنگی سے اپنی پیدا بحرِ اعظم کیجئے

اپنی ہستی پر نہ طاری کیجئے کوئی اثر | دور سے نظّارہ حُسنِ دو عالم کیجئے

آنسوؤں میں کھینچ لیجے جلوۂ حسنِ ازل | مہر پیدا کیجئے اور غرقِ شبنم کیجئے

بیخودی میں چھیڑ دو نغمے ہائے سازِ دل
پھر انھی موجوں پہ خود ہی رقصِ پیہم کیجئے

(مشاعرہ کانپور)

○

فکرِ منزل ہے، نہ ہوشِ جادۂ منزل مجھے — جا رہا ہوں جس طرف لیجا رہا ہے دل مجھے

اب زباں بھی دے، ادائے شکر کے قابل مجھے — درد بخشا ہے اگر تو نے بجائے دل مجھے

یوں تڑپ کر، دل نے تڑپایا سرِ محفل مجھے — اُس کو قاتل کہنے والے کہہ اُٹھے قاتل مجھے

اب کدھر جاؤں؟ بتا، اے جذبۂ کامل مجھے — ہر طرف سے آج آتی ہے صدائے دل مجھے

روک سکتی ہو تو بڑھ کر روک لے منزل مجھے — لے اُڑی ہے ایک موجِ بیقرارِ دل مجھے

جان دے کر حشر تک میں ہوں مری تنہائیاں — ہاں مبارک، فرصتِ نظارۂ قاتل مجھے

ہر اشارے پر ہے پھر بھی گردنِ تسلیم خم — جانتا ہوں صاف دھوکے دے رہا ہے دل مجھے

جا بھی اے ناصح! کہاں کا سود اور کیسا زیاں — عشق نے سمجھا دیا ہے عشق کا حاصل مجھے

میں ازل سے صبحِ محشر تک فروزاں ہی رہا — حسن سمجھا تھا چراغِ کشتۂ محفل مجھے

خونِ دل رگ رگ میں جم کر رہ گیا اس وہم سے — بڑھ کے سینے سے نہ لپٹا لے مرا قاتل مجھے

کیسا قطرہ؟ کیسا دریا؟ کس کا طوفاں؟ کس کی موج؟ — تو جو چاہے تو ڈبو دے کشتیِ ساحل مجھے

پھونک دے، اے غیرتِ سوزِ محبت پھونک دے — اب سمجھتی ہیں وہ نظریں رحم کے قابل مجھے

توڑ کر بیٹھا ہوں راہِ شوق میں پائے طلب — دیکھنا ہے جذبۂ بے تابیٔ منزل مجھے

دردِ محرومی سہی، احساسِ ناکامی سہی — اُس نے سمجھا تو بہر صورت کسی قابل مجھے

یہ بھی کیا منظر ہے، بڑھتے ہیں نہ ہٹتے ہیں قدم
تک رہا ہوں دور سے منزل کو میں منزل مجھے

(بین پوری)

○

اک مئے بے نام جو اس دل کے پیمانے میں ہے
وہ کسی شیشے میں ہے ساقی نہ میخانے میں ہے

پوچھنا کیا؟ کتنی وسعت میرے پیمانے میں ہے
سب الٹ دے ساقیا! جتنی بھی میخانے میں ہے

یوں تو ساقی! ہر طرح کی تیرے میخانے میں ہے
وہ بھی تھوڑی سی جو ان آنکھوں کے پیمانے میں ہے

ایک ایسا راز بھی دل کے نہاں خانے میں ہے
لطف جس کا کچھ سمجھنے میں نہ سمجھانے میں ہے

یاد ایامے کہ جب تھا ہر نفس اک زندگی
زندگی اب ہر نفس کے ساتھ مر جانے میں ہے

ایک کیفِ ناتمام درد کی لذت ہی کیا
درد کی لذت سراپا درد بن جانے میں ہے

غرق کر دے تجھ کو زاہد! تیری دنیا کو خراب
کم سے کم اتنی تو ہر میکش کے پیمانے میں ہے

پھر نقاب اس نے الٹ کر روح تازہ پھونک دی
اب نہ کعبے میں ہے سناٹا، نہ بتخانے میں ہے

منتشر کر دے اسے بھی حسنِ بے پایاں کے ساتھ
زندگی شیرازۂ دل کے بکھر جانے میں ہے

پی بھی جا زاہد! خدا کا نام لے کر پی بھی جا!
بادۂ کوثر کی بھی اک موج پیمانے میں ہے

شیشہ مست و بادہ مست و حسن مست و عشق مست
آج پینے کا مزا یہ کہ بہک جانے میں ہے

بے تحاشا پی رہے ہیں کب سے رندانِ الست
آج بھی اتنی ہی مے ہر دل کے پیمانے میں ہے

حسن کی ایک اک ادا پر جان و دل صدقے مگر
لطف کچھ دامن بچا کر ہی گزر جانے میں ہے

(غالبؔ فیض آبادی)

عشق نے توڑی سر پہ قیامت، زورِ قیامت کیا کہئے؟
سُننے والا کوئی نہیں، رودادِ محبت کیا کہئے؟
دل ہے کسی کا رازِ حقیقت، رازِ حقیقت کیا کہئے؟
حیرتِ جلوہ مُہر بہ لب ہے، جلوۂ حیرت کیا کہئے؟
جب سے اُس نے پھیر لیں نظریں، رنگِ تباہی آہ نہ پوچھ؟
سینہ خالی، آنکھیں ویراں، دل کی حالت کیا کہئے؟
ایک تجلی، ایک تبسم، ایک نگاہِ بندہ نواز
اس سے زیادہ اے غمِ جاناں، دل کی قیمت کیا کہئے؟
شیشۂ دل، وہ ہستیٔ نازک، ٹھیس لگی اور ٹوٹ گیا
اُس پہ کسی کے تیرِ ستم کی، مشقِ سیاست کیا کہئے

(بہن پوری)

ذرّہ ذرّہ، دیدہ و دل ہے، گوشہ گوشہ بستی ہے
عشق ہے جب تک سلسلہ جنباں، دل کی ہر ہستی ہے
جینے تک میں، ہوش کے جلوے، آگے ہوش کی مستی ہے
موت سے ڈرنا، کیا معنی؟ موت بھی جزوِ ہستی ہے
معنیٔ صورت، صورتِ معنی، فکر و نظر کے دھوکے ہیں
فکر و نظر تک رہ جانا، فکر و نظر کی پستی ہے
چشمکِ حسن و عشق مبارک، دیدہ و دل ہیں خرّم و شاد
حشر تک اب یہ بحث سلامت کس کی کہاں تک ہستی ہے

(بہن پوری)

○

جو جہنم میں بھی، فردوس بداماں ہوں گے — دیکھ لینا! وہ ہمیں سوختہ ساماں ہوں گے

ایک دن پردہ کشاکش سے پریشاں ہوں گے — خود کو جتنا وہ چھپائیں گے نمایاں ہوں گے

نہیں معلوم، وہ کس وضع کے انساں ہوں گے — جن پہ تیرے ستمِ خاص کے احساں ہوں گے

وہ جدھر ناز سے بے پردہ خراماں ہوں گے — ذرّے سب جام بکف مست و غزلخواں ہوں گے

جمع سب حسن کے اجزائے پریشاں ہوں گے — ہم تو ہم بت بھی کسی روز مسلماں ہوں گے

میری حیرت کی قسم آپ اُٹھائیں تو نقاب — میرا ذمّہ ہے کہ جلوے نہ پریشاں ہوں گے

میں چھپاتا، ترے اسرارِ محبت ظالم! — کیا خبر تھی، مری رگ رگ سے نمایاں ہوں گے

حسن تک دیکھ لیں سب حسن کے جلووں کی بہار — مجھ تک آئے تو مرا حال پریشاں ہوں گے

نغمۂ بربطِ غم، کیف اثر، شورشِ جاں، — انھیں پردوں سے کسی دن وہ نمایاں ہوں گے

لطفِ آزادیِ زندانِ بلا، کیا کہیے؟ — اب جو چھوٹے تو اسیرِ غمِ زنداں ہوں گے

تجھ کو گلشن کی قسم! چھیڑ نہ اے بادِ سحر!! — کھل گئیں غنچوں کی آنکھیں تو پریشاں ہوں گے

حسن بے قید سہی، عشق بھی محدود نہیں — مجھ کو پائیں گے جہاں تک وہ نمایاں ہوں گے

شعلہ سامانیِ غم پہ نہ کرو ناز جگر!
تم سے کتنے ہی جگر شعلہ بداماں ہوں گے

(مین پوری مشاعرہ الٰہ آباد)

○

کوئی نہ گھر ہے اپنا، کوئی نہ آستاں ہے
ہر شاخ ہے نشیمن، ہر پھول آشیاں ہے

تو سامنے ہے پھر بھی، تبلا کہ تو کہاں ہے؟
کس طرح تجھ کو دیکھوں، نظارہ درمیاں ہے

میں اپنی اس نظر کی رعنائیوں کے صدقے
جو شکل ہے حسیں ہے، دوشیزہ ہے جواں ہے

میں عشق ہوں مکمل، میں شوق ہوں مسلسل،
گویا تمام عالم، میری ہی داستاں ہے

سب نذرِ حُسن کر کے بیٹھا ہے عشقِ رسوا،
کوئی نہ راز ہے اب، کوئی نہ رازداں ہے

میں کس کے سامنے اب اپنی جبیں جھکاؤں؟
میری جبیں نہیں ہے، تیرا ہی آستاں ہے

(کاہنور)

○

نالۂ بے قرار کون کرے؟ حسن کو شرمسار کون کرے؟

ہوش کی مستیاں، ارے توبہ ہوش کو ہوشیار کون کرے؟

عشق ہے اعتماد کے قابل حُسن کا اعتبار کون کرے؟

ہمیں بن جائیں کیوں نہ صورتِ یار؟ دل کو پابندِ یار کون کرے؟

جان و دل پر نہیں رہا قابو جان و دل، اب نثار کون کرے؟

سوئے صحرا نکل چلے وحشی
انتظارِ بہار، کون کرے؟

(مین پوری)

○

لازم ہے کچھ تو، خاطرِ دلدار کے لئے دنیا سمیٹ لوں، نگہِ یار کے لئے

بیہوش کے لئے ہیں، نہ ہشیار کے لئے جلوے ہیں خاص چشمِ گہربار کے لئے

ہم سے نہ پوچھ ! شورشِ درماندگی کا راز جیتے ہیں، اک نگاہِ طرفدار کے لئے

اُنکی حریمِ خاص میں جلووں کا ذکر کیا؟ وہ خود ہیں، اپنے طالبِ دیدار کے لئے

دل تک خیالِ غیر بھی لانا روا نہیں مخصوص ہے یہ جام لبِ یار کے لئے

آساں نہیں، معاملۂ جلوہ و نظر
چشمِ کلیم چاہیئے دیدار کے لئے

(مظفر نگر)

پارہ ہائے جگر

○

زبانِ شوق سے شکرِ وصال ہو نہ سکا　　وہ حال تھا کہ کچھ احساسِ حال ہو نہ سکا
نگاہِ شوق نے بدلے ہزار ہا منظر،　　مرے لئے کوئی شایانِ حال ہو نہ سکا

(مین پوری)

○

محیطِ عشق میں جو کچھ بھی تھا، اک عالمِ دل تھا
اسی ذرّے میں دریا تھا اسی قطرے میں ساحل تھا
خوشا وہ دور جب آغاز دردِ عشق کامل تھا
مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میں سرتا بہ پا دل تھا

○

ستم کشوں نے نہ سمجھا کمالِ حیرت میں　　چھپے ہوئے تھے وہ خود پردۂ محبّت میں
اگر نہیں پسِ پردہ کوئی حقیقت میں　　یہ کون بول رہا ہے طلسمِ صورت میں
جب آئے محفلِ وحدت سے بزمِ کثرت میں　　نظر کا بن گئے پردہ نظر کی صورت میں

(مین پوری)

○

آنکھوں کے سامنے اب منزل رہی نہ راہیں　　جلووں نے تیرے مل کر سب لوٹ لیں نگاہیں
اک بزمِ ناز میں چل، زاہد تجھے دکھا دوں　　مینا بدوش آنکھیں، ساغر بکف نگاہیں

(مین پوری)

○

دوست الفت نہ کریں غیر عداوت نہ کریں
میں کہیں کا نہ رہوں وہ جو عنایت نہ کریں
وقت آئے تو ہمیں جان بھی کر دیں گے فدا
کیا یہ ممکن ہے ترے نام کی عزّت نہ کریں
(گونڈہ)

○

یہ بھی گر اک جلوۂ جانانہ ہو
میری محرومی عجب افسانہ ہو
(مین پوری)

○

یہ حاصلِ سرمایۂ عرفاں طلبی ہے
یعنی ہوسِ دید خود اک بے ادبی ہے
بجھتی ہی نہیں اب کسی ساغر سے مری پیاس
شاید مرا مقصد ہی مری تشنہ لبی ہے
(غالباً گونڈہ)

○

حُسن میں جب تک کہ یہ شانِ خود آرائی نہ تھی
عشق میں مستی تھی لیکن خوئے رسوائی نہ تھی

یہ کس نے منتشر کر دیں جنوں سامانیاں میری
زمیں سے آسماں تک ایک میں ہوں یا فغاں میری

○

راس آئی مجھ کو حیرانی مری
اب وہ کرتے ہیں نگہبانی مری
ہو گیا سیراب باغِ آرزو،
اللہ اللہ شبنم افشانی مری

○

دورِ چہارم

ی

پارہ ہائے جگر ، ۲۸۷

الف

○

عشق کو بے نقاب ہونا تھا　　آپ اپنا جواب ہونا تھا

مستِ جامِ شراب ہونا تھا

بے خودِ اضطراب ہونا تھا

تیری آنکھوں کا کچھ قصور نہیں

ہاں مجھی کو خراب ہونا تھا

آؤ مل جاؤ مسکرا کے گلے　　ہو چکا جو عتاب ہونا تھا

کوچۂ عشق میں نکل آیا　　جس کو خانہ خراب ہونا تھا

مستِ جامِ شراب خاک ہوئے　　غرقِ جامِ شراب ہونا تھا

دل کہ جس پر ہیں نقشِ رنگا رنگ　　اس کو سادہ کتاب ہونا تھا

ہم نے ناکامیوں کو ڈھونڈ لیا　　آخرش کامیاب ہونا تھا

ہائے، وہ لمحۂ سکوں کہ جسے　　محشرِ اضطراب ہونا تھا

نگہِ یار خود تڑپ اٹھتی　　شرطِ اوّل خراب ہونا تھا

کیوں نہ ہوتا ستم بھی بے پایاں　　کرم بے حساب ہونا تھا

کیوں نظر حیرتوں میں ڈوب گئی　　موجِ صد اضطراب ہونا تھا

ہو چکا روزِ اوّلیں ہی جگر　　جس کو جتنا خراب ہونا تھا (مین پوری)

[illegible] قافیہ [illegible] قطعہ کو مطلع سے شروع ہونا چاہیئے

○

ایک رنگیں نقاب نے مارا
حسن بن کر حجاب نے مارا
جلوۂ آفتاب کیا کہئے؟
سایۂ آفتاب نے مارا

اپنے سینے ہی پر پڑا آکر — تیر جو اضطراب نے مارا
نگہِ شوق و دعوئے دیدار — اس حجاب الحجاب نے مارا
ہم نہ مرتے ترے تغافل سے — پرسشِ بے حساب نے مارا
لذّتِ دیدِ بے جمال نہ پوچھ! — دردِ بے اضطراب نے مارا
چھپتے ہیں اور چھپا نہیں جاتا — اس ادائے حجاب نے مارا
حشر تک ہم نہ مرنے والوں کو — مرگِ ناکامیاب نے مارا
پاتے ہی اک اشارۂ نازک — دم نہ پھر اضطراب نے مارا

دل کہ تھا جانِ زیست آہ جگر!
اسی خانہ خراب نے مارا

(مین پوری)

○

ستم کامیاب نے مارا کرم لاجواب نے مارا

خود ہوئی گم ہمیں بھی کھو بیٹھی نگہِ باریاب نے مارا

زندگی تھی، حجاب کے دم تک برہمیٔ حجاب نے مارا

عشق کے ہر سکونِ آخر کو حسن کے اضطراب نے مارا

خود نظر بن گئی حجابِ نظر ہائے اس بے حجاب نے مارا

میں ترا عکس ہوں، کہ تو میرا؟ اس سوال و جواب نے مارا

کوئی پوچھے کہ رہ کے پہلو میں تیر کیا اضطراب نے مارا

بچ رہا جو تری تجلّی سے اس کو تیرے حجاب نے مارا

اب نظر کو کہیں قرار نہیں کاوشِ انتخاب نے مارا

سب کو مارا جگر کے شعروں نے
اور جگر کو شراب نے مارا

(مین پوری)

○

شورشِ کائنات نے مارا　　موت بن کر حیات نے مارا

ستمِ یار کی دُہائی ہے　　نگہِ التفات نے مارا

میں تھا رازِ حیات اور مجھے　　میرے رازِ حیات نے مارا

ستمِ زیست آفریں کی قسم　　خطرۂ التفات نے مارا

موت کیا؟ ایک لفظِ بے معنی　　جس کو مارا حیات نے مارا

جو پڑی دل پہ سہہ گئے لیکن　　ایک نازک سی بات نے مارا

شکوۂ موت کیا کریں، کہ جگرؔ
آرزوئے حیات نے مارا

(بہن پوری)

○

عاشق کو غمِ عشق کے آزار نے مارا　　اک یار کو اک یارِ وفادار نے مارا

تو نے نہ اُٹھایا رُخِ نادیدہ سے پردہ　　دُنیا کو تری حسرتِ دیدار نے مارا

ہاں اے لبِ جاں بخش! دُہائی ہے دُہائی　　انکار سے بڑھ کر، ترے اقرار نے مارا

ہونے کو تو، ہر مرگِ محبت ہے مبارک　　اے عشق! خوشا وہ کہ جسے یار نے مارا

کچھ کہہ تو گیا، برقِ غضب نے جسے پھونکا　　اُف کر نہ سکا جس کو ترے پیار نے مارا

دونوں ہی جفا جُو ہیں جگرؔ! عشق ہو یا حسن
اک یار نے لوٹا مجھے، اک یار نے مارا

(غالباً الہ آباد حضرت اصغر کی خدمت میں رہ کر)

O

عشق کی یہ نمودِ پیہم کیا؟ ہو تمھیں تم اگر، تو پھر ہم کیا؟
آہِ بیتاب و اشکِ پیہم کیا؟ نقدِ غم ہے تو حاصلِ غم کیا؟
جُز ترے کچھ نظر نہیں آتا آرزو بن گئی مجسّم کیا؟
تیرا ملتا، ترا نہیں ملتا اور جنّت ہے کیا، جہنّم کیا؟
میں وہاں ہوں جہاں نہیں میں بھی عالم و ماورائے عالم کیا؟
ہم ہیں تیرے، ودیعتیں تیری شکرِ راحت، شکایتِ غم کیا؟
اُن نگاہوں کے سب کرشمے ہیں ورنہ یہ اضطرابِ پیہم کیا؟
کر لیا دل نے عیشِ وصل قبول پا گیا کچھ شباہتِ غم کیا؟
نیّتِ شب بخیر، اے ساقی! بزمِ جم کیا ہے؟ ساغرِ جم کیا؟
شوقِ گستاخ کر چکا تقصیر دیکھتا اب ہے، حسنِ برہم کیا؟
موت کی نیند چھائی جاتی ہے کہہ چکا میں فسانۂ غم کیا؟
ہمہ تن عشق برملا بن جا درد کی اک صدائے مبہم کیا؟
اُس نظر میں نہیں سماتا کچھ جانِ بیتاب و چشمِ پُرنم کیا؟

عشقِ خاموش کے گئے ہیں جگر!
جوشِ فریاد و شورِ ماتم کیا؟

(دگرپال منلع بین پوری)

کام آخر جذبۂ بے اختیار آ ہی گیا ○ دل کچھ اس صورت سے تڑپا، اُن کو پیار آ ہی گیا

جب نگاہیں اُٹھ گئیں اللہ رے معراجِ شوق　　　دیکھتا کیا ہوں وہ جانِ انتظار آ ہی گیا

ہائے یہ حسنِ تصوّر کا فریبِ رنگ و بو　　　میں یہ سمجھا، جیسے وہ جانِ بہار آ ہی گیا

ہاں سزا دے اے خدائے عشق! اے توفیقِ غم!!　　　پھر زبانِ بے ادب پر ذکرِ یار آ ہی گیا

اس طرح خوش ہوں کسی کے وعدۂ فردا پہ میں　　　درحقیقت جیسے مجھ کو اعتبار آ ہی گیا

ہائے کافر دل کی یہ کافر جنوں انگیزیاں　　　تم کو پیار آئے نہ آئے مجھ کو پیار آ ہی گیا

درد نے کروٹ ہی بدلی تھی کہ دل کی آڑ سے　　　دفعتاً پردہ اُٹھا، اور پردہ دار آ ہی گیا

دل نے اک نالہ کیا آج اس طرح دیوانہ وار　　　بال بکھرائے کوئی مستانہ وار آ ہی گیا

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر　　　عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

(جھانسی)

○

کس نظر سے آج وہ دیکھا کیا　　　دل مرا، ڈوبا کیا، اچھلا کیا

حسن سے بھی دل کو بے پروا کیا　　　کیا کیا اے عشق! تو نے کیا کیا!

تو نے سو سو رنگ سے پردہ کیا　　　دیکھنے والا تجھے دیکھا کیا

وہ بھی نکلی اک شعاعِ برقِ حسن　　　میں جسے اپنی نظر سمجھا کیا

اب نظر کو بھی نہیں دم بھر قرار　　　اس نے بھی اندازِ دل پیدا کیا

اُن کے جاتے ہی یہ حیرت چھا گئی　　　جس طرف دیکھا کیا، دیکھا کیا

مجھ سے قائم ہیں جنوں کی عظمتیں[1]　　　میں نے صحرا کو جگر صحرا کیا

[1] ہاں فانی اسی [illegible] (فانی بدایونی)

○

دل مرے سینے میں تڑپ کر انھیں جب یاد کیا
در و دیوار کو آمادۂ فریاد کیا

وصل سے شاد کیا ہجر سے ناشاد کیا
اُس نے جس طرح سے چاہا مجھے برباد کیا

تم مرے رونے پہ روئے ستم ایجاد کیا
عشق کی روح کو آمادۂ فریاد کیا

لاکھ جانیں ہوں تو پھر اُن پہ تصدّق کر دوں
"وہ یہ فرمائیں کہ ہم نے اسے برباد کیا"

کیا طریقہ ہے یہ صیاد کا اللہ اللہ
ایک کو قید کیا، ایک کو آزاد کیا

ہم کو دیکھ، او غمِ فرقت کے نہ سننے والے!
اس بُرے حال میں بھی ہم نے تجھے یاد کیا

اور کیا چاہیئے سرمایۂ تسکیں اے دوست!
اِک نظر دل کی طرف دیکھ لیا شاد کیا

شرحِ نیرنگیٔ اسباب کہاں تک کیجے
مختصر یہ کہ ہمیں آپ نے برباد کیا

پردۂ شوق سے اک برق تڑپ کر نکلی
یاد کرنے کی طرح سے انہیں جب یاد کیا

مہرباں ہم پہ رہی چشمِ سخن گو اُن کی
جب ملی آنکھ، نگاہوں نے کچھ ارشاد کیا

دل کا کیا حال کہوں جوشِ جنوں کے ہاتھوں
اِک گھروندا سا بنایا، کبھی برباد کیا

اب سے پہلے تو نہ تھا ذوقِ محبت رسوا
شاید اُن مست نگاہوں نے کچھ ارشاد کیا

عشق کیوں سوگ مناتا، یہ خوشی کیا کم ہے
دل یہ جس کا تھا، اسی نے اسے برباد کیا

بددعا تھی کہ دعا، کچھ نہیں کھلتا لیکن
چپکے چپکے لبِ نازک سے کچھ ارشاد کیا

جرمِ مجبوریِ بے تاب، الٰہی توبہ
یہ بھی اِک بے ادبی تھی کہ تجھے یاد کیا

موت، اک دمِ گرفتاریٔ تازہ ہے جگر!
یہ نہ سمجھو کہ غمِ عشق نے آزاد کیا

○

اُس کی نظروں میں انتخاب ہوا دل عجب، حسن سے خراب ہوا
عشق کا سحر کامیاب ہوا میں ترا، تو مرا جواب ہوا
جذبۂ شوق، کامیاب ہوا آج مجھ سے انھیں حجاب ہوا
نگہِ ناز اے غیور ورنہ درد، محبوبِ اضطراب ہوا
عینِ قربت بھی عینِ فرقت بھی ہائے وہ قطرہ، جو حباب ہوا
مستیاں ہر طرف ہیں آوارہ کون غارت گرِ شراب ہوا
دل کو چھونا، نہ اے نسیمِ کرم! اب یہ دل، رشکِ حباب ہوا
عشقِ بے امتیاز کے ہاتھوں حسن خود بھی شکست یاب ہوا
دل کی ہر چیز جگمگا اُٹھی آج شاید وہ بے نقاب ہوا
دورِ ہنگامۂ نشاط نہ پوچھ اب وہ سب کچھ خیال و خواب ہوا

تو نے جس اشک پر نظر ڈالی
جوش کھا کر وہی شراب ہوا

○

عرضِ نیازِ غم کو، لب آشنا نہ کرنا — یہ بھی اک التجا ہے، کچھ التجا نہ کرنا
جب یاد آگیا ہے، پھر دل رُلا گیا ہے — دل کا وہ مجھ سے کہنا "مجھ کو جدا نہ کرنا"
میں خوگرِ ستم ہوں، پروردۂ الم ہوں — جور و جفا کے مالک! مہر و وفا نہ کرنا
کوئی سمجھ سکے تو کمبخت دل سے سمجھے — دل میں بھی اُس کے رہنا، پھر دل میں جا نہ کرنا
دل سے خطا ہوئی تو اب دل ہے اور میں ہوں — نازک معاملہ ہے، تم فیصلہ نہ کرنا
یارب! غمِ محبت سب بخش دے مجھی کو — میرے سوا کسی کو اب مبتلا نہ کرنا
جتنی ضدیں ہیں اے دل! تو شوق سے کیے جا — مجھ کو بھی تا قیامت تیرا کہا نہ کرنا

تیرے جگر کی تجھ سے اک التجا یہی ہے
اپنے جگر کو اپنے دل سے جُدا نہ کرنا

(بین پوری)

○

میرا جو حال ہو سو ہو، برقِ نظر گرائے جا — میں یونہی نالہ کش رہوں تو یونہی مسکرائے جا
دل کے ہر ایک گوشے میں آگ سی اک لگائے جا — مطربِ آتشیں نوا! ہاں اسی دھن میں گائے جا
لحظہ بہ لحظہ، دم بدم، جلوہ بہ جلوہ آئے جا — تشنۂ حسنِ ذات ہوں، تشنہ لبی بڑھائے جا
جتنی بھی آج پی سکوں عذر نہ کر پلائے جا — مست نظر کا واسطہ، مستِ نظر بنائے جا
لطف سے ہو کہ قہر سے، ہوگا کبھی تو روبرو — اُس کا جہاں پتا چلے شور وہیں مچائے جا
عشق کو مطمئن نہ رکھ حسن کے اعتماد پر — وہ تجھے آزما چکا، تو اسے آزمائے جا

(لکھنوی)

○

کیا کر گیا اک جلوۂ مستانہ کسی کا
رُکتا نہیں زنجیر سے دیوانہ کسی کا

کہتا ہے سرِ حشر، یہ دیوانہ کسی کا
جنّت سے الگ چاہیئے ویرانہ کسی کا

آپس میں الجھتے ہیں عبث شیخ و برہمن
کعبہ نہ کسی کا ہے، نہ بت خانہ کسی کا

جس کی نگہِ سادہ کے ہم مارے ہوئے ہیں
وہ شوخ، یگانہ ہے نہ بیگانہ کسی کا

بیساختہ آج اُنکے بھی آنسو نکل آئے
دیکھا نہ گیا حالِ فقیرانہ کسی کا

ہر دل میں غمِ عشق ہے اقرار در اقرار
ہر لب پہ ہے افسانہ در افسانہ کسی کا

یوں عام نہ کر کیفِ غمِ عشق کو، اے دل!
کم بخت! یہ مے خانہ ہے میخانہ کسی کا

اُس کو بھی جگرؔ! دیکھ لیا خاک میں ملتے
وہ اشک، جو تھا گوہرِ یکدانہ کسی کا

جو اب بھی نہ تکلیف فرمائیے گا ○ تو بس ہاتھ ملتے ہی رہ جائیے گا

نگاہوں سے چھپ کر کہاں جائیے گا — جہاں جائیے گا، ہمیں پائیے گا

مرا جب برا حال سن پائیے گا — خراماں خراماں چلے آئیے گا

مٹا کر ہمیں آپ پچھتائیے گا — کمی کوئی محسوس فرمائیے گا

نہیں کھیل ناصح! جنوں کی حقیقت — سمجھ لیجیئے گا تو سمجھائیے گا

ہمیں بھی یہ اب دیکھنا ہے کہ ہم پر — کہاں تک توجہ نہ فرمائیے گا

ستم عشق میں آپ آساں نہ سمجھیں — تڑپ جائیے گا، جو تڑپائیے گا

یہ دل ہے اسے دل ہی بس رہنے دیجے — کرم کیجیئے گا، تو پچھتائیے گا

کہیں چپ رہی ہے زبانِ محبت — نہ فرمائیے گا، تو فرمائیے گا

بھلانا ہمارا، مبارک مبارک — مگر شرط یہ ہے، نہ یاد آئیے گا

ہمیں بھی نہ اب چین آئے گا جب تک — ان آنکھوں میں آنسو نہ بھر لائیے گا

ترا "جذبۂ شوق ہے بے حقیقت — "ذرا پھر تو ارشاد فرمائیے گا"

ہمیں جب نہ ہوں گے، تو کیا رنگِ محفل — کسے دیکھ کر آپ شرمائیے گا

یہ مانا کہ دے کر ہمیں رنجِ فرقت — مداوائے فرقت نہ فرمائیے گا

محبت محبت ہی رہتی ہے لیکن — کہاں تک طبیعت کو بہلائیے گا

نہ ہوگا ہمارا ہی آغوش خالی — کچھ اپنا بھی پہلو تہی پائیے گا

جنوں کی جگر! کوئی حد بھی ہے آخر — کہاں تک کسی پر ستم ڈھائیے گا

(از بھوپال)

○

نظر ملا کے، مرے پاس آ کے لوٹ لیا
نظر ہٹی تھی، کہ پھر مسکرا کے لوٹ لیا

شکستِ حسن کا جلوہ دکھا کے لوٹ لیا
نگاہ نیچی کئے، سر جھکا کے لوٹ لیا

دُہائی ہے مرے اللہ کی دُہائی ہے
کسی نے مجھ سے بھی مجھکو چھپا کے لوٹ لیا

سلام اُس پہ کہ جس نے اُٹھا کے پردۂ دل
مجھی میں رہ کے، مجھی میں سما کے لوٹ لیا

انھیں کے دل سے کوئی اُسکی عظمتیں پوچھے
وہ ایک دل جسے سب کچھ لٹا کے لوٹ لیا

یہاں تو خود تری ہستی ہے عشق کو درکار
وہ اور ہونگے جنھیں مسکرا کے لوٹ لیا

خوشا وہ جان، جسے دی گئی امانتِ عشق
نہ ہے وہ دل، جسے اپنا بنا کے لوٹ لیا

نگاہ ڈال دی جس پر حسین آنکھوں نے
اُسے بھی حُسنِ مجسّم بنا کے لوٹ لیا

رہا خرابِ محبّت ہی وہ جسے تو نے
خود اپنا دردِ محبّت دکھا کے لوٹ لیا

کوئی یہ لوٹ تو دیکھے کہ اُس نے جب چاہا
تمام ہستیٔ دل کو جگا کے لوٹ لیا

کرشمہ سازیٔ حسنِ ازل، ارے توبہ
مرا ہی آئینہ مجھ کو دکھا کے لوٹ لیا

نہ لٹتے ہم، مگر اُن مست انکھڑیوں نے جگر
نظر بچاتے ہوئے، ڈبڈبا کے لُوٹ لیا

(بھوپال)

○

نہ راہ رس، نہ کسی رہنما نے لُوٹ لیا — ادائے عشق کو رسمِ وفا نے لوٹ لیا

نگاہِ لطف کی اک اک ادا نے لُوٹ لیا — وفا کے بھیس میں اس بیوفا نے لوٹ لیا

نہ پوچھ شومیٔ تقدیرِ جستجو نہ بربادی — جمالِ یار کہاں؟ نقشِ پا نے لوٹ لیا

کسی بہارِ مجسم کا آہ کیا شکوہ — مرے ہی اس دلِ رنگیں قبا نے لوٹ لیا

قسم ہے تیری پشیماں نگاہیوں کی قسم — مجھی کو خود مری شرمِ وفا نے لوٹ لیا

وہ دل کو توڑ کے بیٹھے تھے مطمئن کہ نہیں — شکستِ شیشۂ دل کی صدا نے لوٹ لیا

قریبِ دل ہی یکایک اُٹھے تھے کچھ فتنے — یہیں کہیں کسی محشر ادا نے لوٹ لیا

وہ ایک قطرۂ خوں بچ رہا تھا جو دل میں — اُسے بھی گوشۂ چشمِ حیا نے لوٹ لیا

وہی ہے لَے، وہی انداز ہے، وہی آواز — مجھے تو اس دلِ آفت نوا نے لوٹ لیا

یہی وہ حضرتِ دل ہیں، یہی وہ خضر جنھیں — جنابِ عشق کی اک مرحبا نے لوٹ لیا

دلِ تباہ کی روداد، اور کیا کہیے — خود اپنے شہر کو فرمانروا نے لوٹ لیا

زباں خموش، نظر بے قرار، چہرہ فق — تجھے بھی کیا تری کافر ادا نے لوٹ لیا

نہ اب خودی کا پتا ہے، نہ بیخودی کا جگرؔ!
ہر ایک لطف کو لطفِ خدا نے لوٹ لیا

اب تو یہ بھی نہیں رہا احساس　　درد ہوتا ہے یا نہیں ہوتا

عشق جب تک نہ کر چکے رُسوا　　آدمی کام کا نہیں ہوتا

ٹوٹ پڑتا ہے دفعتاً جو عشق،　　بیشتر دیر پا نہیں ہوتا

وہ بھی ہوتا ہے ایک وقت کہ جب　　ماسوا، ماسوا نہیں ہوتا

ہائے کیا ہو گیا طبیعت کو　　غم بھی راحت فزا نہیں ہوتا

جس پہ تیری نظر نہیں ہوتی　　اُس کی جانب خدا نہیں ہوتا

یوں کہ بیزار عمر بھر کے لئے　　دل، کہ دم بھر جدا نہیں ہوتا

وہ ہمارے قریب ہوتے ہیں،　　جب ہمارا پتا نہیں ہوتا

دل کو کیا کیا سکون ہوتا ہے　　جب کوئی آسرا نہیں ہوتا

ہو کے اک بار سامنا اُن سے　　پھر کبھی سامنا نہیں ہوتا

(لکھنؤ)

○

شباب حُسن کا، حُسنِ شباب دیکھ لیا　　اُچھال اُچھال کے جامِ شراب دیکھ لیا

کہاں تک اب تری باتوں پہ اعتماد کریں　　بہت تو اے دلِ خانہ خراب دیکھ لیا

جو ہم نہیں، نہ سہی کامیابِ غمِ عشقِ یار!　　تجھے تو اپنی جگہ کامیاب دیکھ لیا

کہیں نہ ہم، تو یہ ہے اپنی مصلحت ورنہ　　ہزار بار تجھے بے نقاب دیکھ لیا

یہی بہت ہے، کہ اُس نے خود اپنی آنکھوں سے　　خرابِ عشق کو اپنے خراب دیکھ لیا

غمِ نشاط و سرورِ الم، نہ پوچھ جگر　　کبھی جب اُس نے یہ چشمِ پُر آب دیکھ لیا

○

ہر دم دعائیں دینا، ہر لحظہ آہیں بھرنا
اُن کا بھی کام کرنا، اپنا بھی کام کرنا

ہاں کس کو ہے میسر، یہ کام کر گزرنا
اک بانکپن سے جینا، اک بانکپن سے مرنا

جو زیست کو نہ سمجھیں، جو موت کو نہ جانیں
جینا انھیں کا جینا، مرنا انھیں کا مرنا

ساحل کے لب سے پوچھو، دریا کے دل سے سمجھو
اک موجِ تہ نشیں کا مدت کے بعد اُبھرنا

اے شوق! تیرے صدقے پہنچا دیا کہاں تک
اے عشق! تیرے قرباں جینا ہے اب نہ مرنا

ہر ذرہ آہ جس کا لبریزِ تشنگی ہے
اُس خاک کی بھی جانب اے ابرِ تر گزرنا

دریا کی زندگی پر صدقے ہزار جانیں
مجھ کو نہیں گوارا ساحل کی موت مرنا

رنگینیاں نہیں، تو رعنائیاں بھی کیسی؟
شبنم سی نازنیں کو آتا نہیں سنورنا

اشکوں کو بھی یہ جرأت، اللہ تیری قدرت
آنکھوں تک آتے آتے پھر دل میں جا ٹھہرنا

اے جانِ ناز! آجا آنکھوں کی راہ دل میں
اِن خشک ندیوں سے مشکل ہی کیا گزرنا

ہم بیخودانِ غم سے یہ راز کوئی سیکھے
جینا، مگر نہ جینا، مرنا مگر نہ مرنا

کچھ آ چلی ہے آہٹ، اس پائے ناز کی سی
تجھ پر خدا کی رحمت، اے دل! ذرا ٹھہرنا

خونِ جگر کا حاصل اک شعرِ تر کی صورت
اپنا ہی عکس جس میں، اپنا ہی رنگ بھرنا

(مراد آباد)

○

لاکھوں میں انتخاب کے قابل بنا دیا
جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنا دیا

شمشیرِ حسن و عشق کا بسمل بنا دیا
تم نے تو مجھ کو پیار کے قابل بنا دیا

ہر جنبشِ نگاہ پہ مائل بنا دیا
میرا ہی مجھ کو مدِّ مقابل بنا دیا

نازک مزاجِ عشق کی اللہ ری خاطریں
اپنی نزاکتوں کو مرا دل بنا دیا

ان شاعرانِ دہر پہ ہو عشق ہی کی مار
اک پیکرِ جمیل کو قاتل بنا دیا

دکھلا کے ایک جلوہ سراپائے حسن کا
آنکھوں کو اعتبار کے قابل بنا دیا

دونوں جہان تو اپنی جگہ پر ہیں برقرار
کیا چیز تھی کہ جس کو مرا دل بنا دیا

(مراد آباد)

○

اس چشمِ مست نے مجھے مخمور کر دیا میں نے نظر ملا کے اسے چور کر دیا

میں ان کا ہو گیا، انھیں مسرور کر دیا وہ میرے بن گئے مجھے مغرور کر دیا

سرشارِ دوست اپنے خود و مسحور کر دیا خود ہو گئے قریب مجھے دور کر دیا

اک وہمِ اعتبار سہی دو جہاں مگر اس اعتبارِ وہم نے مجبور کر دیا

ہشیار او نگاہِ ستم آشنائے دوست شیشہ نہیں ہے دل کہ جسے چور کر دیا

وہ اور نازِ عشق گوارا کریں مگر اتنے کھنچے ہم ان سے کہ مجبور کر دیا

اب حسن کو بھی آنچ سے اس کی مفر نہیں اتنا مزاجِ عشق کو محرور کر دیا

یہ عشق وہ بلا ہے کہ حسنِ ازل کو بھی تخلیقِ کائنات پہ مجبور کر دیا

ان کو بھی نازِ فتح اگر ہو تو بات ہے مجھ کو تو ہر شکست نے مغرور کر دیا

مدت کے بعد آج تو موجِ نسیم نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو بھی مسرور کر دیا

حسنِ ازل تو آج بھی بے پردہ ہے مگر نظارے کے ہجوم نے مستور کر دیا

توبہ تو کر چکا تھا مگر اس کا کیا علاج
واعظ کی ضد نے پھر مجھے مجبور کر دیا

(بلند شہر)

اب کہاں زمانے میں دوسرا جواب اُن کا — فصلِ حُسن ہے اُنکی موسمِ شباب ان کا

اوج پہ جمال ان کا جوش پر شباب ان کا — خاص اک ادا کے ساتھ اُف وہ پھر حجاب اُن کا

رنگ و بو کی دنیا میں اب کہاں جواب ان کا — عشق فرشِ بزم اُن کا، حسن فرشِ خواب اُن کا

ہم سے پوچھ اے ناصح دل گرفتگی ان کی — ہم نے چھپ کے دیکھا ہے عالمِ پُرآب اُن کا

پھول مسکرانے میں دل پہ چوٹ پڑتی ہے — ہائے وہ رخِ خنداں اُف رے وہ شباب اُن کا

یونہی کھلتے جاتے ہیں حسن و عشق کے اسرار — اک نفس سوال اپنا، اک نفس جواب اُن کا

کیا اسی کو کہتے ہیں ربط و ضبطِ حسن و عشق — شوقِ نارسا اپنا، ناز کامیاب اُن کا

اس طرح سے ہوں غارت ہائے عشق کی غفلت — جان، کہ ہے صدا اُن کی، دل، کہ ہے رباب اُن کا

رنگ و بو کے پردے میں کون پھوٹ نکلا ہے — چھپ سکا چھپائے سے کیا کہیں شباب اُن کا

ضبط کا نہیں دعویٰ عشق میں رہا اکثر — ہم نے حال دیکھا ہے بیشتر خراب اُن کا

کہئے حالِ دل لیکن دیکھئے کن آنکھوں سے — ہر سکوں کے پردے میں حشرِ اضطراب اُن کا

عشق ہی کے ہاتھوں میں کچھ سکت نہیں رہتی — ورنہ چیز ہی کیا ہے گوشۂ نقاب اُن کا

جیسے حسن کی دیوی جھانکتی ہو چلمن سے — نیم وا سی آنکھوں میں اُف وہ کیفِ خواب اُن کا

عرضِ غم نہ کر لے دل، دیکھ ہم نہ کہتے تھے — رہ گئے وہ "اُنھ" کر کے سن لیا جواب اُن کا

تو جگر جو رسوا ہے تو ہی آہ رسوا رہ — نام تو نہ کر رسوا خانماں خراب اُن کا

تو جگر سے مستوں پہ طعن کر نہ اے واعظ — تو غریب کیا جانے مسلکِ شراب اُن کا

ا میں تشبیہات و استعارات کو بالطبع پسند نہیں کرتا اور ان چیزوں کی بھتات کو عجزِ طبع کی دلیل سمجھتا ہوں، تاہم کہیں کہیں بے اختیارانہ اس طرح کے اشعار بھی کہہ گیا ہوں لیکن اکثر خاص قسم کی ندرت اور جدت کے ساتھ۔ — جگر

○

تم اس دلِ وحشی کی وفاؤں پہ نہ جانا
اپنا نہ رہا جو، وہ کسی کا نہ رہے گا

مٹ جائیگی جس دن مرے سجدوں کی حقیقت
دنیا میں ترا نقشِ کفِ پا نہ رہے گا

وہ لاکھ مٹاتے رہیں دنیائے تمنّا
کہتے ہیں جسے دل، کبھی تنہا نہ رہے گا

مانا، لبِ نازک کو وہ تکلیف نہ دیں گے
آنکھوں سے بھی کیا کوئی اشارا نہ رہے گا

اللہ یہ ساون کی گھٹائیں، یہ ہوائیں
کیا آج بھی شغلِ مے و مینا نہ رہے گا

اس دل کو بنایا تو ہے شائستۂ حرماں
سنتے ہیں انھیں یہ بھی گوارا نہ رہے گا

(لکھنؤ بھوپال ہاؤس)

○

پھرتے ہیں دور دور بہت شادماں سے کیا　　واقف نہیں ابھی وہ غمِ ناگہاں سے کیا

غم کیا ملا کہ دولتِ کونین مل گئی　　ہٹتے ہیں اب یہ ہاتھ دلِ ناتواں سے کیا

بن جا زفرق تا بہ قدم اپنی خود صدا　　شرح و بیانِ عشق نگاہ و زباں سے کیا

چہرہ بھی زرد زرد، نظر بھی اُداس اُداس　　یہ حال ہو تو فائدہ ضبطِ فغاں سے کیا

سر دادگانِ عشق کہاں، دردِ سر کہاں　　سر ہی نہیں تو کام سرِ آستاں سے کیا

صیاد و برق ہی کی توجہ نہیں تو پھر　　مجھ کو حصولِ خار و خسِ آشیاں سے کیا

مانا غرورِ عشق بھی اک چیز ہے مگر　　اتنے بھی دور دور ترے آستاں سے کیا

غم شاد شاد، حسن سراپا حزیں حزیں　　اب یہ نظر ملے نظرِ عاشقاں سے کیا

یہ کوچۂ حبیب ہے دیر و حرم نہیں　　لیجائے کوئی جان سلامت یہاں سے کیا

مطرب مزاج دارِ محبت نہیں مگر　　نغمہ یہ اس نے چھیڑ دیا درمیاں سے کیا

لذت کشِ جفائے کرم ہائے دوست ہوں　　دل سیر ہو سکے ستمِ دو جہاں سے کیا

خود حسن کی زبان ہو اور داستانِ عشق　　اپنا بیانِ درد خود اپنی زباں سے کیا

پوچھے یہ کوئی اُس بتِ ظاہر فریب سے　　مجھ سے نہیں تو اُنس مری داستاں سے کیا

کیا کم ہے یہ کہ نسبتِ کامل نصیب ہے
انعامِ سجدہ اور ترے آستاں سے کیا

(ٹونک۔ رسالہ جامعہ جون ۳۵ء)

○

اسی چمن میں ہمارا بھی اک زمانہ تھا
یہیں کہیں کوئی سادہ سا آشیانہ تھا

الٰہی توبہ! میں اس جذبِ دل سے باز آیا
کہ آج اس کا ہر انداز والہانہ تھا

شباب و شوق کا اپنا بھی اک زمانہ تھا
خبر نہیں کہ حقیقت تھی یا فسانہ تھا

خوشا وہ دور کہ جب عشق ہی زمانہ تھا
نہ دشت و در تھے نہ گلشن نہ آشیانہ تھا

چمن چمن تھا مری چشمِ شوق میں جب تک
شرار و برق کے سائے میں آشیانہ تھا

کہاں کے حسن و محبت، کہاں کے مہر و وفا
بس ایک سحرِ جوانی تھا اور زمانہ تھا

مٹا مٹا سہی ظالم وہ دل تھا میرا دل
بجھا بجھا سہی، پھر بھی چراغ خانہ تھا

نصیب اب تجھے نہیں شاخ بھی نشیمن کی
لدا ہوا کبھی پھولوں سے آشیانہ تھا

نظر نے اور کیا کیا حصولِ غم کے سوا
کہ ربطِ خاص محبت تو غائبانہ تھا

تری قسم ارے او جلد روٹھنے والے
غرورِ حسن نہ تھا ناز عاشقانہ تھا

بھلا دیا ہمیں تو نے تو رنج کیا لیکن
ہمیں بھی تیری محبت کو بھول جانا تھا

(رسالہ جامعہ اکتوبر ۳۰ء)

قدم والہانہ بڑھاتا چلا جا — جدھر سے گزر مسکراتا چلا جا

نہیں یہ کہ بچتا بچاتا چلا جا — محبّت کی ہر چوٹ کھاتا چلا جا

مبارک یہ عزمِ سفر تجھ کو لیکن — رُلاتا اُٹھا ہے، ہنساتا چلا جا

حسیں بن کے ہر ذرّے کو جگمگا دے — جواں بن کے ہر شے پہ چھاتا چلا جا

محبّت کے دریا کا طوفان بن کر — خس و خار کو بھی بہاتا چلا جا

ضرورت ہو پھر حسن کو تخریبِ نو کی — وہ تعمیرِ بوسیدہ ڈھاتا چلا جا

کہیں بن کے تو ابرِ رحمت برس چل — کہیں برقِ غیرت گراتا چلا جا

محبّت کے فتنے بہت کام کے ہیں — نہ سونے دے ان کو جگاتا چلا جا

قدم رُک نہ جائیں جو حائل ہوں پردے — ہٹاتا، اُٹھاتا، جلاتا چلا جا

محبّت کی گہرائیوں میں سما کر — رگِ جاں پہ نشتر لگاتا چلا جا

محبّت محبّت محبّت محبّت — کوئی دھن ہو یہ گیت گاتا چلا جا

ابھی کوئی منزل نہیں تیری منزل — ابھی پائے ہمّت بڑھاتا چلا جا

کہاں کے مناظر، کہاں کے مظاہر — تو خود اپنے نزدیک آتا چلا جا

قیودِ دو عالم سے آزاد ہو کر — حدودِ محبّت بڑھاتا چلا جا

زمانے کے ہمدوش و ہمراہ کب تک — زمانے کو پیچھے ہٹاتا چلا جا

یہ سب کہہ کے در پردہ رازِ حقیقت — جگر یوں نہ دامن بچاتا چلا جا

جگر کفر ہے کفر بخلِ محبّت — تجھے جو ملے تو لٹاتا چلا جا

○

عشق بن سکے محشر میں حسن کامیاب آیا　　خاک کی تھی جو دنیا خاک ہی میں داب آیا
حسن کی معیت میں اس طرح شباب آیا　　جیسے کچی نیند اُٹھ کر کوئی مستِ خواب آیا
حشر در جلو آیا نشتر در رکاب آیا　　حسن کی کھلی آنکھیں عشق کا شباب آیا
گودیوں میں عصمت کی کھیلتا شباب آیا　　شوخیوں کے جھرمٹ میں شاہدِ حجاب آیا
اک لفافۂ رنگیں، ایک پرچۂ سادہ　　اے دلِ سکوں دشمن لے ترا جواب آیا
تو وہ نغمہ چھیڑ اے دل سب کہیں کہ گلشن میں　　ہر گلِ فسردہ پر اک نیا شباب آیا

وہ جھکی جھکی پلکیں، وہ عرق عرق عارض
شکوۂ ستم کر کے خود مجھے حجاب آیا

○

خدایا اس مرض کی ہے دوا کیا　　"کہ ہم کیا ہیں ہمارا مدعا کیا"
سراپا حسن کا آئینہ بن کر　　ہمیں ہم ہیں ہمارا پوچھنا کیا
محبت خود برس پڑتی ہے اکثر　　بیانِ شوق و عرضِ التجا کیا

مجسم سازِ بے آواز بن جا
کسی ٹوٹے ہوئے دل کی صدا کیا

ب

ہاں نگاہِ شوق! وہ اُٹھی نقاب　　"آفتاب آمد دلیلِ آفتاب"

شوق بے پایاں و جوشِ بے حساب　　"عشق کیا ہے؟ اک مسلسل اضطراب"

دستِ رنگین و جمالِ بے حجاب　　اے خوش آں وقتے و خوش جامِ شراب

لکھ چکے خط، جا چکا خط کا جواب　　اضطراب و اضطراب و اضطراب

آج کچھ اپنا پتا ملتا نہیں　　میں کہاں ہوں؟ او نگاہِ باریاب!

کچھ کہوں، تو کیا کہوں؟ کس سے کہوں؟　　میں ہی خود اپنا سوال، اپنا جواب

میری ہستی ہے غبارِ کوئے دوست　　مجھ سے پیدا، ہر سکوں ہر اضطراب

پوچھنا کیا؟ چشمِ بینا ہو، تو دیکھ　　دل کے ہر ذرّے میں ہیں لاکھ آفتاب

ہوش ہے، پھر مائلِ فرزانگی　　لاشراب، او مستِ ساقی! لاشراب

میرے جام و بادہ کی رنگینیاں　　جانتا ہے حسن کا، ظالم شباب

غرقِ موجِ بادہ کر دے، ساقیا　　تا کجا میں؟ اور دنیائے خراب

جاں سراپا، کچھ ہے راحت کچھ خلش　　دل مجسّم کچھ سکوں، کچھ اضطراب

عشق کیا ہے؟ پرتوِ حسنِ تمام　　شوق کیا ہے؟ حسن کا عکسِ شباب

اُن لبوں کی جاں نوازی دیکھنا　　منہ سے بول اُٹھنے کو ہے جامِ شراب

مختصر ہے شرحِ ہستی، اے جگر
زندگی ہے خواب، اجل تعبیرِ[1] خواب

[1] [illegible]

د

○

میرا جنونِ شوق، وہ عرضِ وفا کے بعد
وہ شانِ احتیاط تری ہر ادا کے بعد

شاید اسی کا نام مقامِ فنا نہ ہو
نازک سا ہوتا جاتا ہے دل ہر صدا کے بعد

گو دل سے تنگ ہوں، مگر آتا ہے یہ خیال
پھر جی کے کیا کروں گا دلِ مبتلا کے بعد

ہاں، پھر انھی حسین نگاہوں کا واسطہ
تھوڑا سا زہر بھی مری خاطر دوا کے بعد

(مرادآباد)

ر
○

کبھی شاخ و سبزہ و برگ پر، کبھی غنچہ و گل و خار پر
میں چمن میں چاہے جہاں رہوں مرا حق ہے فصلِ بہار پر

مجھے دیں نہ غیظ میں دھمکیاں، گریں لاکھ بار یہ بجلیاں
مری سلطنت یہی آشیاں، مری ملکیت یہی چار پر

مرے اشکِ خوں کی بہار ہے کہ مرقعِ غمِ یار ہے
مری شاعری بھی نثار ہے مری چشمِ سحر نگار پر

عجب انقلابِ زمانہ ہے، مرا مختصر سا فسانہ ہے
یہی اب جو بار ہے دوش پر، یہی سر تھا زانوئے یار پر

یہ کمالِ شوق کی سازشیں، یہ جمالِ یار کی نازشیں
یہ عنایتیں، یہ نوازشیں، مری ایک مشتِ غبار پر

مری سمت سے اُسے، اے صبا! یہ پیامِ آخرِ غم سُنا
ابھی دیکھنا ہو تو دیکھ جا، کہ خزاں ہے اپنی بہار پر

یہ فریبِ جلوہ ہے سر بسر، مجھے ڈر یہ ہے، دلِ بے خبر!
کہیں جم نہ جائے تری نظر، انھیں چند نقش و نگار پر

میں رہینِ دردِ سہی، مگر، مجھے اور چاہیئے کیا؟ جگر!
غمِ یار ہے مرا شیفتہ، میں فریفتہ غمِ یار پر

(بین پوری)

○

ہجومِ تجلّی سے معمور ہو کر　　نظر رہ گئی شعلۂ طور ہو کر

مجھی میں رہے مجھ سے مستور ہو کر　　بہت پاس نکلے بہت دور ہو کر

بس اک نشۂ عشق میں چور ہو کر　　پڑے رہیے اُس در پہ مجبور ہو کر

کہیں ان کے رُکنے سے رُکتے ہیں وحشی　　نہ مجبور کر دیں، جو مجبور ہو کر

وفا پر ہزار ایسی جانیں تصدّق　　اگر رہ نہ جائے، یہ دستور ہو کر

تمھیں بھی خبر ہے؟ جو تم کہہ گئے ہو　　خود اپنی اداؤں سے مسحور ہو کر

سُنانے چلے ہیں انھیں قصۂ غم　　بہت دل کے ہاتھوں سے مجبور ہو کر

سنبھل جائیں آسودگانِ محبت　　نگاہیں اٹھیں شورِ منصور ہو کر

نظر عیشِ فانی پہ کیا خاک ڈالیں　　ترے دردمندانِ مہجور ہو کر

خبر بھی ہے؟ تم کیا سے کیا ہو گئے ہو　　ز سر تا قدم حسنِ مجبور ہو کر

تجاہل، تغافل، تبسّم، تکلّم　　یہاں تک تو پہنچے وہ مجبور ہو کر

ترے حسنِ مغرور سے نسبتیں ہیں　　کہیں ہم نہ رہ جائیں مغرور ہو کر

جگرؔ کی اداؤں کا اب پوچھنا کیا
تری مست نظروں سے مخمور ہو کر

(بھوپال)

○

نوید بخششِ عصیاں سے شرمسار نہ کر
گناہ گار کو یارب گناہ گار نہ کر

نظر ملی ہے، تو اس کو بہار ساز بنا
نظر کو مائلِ رنگینیٔ بہار نہ کر

کہاں کی فرقت و قربت، گزر بھی جا اے دل
یہ راہِ عام ہے، تو اس کو اختیار نہ کر

بہار اپنی جگہ پر، سدا بہار رہے
یہ چاہتا ہے، تو، تجزیۂ[1] بہار نہ کر

---

[1] اس لفظ کو مشدد طریقے پر کہنا بھی درست ہے۔ جگر

گ

○

عشق میں لاجواب ہیں ہم لوگ　　ماہتاب آفتاب ہیں ہم لوگ

گرچہ اہلِ شراب ہیں ہم لوگ
یہ نہ سمجھو، خراب ہیں ہم لوگ

شام سے آ گئے جو پینے پر
صبح تک آفتاب ہیں ہم لوگ

ہم کو دعوائے عشق بازی ہے　　مستحقِ عذاب ہیں ہم لوگ

ناز کرتی ہے خانہ ویرانی　　ایسے خانہ خراب ہیں ہم لوگ

ہم نہیں جانتے، خزاں کیا ہے؟　　کشتگانِ شباب ہیں ہم لوگ

تو ہمارا جواب ہے تنہا
اور تیرا جواب ہیں ہم لوگ

تو ہے دریائے حُسن و محبوبی
شکلِ موج و حباب ہیں ہم لوگ

گو سراپا حجاب ہیں پھر بھی　　تیرے رُخ کی نقاب ہیں ہم لوگ

خوب ہم جانتے ہیں اپنی قدر　　تیرے ناکامیاب ہیں ہم لوگ

ہم سے غفلت نہ ہو، تو پھر کیا ہو؟ رہروِ ملکِ خواب ہیں ہم لوگ

جانتا بھی ہے اُس کو تو؟ واعظ! جس کے مستِ خراب ہیں ہم لوگ

ہم پہ نازل ہوا صحیفۂ عشق صاحبانِ کتاب ہیں ہم لوگ

ہر حقیقت سے جو گزر جائیں وہ صداقت مآب ہیں ہم لوگ

جب ملی آنکھ، ہوش کھو بیٹھے کتنے حاضر جواب ہیں ہم لوگ

ہم سے پوچھو جگر کی سرمستی
محرمِ آں جناب ہیں ہم لوگ

(بھوپال)

ل

○

تو بھی، او نا آشنائے دردِ دل! کاش ہوتا مبتلائے دردِ دل!

اللہ اللہ انتہائے دردِ دل! اب، تمھی تم ہو، بجائے دردِ دل

اُس نظر کی بے قراری، آہ آہ باش، او گستاخ ادائے دردِ دل

دردِ دل میرے لئے گر ہے تو ہو میں نہیں ہرگز برائے دردِ دل

ذرّہ ذرّہ ہے قیامت گاہِ عشق صاف سُنتا ہوں صدائے دردِ دل

جس طرف وہ شوخ نظریں اٹھ گئیں لے اُڑی موجِ ہوائے دردِ دل

مجھ سے شاید رہ نہ جائے کچھ کمی آپ ہی دے لیں سزائے دردِ دل

کچھ تغافل، کچھ توجہ، کچھ عذر دیکھنا، شانِ عطائے دردِ دل

دردِ دل غیرت تری کیا ہو گئی

اُن لبوں پر، اور ہائے دردِ دل

○

اب تو نامِ عشق سے بھی سخت گھبراتا ہے دل
اے مرے اللہ کیا سے کیا ہوا جاتا ہے دل

کیا بتائیں دل سے مل کر کیا غضب ڈھاتا ہے دل
جس طرح آندھی کوئی آتی ہے یوں آتا ہے دل

رہ گیا ہے اب تو بس اتنا ہی ربط اک شوخ سے
سامنا جس وقت ہو جاتا ہے بھر آتا ہے دل

دل تو سینے ہی میں رہتا ہے، مگر اس کے حضور
جیسے اب جاتا ہے دل سینے سے اب جاتا ہے دل

جب ستم ہی مدّعا ٹھہرا، ستم بھی کیا ضرور
کچھ نہ کچھ تسکین سی یوں بھی تو پا جاتا ہے دل

سامنے ان کے ہمیں سے اس کی ظالم شوخیاں
وہ نہیں ہوتے تو کیا نادان بن جاتا ہے دل

رحم بھی، غصّہ بھی کیا کیا آہ آتا ہے جگر
خود تڑپ کر عشق میں جب مجکو تڑپاتا ہے دل

م

○

حُسنِ معنی کی قسم، جلوۂ صورت کی قسم
تو ہی فردوس ہے، فردوسِ محبت کی قسم

حُسن کے معجزۂ وحدت و کثرت کی قسم
چشمِ حیرت میں ہے سب کچھ سرِ حیرت کی قسم

تجھکو دیکھا، مگر اس طرح، کہ دیکھا ہی نہیں
اپنی کم مائگی جرأت و ہمّت کی قسم

ظلم کیا؟ اب تو کرم بھی ہے گوارا مجھ کو
تیری اس اشک بھری چشمِ ندامت کی قسم

اک نظر دیکھ تو لے پھول کھلے ہیں کیا کیا
ناوکِ غم کی قسم سینۂ حسرت کی قسم

دل کی دنیا پہ ہے، اک اور ہی عالم طاری
نگہِ ناز کے، اقرارِ محبت کی قسم

مجھ سے چھپنا تجھے زیبا نہیں اے پیکرِ حسن
میں محبت ہی محبت ہوں محبت کی قسم

نگہِ حُسن ہی سے حسن کو ہم دیکھتے ہیں
مذہبِ عشق کی پاکیزہ شریعت کی قسم

تیرا احسان، مٹاتا ہے، مٹا دے لیکن
کون کھائے گا تری چشمِ مروت کی قسم

اک ترے واسطے خود عشق ہے جنت بکنا
شبنمِ اشک و گلِ داغِ محبت کی قسم

اب ترے حُسن کے جلوے نہیں روکے رُکتے
نگہِ شوق کی بیتاب طبیعت کی قسم

صبحِ عشرت بھی جواب آئے، تو دیکھوں نہ اسے
اپنی محبوبۂ شامِ شبِ فرقت کی قسم

اب تجھے میری محبت کا یقیں ہو کہ نہ ہو
میں نہ کھاؤں گا ترے دردِ محبت کی قسم

تو ہی اب وہ نہیں جو خود کو نظر آتا ہے
سینۂ عشق کی پوشیدہ امانت کی قسم

نگہِ ناز میں سب کچھ تو ہے یہ بات کہاں؟ خلشِ دردِ! ترے حسنِ نزاکت کی قسم

اب تجھے دیکھ کے مرنا بھی گوارا ہے مجھے غمِ عشرت کی قسم، اشکِ مسرّت کی قسم

تیرے ہمراہ ہیں جان و دل و ایماں سب کچھ تیری آنکھوں کے پیامِ دمِ رخصت کی قسم

اب بھی ہیں تیرے تصوّر سے وہی رازونیاز اپنے اُجڑے ہوئے آغوشِ[1] محبت کی قسم

خلوتِ خاص کو اک دن تو بنا دے جلوت
تجھ کو اپنے جگرِ شوخ طبیعت کی قسم

(بھوپال)

محمد دوست

---

[1] ایک شخص نے آغوش کی تذکیر پر اعتراض کیا تھا۔ لیکن ان کا اعتراض غلط ہے۔ تذکیر و تانیث دونوں طرح جائز ہے اور کہا جاتا ہے۔ جگر

ن

○

اب اُن کا کیا بھروسا وہ آئیں یا نہ آئیں
آ اے غمِ محبت تجھ کو گلے لگائیں

بیٹھا ہوں مست و بیخود، خاموش ہیں فضائیں
کانوں میں آ رہی ہیں بھولی ہوئی صدائیں

سب اُن پہ ہیں تصدّق، وہ سامنے تو آئیں
اشکوں کی آرزوئیں آنکھوں کی التجائیں

عشّاق پا رہے ہیں، ہر جرم پر سزائیں
انعام بٹ رہے ہیں، مغرور ہیں خطائیں

اُس سے بھی شوخ تر ہیں، اس شوخ کی ادائیں
کر جائیں کام اپنا لیکن نظر نہ آئیں

مسجد میں معتکف ہیں، بیکار ہی تو زاہد!
دوروزہ زندگی ہے آئیں، پئیں پلائیں

اُس حسنِ برق وش کے دل سوختہ وہی ہیں
شعلوں سے بھی جو کھیلیں، دامن کو بھی بچائیں

عاشق، خرابِ مستی، زاہد خرابِ تمکیں
وہ بھی ترے کرشمے، یہ بھی تری ادائیں

جیسا وہ چاہتے ہیں، جو کچھ وہ چاہتے ہیں
آتی ہیں میرے دل سے لب تک وہی دعائیں

اِک جامِ آخری تو پینا ہے اور، ساقی!
اب دستِ شوق کانپے، یا پاؤں لڑکھڑائیں

اب ہاتھ مل رہے ہیں، وہ خاکِ عاشقاں پہ
برباد کر چکے جب اپنی ہی کچھ ادائیں

آلودہ خاک ہی میں رہنے دے اس کو ناصح!
دامن اگر جھٹک دوں جلوے کہاں سمائیں

بے تابیٔ محبت، وجہِ سکونِ غم ہے
آغوشِ مضطرب میں خوابیدہ ہیں بلائیں

اشعار بن کے نکلیں جو سینۂ جگر سے
سب حسنِ یار کی تھیں، بیساختہ ادائیں

○

کدھر ہے تیرا خیال؟ اے دل! یہ وہم کیا کیا سمائے ہوئے ہیں
نظر اٹھا کر تو دیکھ، ظالم! کھڑے وہ کیا مسکرا رہے ہیں

تمام ہستی پہ چھا رہے ہیں، وہ جیسے خود ہیں بنا رہے ہیں
نظر نظر میں سما چکے ہیں، نفس نفس میں سما رہے ہیں

کرشمے ذات و صفات کے ہیں، جمالِ قدرت دکھا رہے ہیں
کہ ہر تصوّر سے دُور رہ کر، وہ ہر تصوّر میں آ رہے ہیں

کہاں کی دید، اور کس کا عرفاں، حواس گم ہیں، نظر پریشاں
جو ایک پردہ اُٹھا رہے ہیں، تو لاکھ پردے گرا رہے ہیں

یہ حادثاتِ زمانہ کیا ہیں؟ اُسی کے حسنِ طلب کے جلوے
دلوں کو ٹھوکر لگا لگا کر، دلوں کی دنیا جگا رہے ہیں،

کرشمے ہیں حُسنِ بے جہت کے، فسوں ہیں چشمِ مناسبت کے
اِدھر سے دیکھو تو آ رہے ہیں، اُدھر سے دیکھو تو آ رہے ہیں

نفس نفس میں صفاتِ تازہ، مماتِ تازہ، حیاتِ تازہ
انھیں میسّر ہے ذاتِ تازہ جو خود کو تجھ میں مٹا رہے ہیں

قطعہ

ہماری ہستی، تمام آفت، تمام زحمت، تمام کلفت
اگر یہ سچ ہے تو فی الحقیقت، ہمیں خود اُن کو ستا رہے ہیں
ہوا کچھ ایسی ہی چل گئی ہے، دلوں کی دنیا بدل گئی ہے
وہ ہم کو مطلوب کہہ رہے ہیں، ہم ان کو طالب بتا رہے ہیں
ذرا سا اِک وقفۂ محبت، اٹھا گیا اور ہی قیامت
ابھی ہم آنسو بہا رہے تھے، ابھی وہ آنسو بہا رہے ہیں
خوشا یہ پندارِ عشق اپنا، زہے شکستِ غرورِ ان کی
وہ ہم سے نظریں ملا رہے ہیں، ہم اُن سے نظریں ہٹا رہے ہیں
نظر نظر، التجائے پیہم، ادا ادا شکوۂ مجسم
ذرا جو بن کر بگڑ رہے ہیں، ہمیں وہ کیا کیا منا رہے ہیں
گلوں سے مستی چھلک رہی ہے، سراپا بلبل ٹپک رہی ہے
جگر کسی گوشۂ چمن میں، غزل کوئی اپنی گا رہے ہیں

(کانپور)

○

کرم کوشیاں ہیں، ستم کاریاں ہیں / بس اک دل کی خاطر، یہ تیاریاں ہیں
چمن سوز گلشن کی گلکاریاں ہیں / یہ کس سوختہ دل کی چنگاریاں ہیں
نہ بیہوشیاں اب نہ ہشیاریاں ہیں / محبت کی تنہا فسوں کاریاں ہیں
نہ وہ مستیاں ہیں، نہ سرشاریاں ہیں / خودی کا ہے احساس، خودداریاں ہیں
محبت اثر کرتی ہے چپکے چپکے / محبت کی خاموش چنگاریاں ہیں
نگاہِ تجسّس نے دیکھا جہاں تک / پرستاریاں ہی پرستاریاں ہیں
تجلّی سے کہہ دو، ذرا ہاتھ روکے / بہت عام اب دل کی بیماریاں ہیں
نہ آزاد دل ہیں، نہ بے قید نظریں / گرفتاریاں ہی گرفتاریاں ہیں
نہ ذوقِ تخیّل، نہ ذوقِ تماشا / محبت سے اب، اور بیزاریاں ہیں
تغافل ہے اک شانِ محبوب لیکن / تغافل میں پنہاں خبرداریاں ہیں
کہاں ہیں؟ کہاں تازہ اشعارِ رنگیں؟ / تری اک توجہ کی گلکاریاں ہیں
ازل سے ہے صرفِ دعا ذرّہ ذرّہ / خدا جانے، کیا کچھ طلبگاریاں ہیں
بچھے جا رہے ہیں سبھی دیدہ و دل / تری آمد آمد کی تیاریاں ہیں
قدم، ڈگمگائے نظر بہکی بہکی / جوانی کا عالم ہے سرشاریاں ہیں
جگر! زندگی لطف سے کٹ رہی ہے / غم آزاریاں ہیں، جنوں کاریاں ہیں
کہاں پھر یہ ہستی؟ کہاں ایسی مستی؟ / جگر کی جگر تک ہی میخواریاں ہیں

○

خطاؤں سے پہلے پشیمانیاں ہیں　　محبت کی معصوم نادانیاں ہیں
مسلسل غمِ دل کی عریانیاں ہیں　　نگاہیں نہیں ہیں، پریشانیاں ہیں
سنا کر غم و درد پچھتا رہا ہوں　　پشیمانیوں کی پشیمانیاں ہیں
ازل سے جو دل کے مقدر پڑی تھیں　　وہی آج تک شعلہ سامانیاں ہیں

دلوں پر حکومت نگاہوں سے پرے
جہاں بانیاں ہیں، ستم رانیاں ہیں
تجسس میں شامل، تحیر میں پنہاں
نظر سوزیاں ہیں، نگہبانیاں ہیں

وہ دشواریاں عشق کی حل ہوں کیونکر　　جو دشواریاں ہیں، نہ آسانیاں ہیں
محبت کے جلوے نہیں حسن سے کم　　انھیں بھی مرے ساتھ حیرانیاں ہیں
ترے جلوۂ جزو و کل کے تصدق　　نہ اب حسرتیں ہیں، نہ حیرانیاں ہیں
غضب میں پھنسی ہیں مرا ساتھ دے کر　　پریشانیوں کو پریشانیاں ہیں

درِ بت کدہ، اور سجدے دل پہ سجدے
جگر! واہ، کیا کفر سامانیاں ہیں

(رین لپوری)

○

نیاز و ناز کے جھگڑے مٹائے جاتے ہیں
ہم ان میں اور وہ ہم میں سمائے جاتے ہیں

شروعِ راہِ محبت، ارے معاذ اللہ
یہ حال ہے کہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

یہ نازِ حُسن تو دیکھو کہ دل کو ترڑپا کر
نظر ملاتے نہیں، مسکرائے جاتے ہیں

مرے جنونِ تمنّا کا کچھ خیال نہیں
لجائے جاتے ہیں، دامن چھڑائے جاتے ہیں

جو دل سے اُٹھتے ہیں شعلے، وہ رنگ بن بن کر
تمام منظرِ فطرت پہ چھائے جاتے ہیں

میں اپنی آہ کے صدقے، کہ میری آہ میں بھی
تری نگاہ کے انداز پائے جاتے ہیں

رواں رواں لئے جاتی ہے آرزوئے جمال
کشاں کشاں ترے نزدیک آئے جاتے ہیں

کہاں منازلِ ہستی؟ کہاں ہم اہلِ فنا؟
ابھی کچھ اور یہ تہمت اُٹھائے جاتے ہیں

مری طلب بھی، اسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں

الٰہی! ترکِ محبت بھی کیا محبت ہے؟
بھلاتے ہیں انھیں، وہ یاد آئے جاتے ہیں

سُنائے تھے لبِ نے سے کسی نے جو نغمے
لبِ جگر سے مکرّر سنائے جاتے ہیں

(غالباً گونڈہ الٰہ آباد
یا فیض آباد)

○

نیازِ عاشقی کو ناز کے قابل سمجھتے ہیں
ہم اپنے دل کو بھی اب آپ ہی کا دل سمجھتے ہیں

عدم کی راہ میں رکھا ہے پہلا ہی قدم میں نے
مگر احباب اس کو آخری منزل سمجھتے ہیں

قریب آ آ کے منزل تک پلٹ جاتے ہیں منزل سے
نہ جانے دل میں کیا، دیوانہ منزل سمجھتے ہیں

الٰہی ایک دل ہے، تو ہی اس کا فیصلہ کر دے
وہ اپنا دل بتاتے ہیں، ہم اپنا دل سمجھتے ہیں

(الٰہ آباد)

○

کیا غرض مجھ کو، ترے دل پہ اثر ہے کہ نہیں؟
میں پرستارِ محبت ہوں، خبر ہے کہ نہیں؟

نہیں معلوم محبت میں اثر ہے، کہ نہیں؟
جو اِدھر ہے مری حالت، وہ اُدھر ہے کہ نہیں؟

میں نہ کھاؤں گا کبھی حُسنِ تغافل کے فریب
میری جانب تری دَر پردہ نظر ہے کہ نہیں؟

اب یہ عالم ہے کہ جو ہجر کی شب آتی ہے
میں یہ کہتا ہوں کہ اس شب کی سحر ہے کہ نہیں؟

پوچھ مجھ سے نہ مرے زخمِ جگر کی حالت
میرے دامن میں ہر آنسو گُلِ تر ہے کہ نہیں؟

تو ہی کہدے کہ جنوں مجھ کو نہ کیونکر ہو عزیز
اس کو حاصل تری تائیدِ نظر ہے، کہ نہیں؟

وصل کہتے ہیں جسے اسکی حقیقت معلوم
ورنہ اِک سلسلۂ شام و سحر ہے، کہ نہیں؟

اِک نظر دیکھ تو لے، دل کے مٹانے والے!
ابھی اس خاک میں طوفانِ شرر ہے کہ نہیں؟

پوچھتا پھرتا ہوں اِک ایک سے اس کوچے میں
جس کا دیوانہ ہوں، اس کو بھی خبر ہے کہ نہیں؟

اور درکار ہے کیا؟ تیری توجہ کے لئے
آہ ظالم مری، محرومِ اثر ہے، کہ نہیں؟

عشق بے جذب ہوئے رہ نہیں سکتا ہرگز
میری ہر شان میں اِک شانِ جگر ہے کہ نہیں؟

لے اُٹھا جاتا ہوں میں جھاڑ کے دامن اپنا
پھر نہ کہنا، مرا دیوانہ جگر ہے، کہ نہیں؟

(مین پوری)

○

تیرے بیان میں قاصد! کچھ اشتباہ نہیں — جز ایں قدر، کہ یہ فرسودۂ نگاہ نہیں

نہ ہو، جو حسن کی ہم پر کوئی نگاہ نہیں — ہم اہلِ عشق ہیں، پابندِ رسم و راہ نہیں

خود اپنے حسن کی تاثیر کو وہ کیا جانے — تری نگاہ ہے ظالم، مری نگاہ نہیں

جفائے حسن کا صدقہ، سزائے حسن کی خیر — گناہِ عشق سے بڑھ کر، کوئی گناہ نہیں

ہزار چشمِ عنایت ہو، پھر بھی کیا حاصل — وہ ایک شے بھی، اگر شاملِ نگاہ نہیں

اُنھیں بھی دست بہ دل، بے قرار دیکھ لیا
سُنا تھا عشق کی آنکھیں تو ہیں نگاہ نہیں

○

دل حریفِ حال و بے حالی نہیں — اس چمن کا اب کوئی مالی نہیں

دیکھنا، دل سے سلوکِ چشمِ یار — شیشہ خالی ہے، مگر خالی نہیں

ہاں، مبارک، شغلِ مے زاہد! مگر — کچھ نہیں، گر ہمّتِ عالی نہیں

اللہ اللہ تیرے غم کی وسعتیں، — کوئی عالم، درد سے خالی نہیں

اِس طرف بھی دیکھ، او محشر خرام! — کم مری دنیائے پامالی نہیں

عشق، رنگِ حسن سے ہے بے نیاز — حسن، کیفِ عشق سے خالی نہیں

حسن ہے اس طرح سرگرمِ خرام — عشق کو احساسِ پامالی نہیں

شوق بھی دل میں رہے ہمراہ دوست — اب تو اتنی بھی جگہ خالی نہیں

(بھوپال)

○

لفظ و معنی میں نہیں! جلوہ و صورت میں نہیں
عشق اک چیز ہے جو حرف و حکایت میں نہیں

وہ حقیقت، کہ جو محدود حقیقت میں نہیں
دل کی وسعت میں ہے کونین کی وسعت میں نہیں

غم میسّر ہے ترا غم پہ نہ کیوں ناز کروں
یہ بھی کیا تو ہے؟ کہ جو عشق کی قسمت میں نہیں

وہ جو اک ربطِ محبت ہے، مٹانا اس کا
مری طاقت میں نہیں آپ کی قدرت میں نہیں

جلوہ پھر جلوہ ہے، نظّارہ ہے پھر نظّارہ
حیرت آئینے میں ہے آئینہ حیرت میں نہیں

یوں بھی تکمیلِ غمِ عشق ہوا کرتی ہے
اس کی قسمت میں ہوں میں جو مری قسمت میں نہیں

ہر نفس میں ہے یہاں جلوۂ نو کا عالم
غمِ فرقت بھی مرا، اب غمِ فرقت میں نہیں

(یمن پوری)

○

غمِ عاشقی کا صلا چاہتا ہوں
خود اپنی نظر سے گرا چاہتا ہوں

بلا پر نزولِ بلا چاہتا ہوں
سزاوارِ غم ہوں سزا چاہتا ہوں

محبت، بقیدِ وفا چاہتا ہوں
بُرا نا سمجھ ہوں، یہ کیا چاہتا ہوں

جنونِ محبت یہاں تک تو پہنچا
کہ ترکِ محبت کیا چاہتا ہوں

وہ یوں پرسشِ شوق فرما رہے ہیں
کوئی خود یہ کہہ دے سزا چاہتا ہوں

طلسمِ تمنا سمجھ میں نہ آیا
کوئی مجھ کو سمجھائے کیا چاہتا ہوں

ظہورِ دو عالم، اک اعجاز جس کا
اُسی نقشِ پا پر مٹا چاہتا ہوں

کہاں تک ہیں یہ رنگ و بو کی بہاریں
تجھے دیکھ کر، دیکھنا چاہتا ہوں

کہیں ٹوٹ جائے نہ دل بے کسی کا
نگاہِ کرم! آسرا چاہتا ہوں

محبت ہی اپنا بھی مذہب ہے لیکن
طریقِ محبت، جُدا چاہتا ہوں،

(بھوپال)

وہاں اپنی ہستی کو ہم دیکھتے ہیں
جہاں موت کا سر قلم دیکھتے ہیں
محبّت میں یہ کیا ستم دیکھتے ہیں
بہت فرصتِ شوق کم دیکھتے ہیں
غم و درد و رنج و الم دیکھتے ہیں
محبّت دکھاتی ہے، ہم دیکھتے ہیں
کہاں تیرے جلوے؟ کہاں اپنی نظریں؟
غنیمت ہے، جو کوئی دم دیکھتے ہیں
وہ کیا دیکھ سکتے ہیں اپنی ادائیں،
ہمیں دیکھتے ہیں، جو ہم دیکھتے ہیں
ہماری نظر سے بھی سمجھو تو جانیں
بہت بے نیازانہ ہم دیکھتے ہیں
نگاہِ محبّت، دکھاتی ہے سب کچھ
نہ تم دیکھتے ہو، نہ ہم دیکھتے ہیں
غنیمت تھا، حرمانِ اُمّید افزا
سو، یہ حال بھی اب تو کم دیکھتے ہیں
نہ جانے محبّت ہے کیا چیز؟ لیکن بڑی ہی محبّت سے ہم دیکھتے ہیں

○

جمالِ رنگ و بو تک حُسن کی دنیا سمجھتے ہیں
جو صرف اتنا سمجھتے ہیں، وہ آخر کیا سمجھتے ہیں

کمالِ تشنگی ہی سے بجھا لیتے ہیں پیاس اپنی
اسی تپتے ہوئے صحرا کو ہم دریا سمجھتے ہیں

سمجھنے دے انھیں، اے غیرتِ جذبِ طلب ظالم!
جہاں تک جانتے ہیں، خود کو وہ اپنا سمجھتے ہیں

ہم اُن کا عشق کیسا؟ اُن کے غم کے بھی نہیں قابل
یہ اُن کی مہربانی ہے کہ وہ اپنا سمجھتے ہیں

ہمیں ہیں عشق کے مارے ہمیں ہیں پیاسے نظر اُن کی
ہمیں اپنا بنایا ہے، ہمیں اپنا سمجھتے ہیں

محبت میں نہیں سیرِ مناظر کی ہمیں پروا
ہم اپنے ہر نفس کو اک نئی دنیا سمجھتے ہیں

نگاہِ شوق ہی کچھ جانتی ہے رازِ مستوری
وہ خود جلوہ ہے اُن کا سب جسے پردا سمجھتے ہیں

اشاروں میں لٹا دیتے ہیں دولت دین و دنیا کی
مگر اپنی محبت کو وہ صرف اپنا سمجھتے ہیں

مے و مینا کے پردے اُن کو دھوکا دے نہیں سکتے
ازل کے دن سے جو رازِ مے و مینا سمجھتے ہیں

خبر اس کی نہیں انجام کارانِ محبت کو
اُسی کو دکھ بھی دیتے ہیں جسے اپنا سمجھتے ہیں

فضائے نجد ہو، یا قیسِ عامر، اے جگر! ہم تو
یہ جو کچھ ہے اسے عکسِ رخِ لیلا سمجھتے ہیں

(مشاعرہ الٰہ آباد)

○

رند جو مجھ کو سمجھتے ہیں انھیں ہوش نہیں میکدہ ساز ہوں میں میکدہ بر دوش نہیں

کون سا جلوہ یہاں آتے ہی بیہوش نہیں؟ دل مرا دل ہے کوئی ساغرِ سرجوش نہیں

پاؤں اُٹھ سکتے نہیں منزلِ جاناں کے خلاف اور اگر ہوش کی پوچھو تو مجھے ہوش نہیں

حُسن سے عشق جُدا ہے نہ جدا عشق سے حسن کونسی شے ہے؟ جو آغوش در آغوش نہیں

مٹ چکے ذہن سے سب یادِ گزشتہ کے نقوش پھر بھی اک چیز ہے ایسی کہ فراموش نہیں

ایک گوشے میں سمٹ آئے ہیں دونوں عالم میرا دامن ہے کسی اور کا آغوش نہیں

اب تو تاثیرِ غمِ عشق یہاں تک پہنچی کہ اِدھر ہوش اگر ہے تو اُدھر ہوش نہیں

زیست ہے جو رگ رگ میں رواں ہو مئے عشق موت ہے موت اگر رقص نہیں جوش نہیں

کبھی اُن مدبھری آنکھوں سے پیا تھا اک جام آج تک ہوش نہیں، ہوش نہیں، ہوش نہیں

عشق اگر حُسن کے جلووں کا ہے مرہونِ کرم حسن بھی عشق کے احسان سے سبکدوش نہیں

اپنے ہی حسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہوں میرے آغوش کو اب حسرتِ آغوش نہیں

محوِ تسبیح[1] تو سب ہیں مگر ادراک کہاں زندگی خود ہی عبادت ہے مگر ہوش نہیں

مل کے اک بار گیا ہے کوئی جس دن سے جگر
مجھ کو یہ وہم ہے جیسے مرا آغوش نہیں (مشاعرہ مرادآباد)

---

[1] اگر میرا نفس مجھ کو دھوکا نہیں دیتا تو یہ شعر خالص الہامی ہے۔ آیۃ "یسبح للہ ما فی السمٰوٰت و ما فی الارض" اکثر میرے پیشِ فکر نظر رہا کرتی تھی۔ خیال یہ ہوتا تھا کہ یقیناً ایسا ہی ہے۔ لیکن پھر ہمیں مزید تکلیف تسبیح و تہلیل و عبادت کیوں دی گئی۔ ایک دن جمعہ کی نماز میں شریک تھا کہ بے قصد و بے ارادہ یہ شعر نازل ہوا اور اسی دن سے مجھے بہت تسکین حاصل ہو گئی۔ جگر

○

مر کے بھی کب تک نگاہِ شوق کو رسوا کریں؟　　زندگی تجھکو کہاں پھینک آئیں آخر کیا کریں؟
جذبِ دل ممکن نہیں تو چشمِ دل ہی وا کریں　　وہ ہمیں دیکھیں نہ دیکھیں ہم انھیں دیکھا کریں
اے میں قرباں مل گیا عرضِ محبّت کا صلہ　　ہاں اسی انداز سے کہدو "تو پھر ہم کیا کریں"
دیکھئے، کیا شور اٹھتا ہے حریمِ ناز سے　　سامنے آئینہ رکھ کر خود کو اک سجدا کریں
ہائے یہ مجبوریاں، محرومیاں، ناکامیاں　　عشق آخر عشق ہے تم کیا کرو؟ ہم کیا کریں
عشق خود اپنی جگہ عینِ حقیقت ہے جگر
عشق ہی میں کیوں نہ شانِ دلبری پیدا کریں

○

عشق کی بڑھنے تو دو بربادیاں　　کام آئیں گی یہ صحرا زادیاں
اللہ اللہ اعتباراتِ نظر　　اور پھر ان سب کی بے بنیادیاں
حسن کو تھی جب تری خود آرزو　　یاد کر اے عشق! وہ آزادیاں
کشورِ دل ہی میں گھٹ کر رہ گئیں　　کیسی کیسی نازنیں شہزادیاں
عشق خود کرتا ہے اعلانِ شکست
حُسن کو دیجے مبارکبادیاں [1]

---

[1] "مبارک باد" صحیح ہے۔ مبارک بادی کو غلط کہا جاتا ہے لیکن داغ مرحوم نے لکھا ہے اور یہ سند کافی ہے۔ جگر

○

جب اپنا اپنا غم احباب سے احباب کہتے ہیں
بہت بیتاب سنتے ہیں بہت بیتاب کہتے ہیں [1]

محبت بہتی گنگا ہے نہالے جس کا جی چاہے
نہ بے پایاں بتاتے ہیں نہ ہم پایاب کہتے ہیں

زمانے بھر کی دولت کو غمِ جاناں سے کیا نسبت
یہی نعمت ہے وہ نعمت جسے نایاب کہتے ہیں

عطا کر اے جمالِ حسن! وہ داغِ محبت بھی
زبانِ عشق میں جس کو گلِ شاداب کہتے ہیں

عبادت گاہِ جانِ عاشقاں کا پوچھنا ہی کیا
خمِ ابروئے جاناں کو خمِ محراب کہتے ہیں

اسی صورت سُنا دیتے ہیں ان کو واردات اپنی
کہ جیسے ہم کسی کی داستانِ خواب کہتے ہیں

الٰہی آگ ہی لگ جائے تاثیرِ محبت کو
وہ آج اپنا بھی غم با دیدۂ پُر آب کہتے ہیں

محبت جن کی ایک اک موج میں لہریں نہ لیتی ہو
ہم ایسے آنسوؤں کو گوہرِ بے آب کہتے ہیں

ہمارا بھی زمانہ تھا کبھی اے عشق سنتے ہیں
ہمارے پاس بھی تھا اک دلِ بیتاب کہتے ہیں

محبت کی ہر اک موج بلا ہے بحرِ بے پایاں
خوشا وہ اہلِ ہمت پھر بھی جو پایاب کہتے ہیں

کبھی پانی بھی جن آنکھوں کے ماروں نے نہیں مانگا
انھی آنکھوں کے ماروں کو جگر سیراب کہتے ہیں

---

[1] دونوں جگہ بیتاب بانہ کے مفہوم میں کہا گیا ہے جو غالباً نہیں بلکہ یقیناً غلط ہے لیکن مجھے یہاں اپنی غلطی پر اصرار ہے۔ — جگر

○

اللہ اللہ عشق کی رعنائیاں
حسن خود لینے لگا انگڑائیاں

ہائے وہ غم کی کرم فرمائیاں
بھیگی راتیں اور وہ تنہائیاں

عشق ہے ہر موئے تن سے نغمہ زن
بج رہی ہیں ہر طرف شہنائیاں

کوئی دیکھے تو حریمِ شوق میں
خلوتوں کی انجمن آرائیاں

یادِ ظالم کو تم اپنی روک لو
لوٹے لیتی ہے مری تنہائیاں

دل کی چوٹیں اُبھری آتی ہیں تمام
عشق کی چلنے لگیں پُروائیاں

حسن کی چالیں تو حربے بن گئیں
بڑھتے بڑھتے عشق کی رسوائیاں

سامنے جیسے ہیں وہ خود جلوہ گر
اللہ اللہ یہ حجاب آرائیاں

خود بڑھے آتے ہیں وہ میری طرف
کوئی دیکھے تو مری پسپائیاں

اب کہاں انساں، جسے انساں کہیں
چلتی پھرتی دیکھ لو پرچھائیاں

غیر تو غیر، اپنے سائے سے بھی رم
دیکھنا اس دل کی وحشت زائیاں

حسن بھی ہے عشق بھی ہے جلوہ گر
ایک دل اور اس کی یہ پہنائیاں

کون پہنچا، تا فرازِ بامِ حسن؟
کس نے دیکھیں عشق کی گہرائیاں

رہ گئی رکھی ہی عقلِ پختہ کار
عشق کے کام آ گئیں خود رائیاں

حسن کے بھی ڈگمگاتے ہیں قدم
عشق کرتا ہے جہاں دارائیاں

یاد ہے اب تک جگر آغازِ عشق
شب ہمہ شب وہ خیال آرائیاں

(مین پوری)

نگاہوں کا مرکز بنا جا رہا ہوں
محبت[1] کے ہاتھوں لُٹا جا رہا ہوں

میں قطرہ ہوں لیکن بہ آغوشِ دریا
دو عالم پہ چھایا چلا جا رہا ہوں

وہی حُسن جس کے ہیں یہ سب مظاہر
اسی حسن میں حل ہوا جا رہا ہوں

یہ کس کی طرف سے یہ کس کی طرف کو
میں ہم دوشِ موجِ فنا جا رہا ہوں

نہ جانے کہاں سے نہ جانے کدھر کو
بس اک اپنی دھن میں اُڑا جا رہا ہوں

مجھے روک سکتا ہو کوئی تو روکے
کہ چھپ کر نہیں، برملا جا رہا ہوں

مرے پاس آؤ، یہ کیا سامنے ہوں
مری سمت دیکھو، یہ کیا جا رہا ہوں

تری مست نظریں غضب ڈھا رہی ہیں
یہ عالم ہے جیسے اُڑا جا رہا ہوں

کدھر ہے تو اے غیرتِ حُسن خود بیں!
محبت کے ہاتھوں بکا جا رہا ہوں

نہ ادراکِ ہستی، نہ احساسِ مستی،
جدھر چل پڑا ہوں چلا جا رہا ہوں

نہ صورت نہ معنیٰ، نہ پیدا نہ پنہاں
یہ کس حسن میں گم ہوا جا رہا ہوں

---

[1] یہ مطلع معنوی حیثیت سے خاص توجہ کا محتاج ہے نسائی جمال کے لئے میں پردہ بہت ضروری اس اعتبار پر سمجھتا ہوں کہ سائنٹیفک لحاظ سے نگاہ حسن کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتی خصوصیت کے ساتھ مصور کی نگاہ جو صاحبِ تصویر سے کوئی چیز نگاہ و توجہ کے ذریعے چھین کر نقوشِ مرئی کی شکل میں تبدیل کر دیتی ہے بجنور میں ایک خاص صحبت میں مجھے ایسا محسوس ہوا کہ تمام مجمع کی فکر و توجہ کا مرکز بن گیا ہوں اور ایک سخت قسم کا بوجھ محسوس کر رہا ہوں یہیں تک نہیں بلکہ درحقیقت مجمع کی فکر و نظر کوئی لطیف چیز مجھ سے چھین رہی ہے اسی عالم میں یہ مطلع کہا گیا۔ تمکین

○

عہدِ رنگیں کی یادگار ہوں میں یعنی اپنا ہی سوگوار ہوں میں

آہ کہ بیتابِ انتظار ہوں میں درد کی آخری پکار ہوں میں

ذرّۂ آستانِ یار ہوں میں صد مہ و مہر در کنار ہوں میں

میری ہستی کا واہ کیا کہنا تیری ہستی کا پردہ دار ہوں میں

نہ سہی تُو، ترا خیال تو ہے یوں بھی فردوس در کنار ہوں میں

اُف جواں مرگیاں محبّت کی ہائے کس کس کا سوگوار ہوں میں

نکہتِ گُل کا بھی دماغ نہیں کتنا آزردۂ بہار ہوں میں

وہ حقیقت ہے خود مری ہستی جس حقیقت کا پردہ دار ہوں میں

اللہ اللہ نزاکتیں میری اپنی خاطر پہ بھی تو بار ہوں میں

تجھ کو تکلیفِ صد نظر ہے ہے اپنے ہونے پہ شرمسار ہوں میں

مجھ کو رنگِ خزاں سمجھ کے نہ دیکھ

مژدۂ آمدِ بہار ہوں میں

(بلند شہر)

○

جو نہ کعبے میں ہے محدود نہ بتخانے میں　　ہائے وہ اور اک اجڑے ہوئے کاشانے میں

ملتی ہے عمرِ ابد عشق کے میخانے میں　　اے اجل تو بھی سما جا مرے پیمانے میں

ہم کہیں آتے ہیں واعظ ترے بہکانے میں　　اسی میخانے کی مٹی اسی میخانے میں

سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے میخانے میں　　خلد شیشے میں ہے فردوس ہے پیمانے میں

حرم و دیر میں رندوں کا ٹھکانا ہی نہ تھا　　وہ تو یہ کہیے اماں مل گئی میخانے میں

بام پر آ کے اٹھا دو رخِ تاباں سے نقاب　　اک اضافہ ہی سہی طور کے افسانے میں

آج تو کر دیا ساقی نے مجھے مستِ الست　　ڈال کر خاص نگاہیں مرے پیمانے میں

آج ساقی نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے　　کبھی میخانے سے باہر کبھی مے خانے میں

آپ دیکھیں تو سہی ربطِ محبت کیا ہے　　اپنا افسانہ ملا کر مرے افسانے میں

ہجرِ مے نے ترا اے شیخ بھرم کھول دیا　　تو تو مسجد میں ہے نیت تری میخانے میں

مشورے ہوتے ہیں جو شیخ و برہمن میں جگر
رند سن لیتے ہیں بیٹھے ہوئے میخانے میں

(مشاعرہ ایٹہ)

شاعرِ فطرت ہوں میں جب فکر فرماتا ہوں میں
روح بن کر ذرّے ذرّے میں سما جاتا ہوں میں

آ کہ تجھ بن اس طرح اے دوست گھبراتا ہوں میں
جیسے ہر شے میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں

جس قدر افسانۂ ہستی کو دُہراتا ہوں میں
اور بھی بیگانۂ ہستی ہوا جاتا ہوں میں

جب مکان و لامکاں سب سے گزر جاتا ہوں میں
اللہ اللہ تجھ کو خود اپنی جگہ پاتا ہوں میں

تیری صورت کا جو آئینہ اسے پاتا ہوں میں
اپنے دل پر آپ کیا کیا ناز فرماتا ہوں میں

یک بیک گھبرا کے جتنی دُور ہٹ آتا ہوں میں
اور بھی اُس شوخ کو نزدیک تر پاتا ہوں میں

میری ہستی شوقِ پیہم میری فطرت اضطراب
کوئی منزل ہو مگر گزرا چلا جاتا ہوں میں

ہائے ری مجبوریاں، ترکِ محبّت کیلئے
مجھ کو سمجھاتے ہیں وہ اور ان کو سمجھاتا ہوں میں

میری ہمت دیکھنا، میری طبیعت دیکھنا
جو سُلجھ جاتی ہے گتّھی پھر سے اُلجھاتا ہوں میں

حُسن کو کیا دشمنی ہے عشق کو کیا بَیر ہے
اپنے ہی قدموں کی خود ہی ٹھوکریں کھاتا ہوں میں

تا کجا یہ پردہ داری ہائے عشق و لافِ حُسن
ہاں سنبھل جائیں وہ عالم ہوش میں آتا ہوں میں

میری خاطر اب وہ تکلیفِ تجلّی کیوں کریں
اپنی گردِ شوق میں خود ہی چھپا جاتا ہوں میں

دل مجسّم شعر و نغمہ وہ سراپا رنگ و بو
کیا فضائیں ہیں کہ جن میں حل ہوا جاتا ہوں میں

واہ رے شوقِ شہادت کوچۂ قاتل کی طرف
گنگناتا، رقص کرتا، جھومتا جاتا ہوں میں

یا وہ صورت خود جہانِ رنگ و بو محکوم تھا
یا یہ عالم اپنے سائے سے دبا جاتا ہوں میں

دیکھنا اس عشق کی یہ طرفہ کاری دیکھنا
وہ جفا کرتے ہیں مجھ پر اور شرماتا ہوں میں

ایک دل ہے اور طوفانِ حوادث اے جگر
ایک شیشہ ہے کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوں میں

ترکِ غم کر [illegible] گے اب تک جگر
[illegible] کچھ نہ کچھ [illegible] ہوں میں

○

آئینہ رو برو ہے کچھ گنگنا رہے ہیں زلفیں سنور چکی ہیں قشقہ لگا رہے ہیں
کافر جمال والے کافر بنا رہے ہیں ایمان لانے والے ایمان لا رہے ہیں
جھونکے نفس نفس میں خوشبو کے آ رہے ہیں شاید وہ آج خود ہی تشریف لا رہے ہیں
شاعر ہے محوِ فطرت جذبات چھا رہے ہیں پیغام جا رہے ہیں پیغام آ رہے ہیں

ساون کی رین اندھیری تنہائیوں کا عالم
بھولے ہوئے فسانے سب یاد آ رہے ہیں

○

ہم ہوں اور آپ زیبِ محفل ہوں، ہر طرف آئینے مقابل ہوں،
ایک جانب برس رہے ہوں جمال اک طرف کچھ حجاب حائل ہوں
کیوں کنکھیوں سے وہ ہمیں دیکھیں جذبِ دل ہی کے جو نہ قائل ہوں
کیفِ احساسِ عشق ہی نہ رہے اس قدر پاس بھی نہ دو دل ہوں
زندگی جن کے ہر قدم پہ نثار، حیف اپنے وہ آپ قاتل ہوں

اب تو پہلو کا یہ تقاضا ہے
دل ہوں اور دو جہان کے دل ہوں

○

بیتاب ہے، بے خواب ہے معلوم نہیں کیوں — دل ماہیِ بے آب ہے معلوم نہیں کیوں

بے کیف مئے ناب ہے، معلوم نہیں کیوں — پھیکی شبِ مہتاب ہے، معلوم نہیں کیوں

ساقی نے جو بخشا تھا بصد لطف و باصرار — وہ جرعہ بھی زہراب ہے، معلوم نہیں کیوں

خلوت میں بھی جلوت میں بھی گھیرے ہوئے دل کو — اک شعلۂ بے تاب ہے، معلوم نہیں کیوں

بے نام سی اک یاد ہے کیا جانئے کس کی — بے وجہ تب و تاب ہے معلوم نہیں کیوں

کل تک یہی دنیا سبدِ گل تھی مگر آج — بے رنگ ہے بے آب ہے معلوم نہیں کیوں

اس پردۂ رنگیں پہ نظر آتا ہے جو کچھ — جیسے کہ یہ اک خواب ہے، معلوم نہیں کیوں

منہ تکتے ہیں تدبیر کوئی کر نہیں سکتے — شل ہمتِ احباب ہے، معلوم نہیں کیوں

جو ساز کہ خود نغمۂ عریاں تھا اسی کو — اندیشۂ مضراب ہے، معلوم نہیں کیوں

دل آج بھی سینے میں دھڑکتا تو ہے لیکن — کشتی سی تہِ آب ہے، معلوم نہیں کیوں

دیکھا تھا کبھی خواب سا معلوم نہیں کیا — ابتک اثرِ خواب ہے معلوم نہیں کیوں

محسوس یہ ہوتا ہے کہ ہر تازہ تغیر
میرے لئے بیتاب ہے معلوم نہیں کیوں

○

اوس پڑے بہار پر آگ لگے کنار میں
تم جو نہیں کنار میں خاک نہیں بہار میں

لطف ہے کیا ستم ہے کیا عالمِ اعتبار میں
فرصتِ ہوش ہی کسے عشق کی گیر و دار میں

راحتِ جانِ عاشقاں، کاہشِ انتظار میں،
عیشِ دلِ ستم کشاں، دردِ فراقِ یار میں

کون کرے یہ عرضِ غم جا کے حضورِ یار[1] میں
نشہ نہیں شراب میں جوش نہیں بہار میں

اس پہ کرے خدا ہی رحم عالمِ انتشار میں
اپنی تلاش چھوڑ کر جو ہے تلاشِ یار میں

اور تو کچھ کمی نہیں آپ کے اقتدار میں
آپ مجھے بھلا سکیں یہ نہیں اختیار میں

ہم کہیں جانے والے ہیں دامنِ عشق چھوڑ کر
زیست ترے دیار میں موت ترے جوار میں

---

[1] "حضورِ یار" اور "حضورِ یار میں" دونوں طرح صحیح ہے۔ جگر

راحتِ بے خلش اگر مل بھی گئی تو کیا مزا
تلخیٔ غم بھی چاہیئے بادۂ خوشگوار میں

غیرتِ دل بجا سہی، غیرتِ عشق کیا ہوئی
ہائے وہ کیفِ شبنمی دیدۂ اشکبار میں

آنکھ ترستی ہے تو کیا، روح پھڑکتی ہے تو کیا
دل کو تو مل گئی جگہ سایۂ زلفِ یار میں

دورِ غمِ فراق کی اتنی تو یاد ہے جگر
اور بھی اک صدا سی تھی درد کی ہر پکار میں

و

○

الٰہی! ایک دُعا ہے "اگر قبول نہ ہو" بہت غریب یہ دل ہے کبھی ملول نہ ہو
تجھے بھی شاق نہ ہو، شوق بھی ملول نہ ہو نظر قبول ہُوئی ہے، اثر قبول نہ ہو
دعائے مرگ تو مانگی ہے آج گھبرا کر میں کیا کروں گا جو یہ بھی اُسے قبول نہ ہو
کمالِ عشق! یہ توفیق چاہتا ہوں میں حصُولِ جلوہ باندازۂ حصول نہ ہو
جسے ہم اپنی محبّت کا زخم کہتے ہیں ترے ہی عارضِ رنگیں کا کوئی پھول نہ ہو
کسی کی خاطرِ نازک کا آگیا ہے خیال دعائیں مانگ رہا ہوں دعا قبول نہ ہو
جو تیرے ہجرِ میسّر کا راز فاش کرے تری جناب میں وہ دل کبھی قبول نہ ہو

کوئی گناہ نہیں، شوقِ دید و ذوقِ نظر
جُز اینکہ فرصتِ نظارگی کو طول نہ ہو

(سیہور بھوپال)

○

ستم ہو، قہر ہو، آفت، بلا ہو یہ سب کچھ ہو، مگر پھر دل ربا ہو
کسی کے غم میں کوئی رو رہا ہو کوئی پردے سے چھپ کر دیکھتا ہو

بتاؤ، کیا تمہارے دل پہ گزرے
اگر کوئی تمھیں سا بے وفا ہو

○

حُسن کے ہاتھ میں گر عشق کی تلوار نہ ہو
کوئی یوں جھوم کے سر دینے کو تیار نہ ہو

وصل شایاں نہ رہے ہجر سزاوار نہ ہو
میں کہیں کا نہ رہوں تو جو طرفدار نہ ہو

میں خطاکار، سیہ کار، گنہگار، مگر
کس کو بخشے تری رحمت جو گنہگار نہ ہو

مجھ کو سب کچھ دیا اک بُت نے مگر یہ کہہ کر
تجھ کو اللہ کرے، کچھ بھی سزاوار نہ ہو

میں چلوں عشق میں وہ راہ جو ہو سب سے الگ
کچھ سجھائی بھی نہ دے، سطح بھی ہموار نہ ہو

آتشِ شوق جو بھڑکی ہے بھڑکتی ہی رہے
مجھ کو اللہ کرے تو بھی سزاوار نہ ہو

(غالبؔا الہ آباد)

۵

○

اک رند ہے اور مدحتِ سلطانِ مدینہ! ہاں کوئی نظر، رحمتِ سلطانِ مدینہ!

تو صبحِ ازل، آئینۂ حُسنِ ازل بھی اے صلِّ علیٰ، صورتِ سلطانِ مدینہ!

دامانِ نظر تنگ و فراوانیِ جلوہ اے طلعتِ حق، طلعتِ سلطانِ مدینہ!

اے خاکِ مدینہ تری گلیوں کے تصدّق تو خلد ہے، تو جنّتِ سلطانِ مدینہ!

اس طرح کہ ہر سانس ہو مصروفِ عبادت دیکھوں میں درِ دولتِ سلطانِ مدینہ!

اک ننگِ غمِ عشق بھی ہے منتظرِ دید صدقے ترے اے صورتِ سلطانِ مدینہ!

کونین کا غم، یادِ خدا، وردِ شفاعت دولت ہے یہی دولتِ سلطانِ مدینہ!

اے عالمِ تکویں، ترے اسرار و حقیقت من جملہ یک آیتِ سلطانِ مدینہ!

ظاہر میں غریبُ الغربا[1]، پھر بھی یہ عالم شاہوں سے سوا سطوتِ سلطانِ مدینہ!

اس اُمّتِ عاصی سے نہ منہ پھیر خدایا، نازک ہے بہت غیرتِ سلطانِ مدینہ!

اے جانِ بلب آمدہ ہشیار، خبردار وہ سامنے ہیں حضرتِ سلطانِ مدینہ!

کچھ ہم کو نہیں کام جگرؔ اور کسی[2] سے
کافی ہے بس اک نسبتِ سلطانِ مدینہ

(مراد آباد مشاعرہ اجمیر شریف)

---

[1] غریب بمعنی مفلس صحیح نہیں لیکن زبان کے متعلق میرے نظریات بڑی حد تک مختلف ہیں۔ جگر
[2] پہلا مصرعہ سخت ناپسند ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ زبردستی کہا گیا ہے۔

○

میری نظروں میں ہے اک جانِ وفا کا نقشہ
کس نے دیکھا ہے؟ اس انداز و ادا کا نقشہ

عشق میں فرقت و قربت ہیں برابر دونوں
یہ قیامت کا سماں ہے، وہ بلا کا نقشہ

دل میں کچھ بھی نہیں اب کفرِ محبّت کے سوا
جم گیا ایک بُتِ ہوش ربا کا نقشہ

تو نے دیکھا ہی نہیں تجھ سے کہوں کیا زاہد!
ہائے اُن شوخ نگاہوں میں حیا کا نقشہ

دل ہسیّر ہو، تو کیا سیرِ دو عالم کی ہوس
اسی نقشے میں ہے کل ارض و سما کا نقشہ

دل میں جب درد اُٹھا، نور کا طوفاں بھی اُٹھا
کھنچ گیا سامنے اک برقِ ادا کا نقشہ

آج جھکتی نظر آتی ہے جبینِ کونین!
دیکھنا، یار کے نقشِ کفِ پا کا نقشہ

پاک رکھ، اشکِ ندامت سے بہر حال جگر
دیکھنا ہے انھیں آنکھوں سے خُدا کا نقشہ

مسلسل

"ایک واقعہ سے متعلق"

کیا کریں، بندگانِ محبوبی — عاشقی کی خدائیاں، توبہ

منزلِ عشق، اے خدا کی پناہ — ہر قدم کربلائیاں، توبہ

یادِ ایامِ شوق و عشق و جنوں — چرخ کی فتنہ زائیاں، توبہ

لطفِ بیگانگی معاذ اللہ — اس کی سادہ ادائیاں توبہ

حسن میں رقص کا سا اک عالم — شوق کی نے نوائیاں، توبہ

ہائے غمازیاں نگاہوں کی — اپنی بے دست و پائیاں[1]، توبہ

اُف وہ احساسِ حُسن، پہلے پہل — یک بیک کج ادائیاں، توبہ

اللہ اللہ عشق کی وہ جھجک — حُسن کی کہربائیاں، توبہ

اس کے دامن پہ دل کا جا پڑنا — ہم سے یہ بے وفائیاں، توبہ

غیظ سے ابروؤں پہ وہ شکنیں — دل پہ زور آزمائیاں، توبہ

نظروں نظروں میں کاوشِ سرِ بزم — دل ہی دل میں لڑائیاں، توبہ

سوزِ غم کی شکائتیں ہے ہے — دردِ دل کی دہائیاں، توبہ

---

[1] "بے دست و پا" جس مفہوم میں مستعمل ہے اس اعتبار پر میں نے اسے ایک لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس بنا پر مستند بنا لینا غلط نہیں سمجھتا۔ — جگر

برملا سخت رنجشیں باہم ۔۔۔ غائبانہ صفائیاں، توبہ
اپنے مطلب سے عشق کی چھیڑیں ۔۔۔ ظاہری بے وفائیاں، توبہ
حسن و توہینِ عشق، ہائے غضب ۔۔۔ اپنی وہ خود ستائیاں، توبہ
غیرتِ عشق، اے معاذ اللہ ۔۔۔ ایک دم بے وفائیاں، توبہ
شبنم آلود وہ حسیں آنکھیں ۔۔۔ رخ پہ اڑتی ہوائیاں، توبہ
اس کی غم التفاتیاں ہے ہے ۔۔۔ اپنی بے اعتنائیاں، توبہ
سرِ سودا کی شورشیں پیہم ۔۔۔ ہر طرف جگ ہنسائیاں، توبہ
رفتہ رفتہ، وہ بے پناہ سکوت ۔۔۔ سب سے ناآشنائیاں، توبہ
موت سے ہر نفس وہ راز و نیاز ۔۔۔ موت کی ہمنوائیاں، توبہ
ناگہاں آمد آمدِ محبوب، ۔۔۔ غم کی بے انتہائیاں، توبہ
یک بیک آنکھ چار ہو جانا ۔۔۔ دیر تک رونمائیاں، توبہ
نظروں نظروں میں سرگزشتِ فراق ۔۔۔ دونوں جانب دہائیاں، توبہ
حسن کی لہر پھر سے دوڑا کر ۔۔۔ اس کی معجز نمائیاں، توبہ
پھر وہی چشمِ مست وہ جام بدست ۔۔۔ پھر وہی نغمہ زائیاں، توبہ
پھر وہی لب، وہی تبسمِ ناز ۔۔۔ پھر وہی کج ادائیاں، توبہ

پھر وہ اک بیخودی کے عالم میں
مل کے باہم، جدائیاں، توبہ

کچھ نہ زمان و مکاں کچھ نہ سفید و سیاہ — اشہد ان لا الٰہ، اشہد ان لا الٰہ

کون تجھے پاسکے کس کی ہے تیری دستگاہ — عشق سو گم کردہ ہوش عقل سو گم کردہ راہ

دورِ ازل تا ابد یہ بھی کوئی سیر گاہ — فاصلۂ یک قدم، دائرۂ یک نگاہ

لالہ و نسرین و گل، انجم و خورشید و ماہ — یہ بھی مری رہ گزر، وہ بھی مری گردِ راہ

عشق نظر آفریں اور نظر معصیت — عشق تمنا نژاد اور تمنا گناہ

حاصلِ صد عرضِ غم مایۂ صد عرضِ شوق — اک ترنم سکوت، اک تبسم نگاہ

اس کے سوا اور کیا پیشکشِ حسنِ دوست — ایک دھڑکتا سا دل ایک لرزتی سی آہ

تو ہے خودی ناشناس تجھ کو خدا سے غرض — دیکھ تو لیکر ذرا آئینۂ مہر و ماہ

جانبِ مُلکِ حبیب پھر ہوں میں یوں گامزن — صبحِ ازل در نفس، شامِ ابد در نگاہ

اپنے ہی سائے سے چل بچ کے رہِ دوست میں — شوق سہی راہ نما، عشق سہی خضرِ راہ

چیر کے دیکھوں اگر سینۂ ہستیٔ عشق — توڑ کے رکھ دوں ابھی آئینۂ مہر و ماہ

اے کہ تو ناواقفِ مصلحتِ حسن و عشق — اے کہ تو نامحرمِ سرِّ ثواب و گناہ

درسِ حقیقت سمجھ، حاصلِ فرصت سمجھ — فرضِ محبت سمجھ، معصیتِ گاہ گاہ

میرا تخیل جگر طائرِ جبریلِ فکر
میرا تصور جگر بلبلِ عنقا نگاہ

○

دل کو مٹا کے عشق میں، دل کی طرف کبھی نہ دیکھ
ہو کے نثارِ زندگی، حاصلِ زندگی نہ دیکھ

تجھ کو خدا کا واسطہ تو مری زندگی نہ دیکھ
جس کی سحر بھی شام ہو اس کی سیہ شبی نہ دیکھ

ناصحِ کم نگاہ سے کون یہ کہہ کے سر کھپائے
رازِ شکستگی سمجھ، رنگِ شکستگی نہ دیکھ

کس لئے جان دیتے ہیں رند شرابِ ناب پہ
پوچھ نہ روز محتسب تھوڑی سی آج پی نہ دیکھ

ہو کے رہے گا ہم نوا وہ بھی ترے ہی ساتھ ساتھ
نغمۂ شوق گائے جا، حسن کی برہمی نہ دیکھ

عشق ادا شناسِ حسن، حسن ادا شناسِ عشق،
کام سے اپنے کام رکھ، بیخودی و خودی نہ دیکھ

یہ بھی تری طرح کہیں رخ سے نقاب اُلٹ نہ دے
حسن پہ اپنے رحم کر، عشق کی سادگی نہ دیکھ

فتنۂ روزگار میں ہے یہی رازِ عافیت
دل جسے چاہے دیکھنا، دیکھ جگرؔ وہی نہ دیکھ

○

عشق فنا کا نام ہے، عشق میں زندگی نہ دیکھ
جلوۂ آفتاب بن، ذرّے میں روشنی نہ دیکھ

شوق کو رہنما بنا، ہو جو چکا کبھی نہ دیکھ
آگ دبی ہوئی نکال، آگ بجھی ہوئی نہ دیکھ

یہ تو نہیں کہ آنکھ کو دعوتِ ماسوا نہ دے
ہاں مگر اس قدر کہ بس ایک ہی رخ کبھی نہ دیکھ

دل کی لگی بڑھائے جا، تیز قدم اُٹھائے جا
رخصتِ شوق کی قسم، فرصتِ زندگی نہ دیکھ

تُو ہی کمالِ عشق ہے، تو ہی کمالِ حُسن ہے
اپنے سوا کسی طرف آنکھ اُٹھا کے بھی نہ دیکھ

موت و حیات میں ہے صرف ایک قدم کا فاصلہ
اپنے کو زندگی بنا، جلوۂ زندگی نہ دیکھ

ہے یہی عین دوستی، اپنی طرف سے اے جگرؔ
دستِ کرم بڑھائے جا، غیر کی دشمنی نہ دیکھ

ی

○

دل میں اِک رشکِ حُور رہتا ہے
پاس رہتا ہے، دُور رہتا ہے

میں تو رکھوں ہزار پہلو میں
کب دلِ ناصبُور رہتا ہے

ہو گیا کیا، مُریدِ مے زاہد؟
اب تو چہرے پہ نُور رہتا ہے

پُوچھتا ہے یہ اُن نگاہوں سے
عشق کیوں ناصبور رہتا ہے

چشمِ ساقی کی خیر ہو یا رب!
بے پیئے ہی سرور رہتا ہے

عشق مرنے پہ بھی نہیں مٹتا،
یہ تعلّق ضرور رہتا ہے

وُہی آہیں، وہی ہوں میں لیکن
اب دُھواں، دُور دُور رہتا ہے

(آگرہ مین پوری)

○

سُن، تو اے دل! یہ برہمی کیا ہے

آج، کچھ درد میں کمی کیا ہے؟

دیکھ لو! رنگِ رُوئے ناکامی،

یہ نہ پُوچھو!! کہ بیکسی کیا ہے؟

اپنی ناکامیِ طلب کی قسم،

عین دریا ہے تشنگی کیا ہے؟

جسم محدود، روح لامحدود

پھر، یہ اک ربطِ باہمی کیا ہے؟

اے فلک! اب تجھے تو دکھلا دوں،

زورِ بازوئے بیکسی کیا ہے؟

ہم نہیں جانتے محبت میں

رنج کیا چیز ہے؟ خوشی کیا ہے؟

اک نفس، خلد اک نفس، دوزخ

کوئی پُوچھے یہ زندگی کیا ہے؟

(لکھنؤ)

---

[1] مطلع میں میم مشدد طور پر استعمال ہوئی ہے اس سے دوسرے تمام اشعار میں اس کا لحاظ ضروری تھا لیکن کیا کروں کہ میری افتاد ان تغیّرات کو پسند نہیں کرتی۔ جگر

○

اک شوقِ دید بے حد، سب کچھ دکھا رہا ہے
کوئی نہ آ رہا ہے، کوئی نہ جا رہا ہے

غم، عشق کے خزینے، خوش خوش لٹا رہا ہے
اس ہاتھ کھو رہا ہے، اُس ہاتھ پا رہا ہے

آنکھیں بنی ہوئی ہیں مے خانۂ تصوّر
اک مست آ رہا ہے، اک مست جا رہا ہے

ہمدم کو اس سے مطلب؟ ناصح کو کیا شکایت
میرا مٹانے والا، مجھ کو مٹا رہا ہے

معراجِ شوق کہئے، یا حاصلِ تصوّر
جس سمت دیکھتا ہوں، تو مسکرا رہا ہے

منّت گزار ہوں میں، اے عشقِ ناشکیبا!
دل تیرے نشتروں سے تسکین پا رہا ہے

اُن کی وہ آمد آمد، اپنا یہاں یہ عالم
اک رنگ آ رہا ہے، اک رنگ جا رہا ہے

جب حُسن و عشق دونوں رویا کریں گے مجکو
وہ بھی جب گریۂ نا آ ... نزدیک آ رہا ہے

○

اُسے حال و قال سے واسطہ، نہ غرض مقام و قیام سے
جسے کوئی نسبتِ خاص ہو ترے حُسنِ برق خرام سے

مجھے دے رہے ہیں تسلّیاں، وہ ہر ایک تازہ پیام سے
کبھی آ کے منظرِ عام پر، کبھی ہٹ کے منظرِ عام سے

کہوں کیا؟ رہا جو مقابلہ، خطراتِ گام بہ گام سے
سرِ بامِ عشق تمام تک، رہِ شوقِ نیم تمام سے

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ، مجھے کام اپنے ہی کام سے
ترے ذکر سے، تری فکر سے، تری یاد سے، ترے نام سے

مرے ساقیا! مرے ساقیا!! تجھے مرحبا، تجھے مرحبا
تو پلائے جا، تو پلائے جا اسی چشمِ جام بہ جام سے

تری صبحِ عیش ہے کیا بلا؟ تجھے اے فلک، جو ہو حوصلہ
کبھی کر لے آ کے مقابلہ، غمِ ہجرِ یار کی شام سے

مجھے یوں نہ خاک میں تو ملا، میں اگرچہ ہوں ترا نقشِ پا
ترے جلوے کی ہے بقا، مرے شوقِ نام بہ نام سے

تری چشمِ مست[1] کو کیا کہوں کہ نظر نظر ہے فسوں فسوں
یہ تمام ہوش، یہ سب جنوں، اسی ایک گردشِ جام سے

یہ کتابِ دل کی ہیں آیتیں، میں بتاؤں کیا؟ جو ہیں نسبتیں
مرے سجدہ ہائے دوام کو، ترے نقش ہائے خرام سے

مجھے چاہئے وہی ساقیا! جو برس چلے جو چھلک چلے
ترے حسنِ شیشہ بدست سے، تری چشمِ بادہ بہ جام سے

جو اُٹھا ہے درد اُٹھا کرے، کوئی خاک اُس سے گلہ کرے
جسے ضد ہو حُسن کے ذکر سے، جسے چڑ ہو عشق کے نام سے

وہیں چشمِ حور پھڑک گئی، ابھی پی نہ تھی کہ بہک گئی
کبھی یک بیک جو چھلک گئی کسی رندِ مست کے جام سے

تو ہزار عذر کرے مگر ہمیں تنگ ہے اور ہی کچھ جگر
ترے اضطرابِ نگاہ سے، تری احتیاطِ کلام سے،

(مشاعرہ سندیلہ لکھنؤ)

---

[1] تمام شعرا نے عام طور سے محبوب کی آنکھ سے مستی و بیخودی، کفر و ظلمت کا فائدہ حاصل کیا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ اور وہ بھی تشبیہاً صبح و شام یا گردشِ روزگار کا ذکر کیا ہے لیکن اس ذیل میں "ہوش" کا قاعدہ کہیں بھی نہیں اُٹھایا گیا ہے۔ حالانکہ آنکھ میں سیاہی بھی ہوتی ہے اور سفیدی بھی یعنی آنکھ سے رندی و سیاہ مستی، بیخودی و دیوانگی پیدا ہو سکتی ہے تو ہوش و خرد کیوں نہ حاصل کئے جائیں۔
(امی، ہلاہل، مدبھرے، سویت، شیام۔ رتنار۔ جیت۔ مرت۔ جھک جھک۔ پرت۔ رجتپوت ایک بار)

اب مرے سامنے ٹھہرے تو گلستاں کوئی — ہو چلا ہے مری صورت سے نمایاں کوئی

چھپ کے رہتا ہے کہیں رازِ گلستاں کوئی — غنچے غنچے کی زباں سے ہے گل افشاں کوئی

اب اسے وصل ہے، یا غمِ ہجراں کوئی — پردۂ یاس میں ہے سلسلہ جنباں کوئی

اس طرح آج ہے محسوس رگِ جاں کوئی — ایک اک سانس میں، جیسے ہو خراماں کوئی

خیر ہے آپ نے کیوں غیظ میں تیور بدلے — اپنی ناکام محبت پہ ہے نازاں کوئی

کیا وہ نظروں کا مری حسن تلاطم سمجھے — جس نے دیکھا ہی نہ ہو جلوۂ رقصاں کوئی

چشمِ دیوانگیٔ شوق! یہاں بھی نہ کھلی — عرصۂ حشر ہے اور مست غزلخواں کوئی

عشق بھی رنگِ تعین کا اٹھا دے پردہ — سامنے آئے تو بے قید رگِ جاں کوئی

بے حقیقت نہ سمجھ! ناصحِ ناداں! ان کو — انہی آنکھوں میں نہ ہو حسن کا طوفاں کوئی

شوق نے توڑ دیئے وہ بھی جو باقی تھے قیود — لوٹ لے آ کے، بہارِ چمنِ جاں کوئی

اور کیا چاہتی ہے؟ بلبلِ شوریدہ مزاج! — پردۂ گل میں ہے خود چاک گریباں کوئی

یک بیک سامنے آیا نہ کرو، بے پردہ — لے کے اڑ جائے نہ یہ عالمِ امکاں کوئی

نگہِ یار کے مخصوص اشاروں کے سوا — مذہبِ عشق میں ہے کفر نہ ایماں کوئی

غنچے اس کے ہیں گل اس کے ہیں بہاریں اسکی — خون سے اپنے بنائے جو گلستاں کوئی

اللہ اللہ مرے جوشِ جنوں کی لہریں — نظر آ جاتا ہے جب چاکِ گریباں کوئی

چاہیئے تیرے تصور سے بھی ایسے میں گریز — کیوں کرے تجھ کو، شریکِ غمِ ہجراں کوئی

ہائے وہ حسن کا انداز، کہ جس وقت جگر — عشق کے بھیس میں ہوتا ہے نمایاں کوئی

○

نظر فروز ہے، سامعہ نواز رہے
نہ ہے مجاز، کہ وہ زینتِ مجاز رہے

کہاں جمالِ حقیقت؟ کدھر مجاز رہے؟
جو تیرے رُخ پہ نہ حائل حجابِ ناز رہے

ہمیں وہ اب ہیں جو کھوئے ہوئے سے پھرتے ہیں
ہمیں وہ تھے کہ ترے رازدارِ راز رہے

نفس کے پردے میں بھی ہے اُسی کا عکسِ جمال
بہت نہ سوزِ محبّت نفس گداز رہے

کُھلا یہ راز تری جلوہ گاہِ قربت میں
جو تجھ سے دور رہے آشنائے راز رہے

جبینِ سجدہ میں ایسی کبھی تڑپ تو نہ تھی
وہ آج خود بھی مگر شاملِ نماز رہے

ترے سوا، تری محفل سے کیا غرض مجکو
خروشِ نغمہ رہے یا سکوتِ ساز رہے

تری امانتِ غم کا تو حق ادا کر لوں
خدا کرے شبِ فرقت ابھی دراز رہے

ترے بغیر، تو جینا روا نہیں لیکن
میں کیا کروں؟ جو ترا غم ہی جاں نواز رہے

جراحتیں دلِ بسمل کی روح تک پہنچیں
درازیٔ دستِ قاتل ابھی دراز رہے

یہ حکمِ خاص ہے ساقی کا آج محفل میں
جگر سا ایک بھی کافر نہ پاکباز رہے

(مشاعرہ مین پوری)

○

کچھ اس طرح وہ پسِ پردہ مجاز رہے
حجابِ ساز میں جیسے نوائے ساز رہے

نہ کوئی راز رہا ہے، نہ کوئی راز رہے
نفس نفس میں، وہ خود ہی جو نغمہ نواز رہے

تری نگہ، جو اسی طرح گرمِ ناز رہے
بشر تو کیا، نہ فرشتہ بھی پاکباز رہے

خطا معاف، کسی اور کا تو ذکر ہی کیا
نیاز مند ترے تجھ سے بے نیاز رہے

جنونِ سجدہ کو کیا اہلِ ہوش سے مطلب؟
ترا خیال بھی کیوں شاملِ نماز رہے

یہاں تو کام ہے اک نشترِ توجہ سے
نگاہِ قہر رہے یا نگاہِ ناز رہے

محبت اصلِ حقیقت، محبت اصلِ مجاز
وہ کم نظر تھے جو بیگانۂ مجاز رہے

جبین و سجدے کی توہین ہے جبیں سائی
جبین و سجدے میں کچھ بھی جو امتیاز رہے

ترے نثار، عطا کر، وہ اک لطیف خلش
تمام عمرِ محبت کو جس پہ ناز رہے

ق

نگاہِ ناز سے چھلکا رہا ہے مے کوئی
وہ پاکباز نہیں، اب جو پاکباز رہے

زمانہ آج ہی غرقِ شراب تھا زاہد!
کچھ اور دیر جو وہ چشمِ نیم باز رہے

دکھاؤں عشق کی خود داریاں جگر میں بھی
جو ایک بات پہ قائم غرورِ ناز رہے

(مشاعرہ مین پوری)

مُسلسل

ملا کے آنکھ نہ محرومِ ناز رہنے دے
تجھے قسم، جو مجھے پاکباز رہنے دے

میں اپنی جان تو قربان کر چکوں تجھ پر
یہ چشمِ مست ابھی نیم باز رہنے دے

ترے ہی شیوۂ عاشق کشی کی تجھ کو قسم
اسی طرح مژہ ہائے دراز رہنے دے

ہٹا نہ سینۂ عاشق سے رُخ کسی جانب
نگاہِ ناز کو نشتر نواز رہنے دے

گلے سے تیغِ ادا کو جُدا نہ کر قاتل!
ابھی یہ منظرِ راز و نیاز رہنے دے

یہ تیرِ ناز ہیں، تو شوق سے چلائے جا
خیالِ خاطرِ اہلِ نیاز رہنے دے

قتیلِ غمزۂ خوں ریز ہوں قصور معاف
اشارۂ نگہِ دل نواز رہنے دے

بُجھا نہ آتشِ پنہاں کرم کے چھینٹوں سے
دلِ جگر کو مجسم گداز رہنے دے

(دین پوری)

غیر مسلسل

مجھے ہلاکِ فریبِ مجاز رہنے دے — نہ چھیڑ، او نگہِ امتیاز رہنے دے

یہ جان آج نکلتی ہے جس کے قدموں پر — خدا کرے سرِ دامانِ ناز رہنے دے

میں رازِ عشق کو بیگانۂ جہاں رکھوں — اگر جو مصلحتِ حسن راز رہنے دے

خدا نے دی ہے یہ نعمت تو رکھ اسے عیب تے — غرورِ حسن کو، تا حدِ ناز رہنے دے

یہ بات کیا، کہ حقیقت وہی مجاز وہی — مجاز ہے، تو پھر اس کو مجاز رہنے دے

یہ جان ایک بلانوش کی ہے اے ساقی! — نہ پھینک دُردِ مے خانہ ساز رہنے دے

یہ خانقاہ نہیں پی بھی جا اے زاہد! — یہ میکدہ ہے یہاں احتراز رہنے دے

ازل سے حسن تو عاشق نواز ہے لیکن — جو عشق ہی اسے عاشق نواز رہنے دے

اسے نہ آئینہ سمجھو وہ اور ہی شے ہے — جس آئینے کو خود آئینہ ساز رہنے دے

لٹا دے، دولتِ کونین اور میرے لئے — بس، اک تبسمِ عاجز نواز رہنے دے

گزرتی ہے جو دلِ عشق پہ نہ پوچھ جگر

یہ خاص رازِ محبت ہے راز رہنے دے

کیا خاک سیر کیجے، دنیائے رنگ و بُو کی مُہلت نہ آرزو کی، فُرصت نہ جستجو کی

یہ حدِّ آخری ہے، عاشق کی جستجو کی بن بن کے مٹ رہی ہے ہر شکل آرزو کی

تم دل اُسے سمجھ لو یا جان آرزو کی سینے میں اب ہے پہلے اک بوند تھی لہو کی

اللہ! شرم رکھ لے تو میرے جنگ جُو کی آئینہ رو برو ہے، چوٹیں ہیں دو بدو کی

تو وہ بہارِ تازہ، دنیائے رنگ و بُو کی ایک بار جس نے دیکھا، تا حشر آرزو کی

طے منزلیں ہوتی ہیں یوں عشق و آرزو کی کچھ میں نے جستجو کی، کچھ اُس نے جستجو کی

یہ ترکِ جستجو بھی، کیا ترکِ جستجو ہے اس میں بھی پا رہا ہوں اک شان جستجو کی

پھر دلنوازیاں ہیں، پھر چارہ سازیاں ہیں پہچانتا ہوں نظریں اُس شوخ فتنہ جو کی

ہاں نشترِ نوازش! اک اور بھی اشارہ محسوس ہو چلی ہے جُنبش رگِ گلو کی

مایوس ہو کے پلٹیں جب ہر طرف سے نظریں دل ہی کو بُت بنایا، دل ہی سے گفتگو کی

ناکامِ جستجو سب فریاد کر رہے ہیں اے کاش کوئی سنتا فریادِ جستجو کی

وہ ایک گوشۂ دل جس میں تھے چند شکوے میں نے بہت چھپایا، اُس کی نظر نہ چُوکی

عالم سے چھپنے والے! معلوم تیرا چھپنا سو بار تجھ کو دیکھا، سو بار گفتگو کی

پردہ جب اُٹھ گیا ہے، دیکھا یہی ہے اکثر اپنی ہی آرزو میں، اپنی ہی جستجو کی

مجرم بنا ہوا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں میں وہ ہوں تو نے ظالم! خود جس کی آرزو کی

راتیں گزارتے ہیں یوں یکساں فرقت جب دل کو آ چلا غش تاروں سے گفتگو کی

دل خود بھی تنگ ہے اب لیکن علاج اس کا　　عادت سی پڑگئی ہے ظالم کو جستجو کی
عینِ شکستگی ہی حسنِ شکستگی ہے　　چاکِ قبائے گل کو حاجت نہیں رفو کی

تُو خوب جانتا ہے او جانِ دل کے مالک
ہر حال میں جگرؔ نے تیری ہی آرزو کی

○

حال بھی، ماورائے حال بھی ہے　　عشق ممکن بھی ہے، محال بھی ہے
پھر بھی تجھ سے ہزار شکوے ہیں　　جانتا ہوں، مرا خیال بھی ہے
کرتے جاتے ہیں صاف عذرِ کرم　　اور پھر پرسشِ ملال بھی ہے
دل کے ہر اضطرابِ نازک میں　　شانِ بیتابیٔ جمال بھی ہے
ہر ستم ہے کرم کے پردے میں　　اس ستم کی کوئی مثال بھی ہے
رہ گئے محوِ یک نظر ہو کر　　اب کسے فرصتِ خیال بھی ہے
چھائے جاتے ہیں، دردِ دل بن کر　　اُس پہ تاکیدِ ضبطِ حال بھی ہے
حسن کے ہر جمال میں پنہاں　　میری رعنائیٔ خیال بھی ہے
دل کو برباد کر کے بیٹھا ہوں　　کچھ خوشی بھی ہے کچھ ملال بھی ہے

لاکھ رسوا سہی جگرؔ لیکن
خوش نظر بھی ہے خوش خیال بھی ہے

یہ مے کشی ہے تو پھر شانِ مے کشی کیا ہے
بہک نہ جائیے چوپی کر، وہ رند ہی کیا ہے؟

بس ایک سمت اڑا جا رہا ہوں وحشت میں
خبر نہیں کہ خودی کیا ہے؟ بیخودی کیا ہے؟

میں زہرِ مرگ گوارا کروں؟ کہ تلخیِ زیست
مری خوشی تو ہے سب کچھ، تری خوشی کیا ہے؟

لبوں پہ موجِ تبسم، نگہ میں برقِ غضب
کوئی بتائیے؟ یہ اندازِ برہمی کیا ہے؟

کسے مجال، کہ افشائے رازِ یار کرے
یہ زندگی ہی سے سمجھو، کہ زندگی کیا ہے؟

ستم کشانِ محبت سے کوئی پوچھے تو
اُمید پہ ہے بھروسہ، اُمید ہی کیا ہے؟

کہاں کی خانقہ و مسجد و کنشت و بہشت
فقیر ہوں، مرے ساقی کے گھر کمی کیا ہے؟

یہ درس میں نے لیا مکتبِ محبت سے
کسی طرح جو بہل جائے زندگی کیا ہے؟

اُسی کی واسطے بھی ہے میکشی بھی جگرؔ ! خبر نہیں جسے، کیا ہے؟ میکشی کیا ہے؟

○

شائستۂ غرورِ تمنا نہ کیجیے — ایسی نگاہ سے مجھے دیکھا نہ کیجیے

تسکینِ مضطرب کا مداوا نہ کیجیے — وعدہ تو کیجیے مگر ایفا نہ کیجیے

محدودِ وصل شوق کی دُنیا نہ کیجیے — مر جائیے یہ ننگ گوارا نہ کیجیے

رعنائیِ خیال کو رسوا نہ کیجیے — ممکن بھی ہو تو عرضِ تمنا نہ کیجیے

کیا جانیے، کب آہ کی تاثیر جاگ اُٹھے — گہری نگاہ سے مجھے دیکھا نہ کیجیے

کافی ہے اِک نگاہِ کرم، التجا کے بعد — تازہ کوئی فسونِ تماشا نہ کیجیے

موسیٰ کی طرح، کون سُنے لن ترانیاں — بے عیب ہے جو حُسن، تو پردا نہ کیجیے

یا دیکھ کر نہ دیکھیے کچھ ماسوائے دوست — یا، دیکھنے کی طرح سے دیکھا نہ کیجیے

دیوانہ کر کے، دیجیے پھر مجھ کو اذنِ ہوش — ہشیار کر کے، پھر مجھے دیوانہ کیجیے

تاثیرِ شوق، یاس کا پردہ اُلٹ نہ دے — اتنے قریب سے مجھے دیکھا نہ کیجیے

ہر جلوہ ہے بجائے خود اک دعوتِ نگاہ — کیا کیجیے، جو تیری تمنا نہ کیجیے

یوں چشمِ شوق، دیکھ ہی لیتی ہے کچھ نہ کچھ — پردے کا ہے خیال، تو پردا نہ کیجیے

تفسیرِ عشق و حُسن جگر مصلحت نہیں
افشائے رازِ قطرہ و دریا نہ کیجیے

(مین پوری و جھانسی)

○

محبت میں جدھر دیکھو بہارِ جاودانی ہے
ہجومِ رنگ و بو ہے حسنِ نغمہ ہے جوانی ہے

جنونِ عشق میں حاصل یہ لطفِ زندگانی ہے
نظر کو دل سے اور دل کو نظر سے بدگمانی ہے

ترے سر کی قسم تجھ سا ہی اک محبوبِ ثانی ہے
یہی نقشہ یہی انداز، ایسی ہی جوانی ہے

خدایا! خیر کرنا، نبضِ بیمارِ محبت کی
کئی دن سے بہت برہم مزاجِ ناتوانی ہے

کسی کو آج مجبورِ ترنم کر بھی دے اے دل!
بہت مدت ہوئی خاموش سازِ لن ترانی ہے

الٰہی! بھیج دے ایسے میں اس جانِ تمنا کو
سکوتِ شب کا سناٹا ہے اور دل کی کہانی ہے

تجھے اے عشق اپنے سینے سے لگاؤں و پیۂ دل سے
ترے ہر درد میں پنہاں، نشاطِ جاودانی ہے

یہ بتلا، اور کچھ تیرے سوا کونین میں ہے بھی؟
یہ مانا جو بھی ہے تیرے سوا اے دوست فانی ہے

نہ کر آلودۂ لفظ و بیاں شرحِ محبت کو
محبت ہی بجائے خود زبانِ بے زبانی ہے

ترے حسنِ حیات افروز کو دیکھا ہے جس دن سے
بہت مجھ کو عزیز اس دن سے اپنی زندگانی ہے

الٰہی شرم تیرے ہاتھ ہے آدابِ محفل کی
وہ نازک طبع مہماں ہے جنوں کی میہمانی ہے

لئے پھرتا ہوں اک تصویرِ حسرت اپنی آنکھوں میں
خدا بخشے، دلِ مرحوم کی زندہ نشانی ہے

انہیں آنسو سمجھ کر یوں نہ مٹی میں ملا ظالم!
پیامِ دردِ دل ہے اور آنکھوں کی زبانی ہے

ترے جورِ مسلسل کی قسم او پوچھنے والے!
جگرؔ کے حال پر تیرا کرم ہے مہربانی ہے

(جگر مین پوری)

○

جنونِ عشق کا اتنا تو حق ادا کرتے — تجھے بھی اپنی طرح عالم آشنا کرتے

حیات، درد سہی، پھر بھی آہ کیا کرتے — فنا کی چیز جو ہوتی، تو ہم فنا کرتے

تمام منظرِ ہستی کو ایک جا کرتے — پھر اپنی شرحِ محبت جُدا جُدا کرتے

محبت اصل حقیقت ہے، اس کو کیا کرتے؟ — ہم التجا جو نہ کرتے، وہ التجا کرتے

وہ ہنس رہے ہیں مرے حال پہ ہنسا کرتے — یہ بہہ رہے ہیں جو آنسو یونہی بہا کرتے

یہ کیا مجال کہ ہم ترکِ التجا کرتے — دہن کو سی بھی جو لیتے، نظر کو کیا کرتے

نمازِ عشق یہاں ہے نفس نفس جاری — کبھی ادا ہی نہ ہوتی، اگر قضا کرتے

یقیں کرو کہ تمہاری جگہ جو ہم ہوتے — محبتوں کے خزانے لٹا دیا کرتے

دل ایک شاہدِ معنی سہی، مگر پھر بھی — تمہارے سامنے ہم بے نقاب کیا کرتے

حجاب نے انہیں رکھا حجاب میں ورنہ — جب آتے سامنے، اپنا ہی سامنا کرتے

وہ عرضِ شوق پہ اے کاش اور کچھ نہ سہی — نگاہ نیچی کیے مُسکرا دیا کرتے

نہ انتہا ہے، نہ کچھ ابتدا محبت کی — جو انتہا کوئی ہوتی، تو ابتدا کرتے

نہیں جو وصل میسر، نصیب ہجر تو ہے
ہم اتنے فرق کا اُن سے ملال کیا کرتے

(لکھنؤ)

○

عشق کی حد سے نکلتے، پھر یہ منظر دیکھتے
کاش حسنِ یار کو ہم حسن بن کر دیکھتے

غنچہ و گل دیکھتے یا ماہ و اختر دیکھتے
تم نظر آتے ہمیں، ہم کوئی منظر دیکھتے

دور جا کر دیکھتے، نزدیک آ کر دیکھتے
ہم سے ہو سکتا تو ہم ان کو برابر دیکھتے

فطرتِ مجبور پر قابو ہی کچھ چلتا نہیں
ورنہ، ہم تو تجھ سے بھی تجھ کو چھپا کر دیکھتے

پھر وہی حسرت ہے ساقی! پھر اسی انداز سے
پھر سوا ساغر کے سب کچھ غرقِ ساغر دیکھتے

میرے چپ رہنے پہ کیا؟ وہ باز رہتے چھیڑ سے
مسکرا کر دیکھتے پھر مسکرا کر دیکھتے

عشق سر تا پا نظر، نازک مزاجِ حسنِ دوست
دیکھتے بھی ہم اگر اس کو تو کیونکر دیکھتے

مل گئیں نظروں سے نظریں اور پل کر رہ گئیں
چشمِ ساقی دیکھ کر کیا جام و ساغر دیکھتے

تشنگانِ دیدِ جلوہ ہیں ہمیں سمجھا ہے کیا؟
تم اگر صورت دکھاتے جانِ دیگر دیکھتے

مرمٹا، اک بات پر کس آن سے کس شان سے
آپ اگر ایسے میں ہوتے دل کے تیور دیکھتے

زاہدِ مسجد نشیں ہیں اور اک ٹوٹا سا ظرف
میکدے میں اہتمامِ جام و ساغر دیکھتے

وائے محرومیِ قسمت، رہ گئی حسرت یہی
ایک دن تو ہم انہیں اپنے میں آ کر دیکھتے

ہائے وہ چہرہ اور اس میں دو تڑپتی بجلیاں
کاش اک دن پھر اسے گستاخ بن کر دیکھتے

دم بخود ہیں حضرتِ زاہد ہمیں تک دیکھ کر
ہوش اڑ جاتے اگر شیشے سے باہر دیکھتے

یا مذاقِ دید کی تہمت نہ لیتے، اے جگر!
یا مجسم دل سراپا آنکھ بن کر دیکھتے

○

خوشا بیداد، خونِ حسرتِ بیداد ہوتا ہے
ستم ایجاد کرتے ہو، کرم ایجاد ہوتا ہے

بظاہر کچھ نہیں کہتے، مگر ارشاد ہوتا ہے
"ہم اُس کے ہیں جو ہم پر ہر طرح برباد ہوتا ہے"

مرے ناشاد رہنے پر وہ جب ناشاد ہوتا ہے
بتاؤں کیا جو میرا عالمِ فریاد ہوتا ہے

یہی ہے رازِ آزادی جہاں تک یاد ہوتا ہے
کہ نظریں قید ہوتی ہیں تو دل آزاد ہوتا ہے

دلِ عاشق بھی کیا مجموعۂ اضداد ہوتا ہے
اِدھر برباد ہوتا ہے اُدھر آباد ہوتا ہے

وہ ہر اک واقعہ جو صورتِ افتاد ہوتا ہے
کبھی پہلے بھی دیکھا تھا، کچھ ایسا یاد ہوتا ہے

بڑی مشکل سے پیدا اک وہ آدم زاد ہوتا ہے
جو خود آزاد جس کا ہر نفس آزاد ہوتا ہے

نگاہیں کیا کہ پھر دل بھی واقف ہو نہیں سکتا
زبانِ حسن سے ایسا بھی کچھ ارشاد ہوتا ہے

تمہی ہو طعنہ زن مجھ پر، تمہی انصاف سے کہہ دو
کوئی اپنی خوشی سے خانماں برباد ہوتا ہے

یہ مانا ننگِ پابندی سے کیا آزاد کو مطلب
مگر وہ شرمِ آزادی سے بھی آزاد ہوتا ہے

تصور میں ہے کچھ ایسا تری تصویر کا عالم
کہ جیسے اب لبِ نازک سے کچھ ارشاد ہوتا ہے

کوئی حد ہی نہیں شادؔ محبت کے فسانے کی
سناتا جا رہا ہے جس کو جتنا یاد ہوتا ہے

(لکھنؤ)

○

یُوں بھی، مجھے تو حاصل، آرامِ جاں نہیں ہے
اب تُو جو مہرباں ہے، دل مہرباں نہیں ہے

جو داستاں ہے اپنی افسانہ ہے کسی کا
شاید مرے دہن میں میری زباں نہیں ہے

ہاں، اے جمالِ جاناں، اک اور بھی تجلّی
دُنیا مری نظر میں اب تک جواں نہیں ہے

ہر لحظہ کہہ رہا ہے، یہ انقلابِ فطرت
یعنی جہاں ابھی تھی، دُنیا وہاں نہیں ہے

دل کی جراحتوں کو، کچھ دل ہی جانتا ہے
ظاہر میں دیکھئے تو، کوئی نشاں نہیں ہے

شاید، تری نظر سے، کچھ رازِ دل سمجھ لوں
کہتے ہیں عشق جس کو میری زباں نہیں ہے

جو کچھ میں دیکھتا ہوں، میری نظر سے دیکھو
عینِ مشاہدہ ہے وہم و گماں نہیں ہے

تیرے کرم کے صدقے، کر لے ستم بھی شامل
دل شادماں ہے لیکن غم شادماں نہیں ہے

○

کیا بُرا ہو کا محبت میں اثر ہوتا ہے
دل اِدھر ہوتا ہے ظالم نہ اُدھر ہوتا ہے

ہم نے کیا کچھ نہ کیا، دیدہ و دل کی خاطر
لوگ کہتے ہیں دعاؤں میں اثر ہوتا ہے

دل تو یوں دل سے ملایا کہ نہ رکھا میرا
اب نظر کے لئے، کیا حکمِ نظر ہوتا ہے

میں گنہگارِ جنوں، میں نے یہ مانا لیکن
کچھ اُدھر سے بھی تقاضائے نظر ہوتا ہے

تو نے دیکھا ہی نہیں تجھ سے کہوں کیا ناصح
وُہ جو مخصوص اک اندازِ نظر ہوتا ہے

کون دیکھے اُسے، بیتابِ محبت اے دل!
تو، وُہ نالے ہی نہ کر، جن میں اثر ہوتا ہے

(مین پوری)

○

دل ترے عشق میں ناشاد بھی ہے شاد بھی ہے
یہی نغمہ، یہی نالہ، یہی فریاد بھی ہے

اب بھی کیا، دل کو نہ سمجھو گے سزاوارِ سزا؟
مجرمِ شوق بھی ہے، ملزمِ فریاد بھی ہے

تم مری آنکھ سے دیکھو تو یہ دنیائے جمال
ہائے کیا چیز مرا عشقِ خداداد بھی ہے

ہر وُہ ناچیز سا ذرہ، جسے تم دیکھتے ہو
اُس کو سُن لو، تو یہ نغمہ بھی ہے فریاد بھی ہے

تُم جو ایسے میں چلے آؤ تو رو لوں دم بھر
صبح کا وقت بھی ہے خاطرِ ناشاد بھی ہے

اب کہاں آہ مجھے فرصتِ یک لحظہ جگر!
سینہ عشق بھی ہے، نشترِ فریاد بھی ہے

(سیہور بھوپال)

○

وہ کون ہے ایسا! کہ تری شکل دکھا دے
احسان ہے اُس کا، جو مجھے مجھ سے ملا دے

ہاں جذبِ غمِ عشق کی تاثیر دکھا دے
مجبور نہ بن حُسن کو مجبور بنا دے

تو حُسن ہے میں عشق ہوں تو جان ہے میں جسم
کس کی ہے یہ طاقت کہ مجھے تجھ سے چھڑا دے

اے جانِ دو عالم! ترے عالم کے تصدق
اپنا جو بنایا ہے تو اپنا سا بنا دے

جنّت میں بھی ایسا تو نہ ہو گا گُلِ خنداں
اے زخمِ جگر نیّتِ قاتل کو دُعا دے

(لکھنؤ)

○

کیوں دُور ہٹ کے جائیں ہم دل کی سرزمیں سے
دونوں جہاں کی سیریں حاصل ہیں سب یہیں سے

یہ راز سُن رہے ہیں اک موجِ تہ نشیں سے
ڈوبے ہیں ہم جہاں پر اُبھریں گے پھر وہیں سے

خُونِ وفائے بسمل، جرمِ نگاہِ قاتل
ظاہر تو ہر جگہ ہے ثابت نہیں کہیں سے

اس چشمِ خشک سے تم چھیڑیں تو کر رہے ہو
تڑپے نہ موج کوئی دریائے آستیں سے

انکار اور اُس پر اصرار، وہ بھی پیہم
تُم مجھ کو چاہتے ہو ثابت ہوا یہیں سے

اب کیا بتاؤں کیا کیا عالم گزر رہے ہیں
میرے دلِ حزیں پر میرے دلِ حزیں سے

یُوں آج مل رہا ہے جانِ جگر سے کوئی
جس طرح مل رہا ہو کوئی حسیں حسیں سے

(لکھنؤ)

○

جب تک شبابِ عشق مکمّل شباب ہے — پانی بھی ہے شراب، ہوا بھی شراب ہے

اے حسنِ یار! شرم، یہ کیا انقلاب ہے — تجھ سے زیادہ درد ترا کامیاب ہے

جو خود نہ زندگی ہو، نہ پیغامِ زندگی — وہ حسن قہر ہے، وہ محبت عذاب ہے

عاشق کی بیدلی کا تغافل نہیں جواب — اس کا بس ایک جوشِ محبت جواب ہے

اے حسن! اپنی حوصلہ افزائیاں تو دیکھ — مانا کہ چشمِ شوق بہت بے حجاب ہے

میخانہ ہے اسی کا، یہ دنیا اسی کی ہے — جس تشنہ لب کے ہاتھ میں جامِ شراب ہے

اس سے دلِ تباہ کی روداد کیا کہوں — جو یہ نہ سن سکے کہ زمانہ خراب ہے

اے محتسب! نہ پھینک مرے محتسب نہ پھینک — ظالم! شراب ہے ارے ظالم! شراب ہے

اپنے حدود سے نہ بڑھے کوئی عشق میں — جو ذرہ جس جگہ ہے، وہیں آفتاب ہے

وہ لاکھ سامنے ہوں مگر اس کا کیا علاج؟ — دل مانتا نہیں کہ نظر کامیاب ہے

میری نگاہِ شوق بھی کچھ کم نہیں مگر — پھر بھی ترا شباب، ترا ہی شباب ہے

مانوسِ اعتبارِ کرم کیوں کیا مجھے؟ — اب ہر خطائے شوق اسی کا جواب ہے

میں اس کا آئینہ ہوں، وہ ہے میرا آئینہ — میری نظر سے اس کی نظر کامیاب ہے

تنہائیِ فراق کے قربان جائیے — میں ہوں، خیالِ یار ہے، چشمِ پُر آب ہے

سرمایۂ فراق جگر! آہ کچھ نہ پوچھ
اِک جان ہے، سو اپنے لئے خود عذاب ہے

(بھوپال)

○

سنتا ہوں کہ ہر حال میں وہ دل کے قریں ہے　　جس حال میں ہوں اب مجھے افسوس نہیں ہے

جس دل میں تری یاد ہے تو صدر نشیں ہے　　وہ دل بھی حسیں اس کی محبت بھی حسیں ہے

وہ آئے ہیں اے دل ترے کہنے کا یقیں ہے　　لیکن میں کروں کیا کہ مجھے فرصت ہی نہیں ہے

جس رنگ میں دیکھو اسے وہ پردہ نشیں ہے　　اور اس پہ یہ پردہ ہے کہ پردہ ہی نہیں ہے

یہ دل ہے ترا دل، مجھے کیا تابِ تصرف　　تو دیکھ لے جو چیز جہاں پر تھی وہیں ہے

میری ہی طرح وہ بھی نہ ہو ہجر میں بیتاب　　ہر سانس کے ساتھ آج اک آوازِ حزیں ہے

اس طرح نہ ہوگا، کوئی عاشق بھی تو پابند　　آواز جہاں دو اسے وہ شوخ وہیں ہے

مجھ سے کوئی پوچھے ترے ملنے کی ادائیں　　دنیا تو یہ کہتی ہے کہ ممکن ہی نہیں ہے

کیا ذوق ہے کیا شوق ہے کیا ربط ہے کیا ضبط　　سجدہ ہے جبیں میں کبھی سجدہ میں جبیں ہے

ہر لحظہ نیا جلوہ، نئی آن نئی شان　　میری نگہِ شوق بھی کیا شوخ حسیں ہے

میں بے اثرِ جذبِ محبت سہی لیکن　　کیا کم ہے وہ میرے لئے بیتاب نہیں ہے

میں اور ترے ہجرِ جفا کار کے صدمے　　اس بات پہ جیتا ہوں کہ مرنے کا یقیں ہے

معلوم ہیں اس سحر نگاہی کے کرشمے　　دنیا مرے نزدیک جو ہے بھی تو نہیں ہے

اس بزمِ حقیقت کی حقیقت میں کہوں کیا　　نغموں کا تلاطم تو ہے آواز نہیں ہے

کس کس سے ترے عشق میں ان کو چھڑا دوں
کونین ہے اور ایک مری جانِ حزیں ہے

(بھوپال ۳۲ء)

تڑپ کر دل انہیں تڑپا رہا ہے ○ محبت کو پسینہ آ رہا ہے

عجب عالم سا دل پر چھا رہا ہے　　حسیں جیسے کوئی شرما رہا ہے

یہ کیسا دل پہ عالم چھا رہا ہے　ق　کہ تجھ سے مل کے بھی گھبرا رہا ہے

نگاہوں سے نگاہیں لڑ رہی ہیں
مزے دردِ محبت پا رہا ہے

پیامِ شوق کا اب پوچھنا کیا؟
برابر آ رہا ہے، جا رہا ہے

وہ زلفیں دوش پر بکھری ہوئی ہیں　　جہانِ آرزو تھرّا رہا ہے

گلے مل کر وہ رخصت ہو رہے ہیں　　محبت کا زمانہ آ رہا ہے

وہ خود تسکینِ خاطر کر رہے ہیں　　مگر دل ہے کہ ڈوبا جا رہا ہے

ازل ہی سے چمن بندِ محبت
یہی نیرنگیاں دکھلا رہا ہے

کلی کوئی جہاں پر کھل رہی ہے
وہیں اک پھول بھی مرجھا رہا ہے

طبیعت ہے کہ ٹھہری جا رہی ہے　　زمانہ ہے کہ گزرا جا رہا ہے

مری رودادِ غم وہ سن رہے ہیں　　تبسم سا لبوں پر آ رہا ہے

غمِ دل کو خدا آباد رکھے　　نشاطِ سرمدی برسا رہا ہے

جگر ہی کا نہ ہو افسانہ کوئی　　در و دیوار کو حال آ رہا ہے

(بھوپال [illegible])

دل کو جب دل سے راہ ہوتی ہے ○ آہ ہوتی ہے، واہ ہوتی ہے

میرے غم خانۂ مصیبت کی چاندنی بھی سیاہ ہوتی ہے

اک نظر دل کی سمت دیکھ تو لو کیسی دُنیا تباہ ہوتی ہے

حسنِ جاناں کی منزلوں کو نہ پوچھ ہر "نفس" ایک راہ ہوتی ہے

کیا خبر تھی کہ عشق کے ہاتھوں ق ایسی حالت تباہ ہوتی ہے

سانس لیتا ہوں دم اُلجھتا ہے بات کرتا ہوں، آہ ہوتی ہے

جو اُلٹ دیتی ہے صفیں کی صفیں اِک شکستہ سی آہ ہوتی ہے

وقفۂ ہوشِ عشق، آہ، نہ پوچھ فرصتِ یک نگاہ ہوتی ہے

آہِ پیہم پہ تھا مدارِ حیات وُہ بھی اب گاہ گاہ ہوتی ہے

وُہ بھی ہے اک مقامِ عشق جہاں ہر تمنّا گناہ ہوتی ہے

وُہ سرہانے کھڑے ہیں اور یہاں رخصتِ اشک و آہ ہوتی ہے

حاصلِ حسن و عشق اُسے سمجھو وُہ جو پہلی نگاہ ہوتی ہے

ایک ایسا بھی وقت ہوتا ہے مسکراہٹ بھی آہ ہوتی ہے

ہم سے پوچھو تو عشق کی بھی نگاہ سخت کافر نگاہ ہوتی ہے

حسن کو بھی جو رنگ دیتی ہے ایک سادہ نگاہ ہوتی ہے

دردِ بے وجہ کو نہ چھیڑ جگر
یہ خوشی گاہ گاہ ہوتی ہے

(بھوپال ۳۲ء)

○

خار کو گُل اور گُل کو خار، جو چاہے کرے
تُو نے جو چاہا کیا، اے یار! جو چاہے کرے

مست و بیخود، عاقل و ہشیار، جو چاہے کرے
شوخیٔ طرزِ تپاکِ یار، جو چاہے کرے

اُس نے یہ کہہ کر دیا دل کو فریبِ جستجو
حشر تک اب عاشقِ ناچار، جو چاہے کرے

تھا ابھی جلوہ، ابھی پردہ، ابھی کچھ بھی نہیں
آپ کی یہ حسرتِ دیدار، جو چاہے کرے

ہر حقیقت حُسن کی ہے، بے نیازِ اعتراف
اب کوئی اقرار یا انکار، جو چاہے کرے (گوندہ)

○

عشق کی چوٹ چل ہی جاتی ہے — آہ دل سے نکل ہی جاتی ہے
خوب رو لے فراق میں، اے دل! — کچھ طبیعت سنبھل ہی جاتی ہے
فطرتِ عشق، لاکھ پتھر ہو — اک نہ اک دن پگھل ہی جاتی ہے
موجِ خوں ہو کہ موجِ بادۂ ناب — جوش کھا کر اچھل ہی جاتی ہے
ہم سے ایسی چلی کہ بس توبہ — ورنہ آپس میں چل ہی جاتی ہے (زین پوری)

○

کیا بتائیں، عشق ظالم کیا قیامت ڈھائے ہے
یہ سمجھ لو، جیسے دل سینے سے نکلا جائے ہے

جب نہیں تم، تو تصور بھی تمہارا کیا ضرور
اس سے بھی کہدو! کہ یہ تکلیف کیوں فرمائے ہے

ہائے وہ عالم نہ پوچھو اضطرابِ عشق کا
یک بیک جس وقت کچھ کچھ ہوش سا آ جائے ہے

کس طرف جاؤں؟ کدھر دیکھوں؟ کسے آواز دوں
اے ہجومِ نامرادی! جی بہت گھبرائے ہے (لکھنؤ)

○

کُن کہتے ہی جلووں کی یہ کثرت نظر آئی
اللہ کو اللہ کی صورت نظر آئی

جب دل پہ نظر کی تری صورت نظر آئی
آغوشِ محبت میں محبت نظر آئی

ہوگا تری محفل میں کوئی اور بھی جلوہ
مجھ کو تو محبت ہی محبت نظر آئی

(لکھنؤ)

○

ہر اِک سے بیگانہ بن رہے ہیں، کسی کی جانب نظر نہیں ہے
خبر وُہ رکھتے ہیں اس طرح سے کہ جیسے کوئی خبر نہیں ہے

فراق بھی ہے، وصال بھی ہے، ہر ایک لحظہ، ہر ایک ساعت
فراق کیا ہے؟ وصال کیا ہے؟ جو کوئی پوچھے خبر نہیں ہے

تجھے نہیں مجھ سے ربط اصلا، یہ میں نے مانا، مگر یہ بتلا
مرے تصور میں کیوں ہے ایسا؟ تری توجّہ اگر نہیں ہے

مری یہ ہستی، مری یہ طاقت کہ تیرِ دل دوزِ عشق روکوں
مری طرف سے یہ کون ہے پھر؟ جو خود وہ سینہ سپر نہیں ہے

شباب مہکش، جمال مہکش، خیال مہکش، نگاہ مہکش
خبر وُہ رکھیں گے کیا کسی کی؟ جنہیں خود اپنی خبر نہیں ہے

(لکھنؤ)

○

دل کو اشکوں سے جو خالی کوئی کر دیتا ہے
ساقیِ غیب پھر اس جام کو بھر دیتا ہے،

مست ہو جاتا ہے، بیخود مجھے کر دیتا ہے
درد اُٹھ کر، تری آمد کی خبر دیتا ہے

تو نے ٹانکے جو دئے تھے، وُہ مگر ٹوٹ گئے
آج پھر خُون ہر اک زخمِ جگر دیتا ہے

دیکھ سکتا نہیں، ساقی مری محرومی کو
جام خالی نہیں ہوتا ہے کہ بھر دیتا ہے

(غالباً بین پوری)

○

نظر سے حسن دو عالم گرا دیا تو نے ۔ نہ جانے کون سا عالم دکھا دیا تو نے؟
کمالِ حسن کا عالم دکھا دیا تو نے ۔ چراغ سامنے رکھ کر بجھا دیا تو نے
جوابِ حسنِ طلب اور کیا دیا تو نے ۔ تمام شکر و شکایت بنا دیا تو نے
فنائے عشق کو رنگِ بقا دیا تو نے ۔ حیات و موت کو یکجا دکھا دیا تو نے
ہزار جانِ گرامی، فدا بایں نسبت ۔ کہ میری ذات سے اپنا پتا دیا تو نے
یہ کیا کیا؟ کہ عطا کر کے عشقِ لامحدود ۔ مجھے حریفِ مقابل بنا دیا تو نے
ہزار دل کو، مٹا کر، دیا مجھے اک درد ۔ اُس ایک درد کو پھر دل بنا دیا تو نے
خوشا وہ دردِ محبت، نہیں وہ دل کہ جسے ۔ ذرا سکون ہوا، گدگدا دیا تو نے

ہر ایک دل کو عطا کر کے مدعائے حیات
جگرؔ کو اک دلِ بے مدعا دیا تو نے

لکھنؤ

○

شوقِ گستاخ کا چہرے پہ اثر دیکھ نہ لے ۔ ڈر رہا ہوں کہ وہ سفاک ادھر دیکھ نہ لے
اب تو خلوت میں بھی اٹھتی نہیں چہرے سے نقاب ۔ ڈر یہ ہے کوئی پسِ پردۂ در دیکھ نہ لے
عاشقوں کی نگہِ شوق کہیں تھکتی ہے ۔ دیکھتے ہی رہیں اُس کو، وہ اگر دیکھ نہ لے
اب نظر خاک اٹھے عزمِ نظر کے ہمراہ ۔ دل دھڑکتا ہے کہ وہ شوخ ادھر دیکھ نہ لے

میں تو اس چھپنے کے صدقے کہ یہ اب ضد ہے اُسے
حسن کو عشق کی صورت میں جگرؔ دیکھ نہ لے

وہ کافر آشنا، نا آشنا یوں بھی ہے اور یوں بھی
ہماری ابتدا، تا انتہا یوں بھی ہے اور یوں بھی

تعجب کیا؟ اگر رسمِ وفا یوں بھی ہے اور یوں بھی
کہ حسن و عشق کا ہر مسئلہ یوں بھی ہے اور یوں بھی

کہیں ذرّہ، کہیں صحرا، کہیں قطرہ کہیں دریا
محبت اور اُس کا سلسلہ یوں بھی ہے اور یوں بھی

وہ مجھ سے پوچھتے ہیں ایک مقصد میری ہستی کا
بتاؤں کیا؟ کہ میرا مدعا، یوں بھی ہے اور یوں بھی

ہم اُن سے کیا کہیں؟ وہ جانیں اُنکی مصلحت جانے
ہمارا حالِ دل تو برملا، یوں بھی ہے اور یوں بھی

نہ پالینا ترا آساں، نہ کھو دینا ترا ممکن
مصیبت میں یہ جانِ مبتلا یوں بھی ہے اور یوں بھی

لگا دے آگ او برقِ تجلّی! دیکھتی کیا ہے؟
نگاہِ شوق، ظالم، نارسا یوں بھی ہے اور یوں بھی

الٰہی کس طرح عقل و جنوں کو ایک جا کر لوں،
کہ نشّہ نگاہِ عشوہ زا، یوں بھی ہے اور یوں بھی

مجازیؔ[1] سے جگر کہہ دو! ارے او عقل کے دشمن
مُقر ہو یا کوئی منکر خدا یوں بھی ہے اور یوں بھی

○

یادِ جاناں بھی عجب روح فزا آتی ہے
سانس لیتا ہوں تو جنّت کی ہوا آتی ہے

میری جانب نگہِ ہوش ربا آتی ہے
پھر وہی ظالمِ مظلوم نما آتی ہے

جا ابھی اے ناصحِ ناداں! نہ کر اس کو بدنام
ان جفاؤں سے تو خوشبوئے وفا آتی ہے

مرگِ ناکامِ محبّت، مری تقصیر معاف
زیست بن بن کے مرے حق میں قضا آتی ہے

نہیں معلوم، وہ خود ہیں کہ محبّت اُن کی
پاس ہی سے کوئی بیتاب صدا آتی ہے

میں تو اُس سادگیِ حُسن پہ اُس کی صدقے
نہ جفا آتی ہے جس کو، نہ وفا آتی ہے

ہائے کیا چیز ہے یہ تکملۂ حسن و شباب
اپنی صورت سے بھی اب ان کو حیا آتی ہے

[1] مجازیؔ ایک لکھنوی منکر خدا کا تخلص ہے جو اتفاق سے میرے دوست بھی ہیں۔ جگر

○

ترے جمالِ حقیقت کی تاب ہی نہ ہوئی
ہزار بار نگہ کی، مگر کبھی نہ ہوئی

تری خوشی سے اگر غم میں بھی خوشی نہ ہوئی
وہ زندگی تو محبت کی زندگی نہ ہوئی

ٹھہر ٹھہر، دلِ بیتاب! پیار تو کرلوں
اب اس کے بعد ملاقات پھر ہوئی نہ ہوئی

ہم اپنی بندگی و طاعت پہ خاک ناز کریں
قبولِ حضرتِ سلطاں ہوئی ہوئی نہ ہوئی

کوئی بڑھے نہ بڑھے ہم تو جان دیتے ہیں
پھر ایسی چشمِ توجہ ہوئی ہوئی نہ ہوئی

تمام حرفِ حکایت، تمام دیدہ و دل
اس اہتمام پہ بھی شرحِ عاشقی نہ ہوئی

فسردہ خاطریِ عشق، اے معاذ اللہ
خیالِ یار سے بھی کچھ شگفتگی نہ ہوئی

تری نگاہِ کرم کو بھی آزما دیکھا
اذیتوں میں نہ ہونی تھی کچھ کمی نہ ہوئی

کسی کی مست نگاہی نے ہاتھ تھام لیا
شریکِ حال جہاں میری بیخودی نہ ہوئی

صبا! یہ اُن سے ہمارا پیام کہہ دینا
گئے ہو جب سے، یہاں صبح شام ہی نہ ہوئی

وہ کچھ سہی نہ سہی، پھر بھی زاہدِ ناداں!
بڑے بڑوں سے محبت میں کافری نہ ہوئی

اِدھر سے بھی ہے سوا کچھ اُدھر کی مجبوری
کہ ہم نے آہ تو کی، اُن سے آہ بھی نہ ہوئی

خیالِ یار! سلامت تجھے خدا رکھے
ترے بغیر کبھی گھر میں روشنی نہ ہوئی

گئے تھے ہم بھی جگرؔ جلوہ گاہِ جاناں میں
وہ پوچھتے ہی رہے ہم سے بات ہی نہ ہوئی

○

آئے زباں پہ رازِ محبت، محال ہے　　تم سے مجھے عزیز، تمہارا خیال ہے
نازک ترے مریضِ محبت کا حال ہے　　دن کٹ گیا تو رات کا کٹنا محال ہے
دل تھا ترے خیال میں پہلے چمن چمن　　اب بھی بروش روش ہے مگر پائمال ہے
کمبخت اس جنونِ محبت کو کیا کروں　　میرا خیال ہے نہ تمہارا خیال ہے
آنکھیں تو کھول، سر تو اُٹھا، دیکھ تو ذرا
کب سے جگرؔ! وہ چاند سا چہرہ نڈھال ہے

(مرادآبادین پوری)

○

نگاہوں میں بہارِ جاوداں ہے　　جہاں ہیں ہم، وہیں اب آشیاں ہے
محبت دونوں جانب مہرباں ہے　　کہ ہم اس سے، وہ ہم سے بدگماں ہے
وہ کب سے مضطرب ہیں اے غمِ عشق!　　خدا جانے، تری غیرت کہاں ہے
اگر تو ہے تو اے جانِ دو عالم!　　یہاں ہر شے جواں ہے جاوداں ہے
مرے سوزِ دروں کے مل رہے ہیں　　بحمداللہ کہ دل آتش بجاں ہے
تماشا دیدنی ہے، دیکھ جاؤ　　زبانِ شوق و گلبانگِ فغاں ہے
کسی کو اک نظر ہی دیکھ تو لیں　　اب اتنی بھی ہمیں جرأت کہاں ہے
ترے نقشِ قدم کا ذرہ ذرہ　　عبادت گاہِ جانِ عاشقاں ہے
الٰہی! خیر کرنا، دیر سے پھر　　بہت مضطر نگاہِ رازداں ہے
پھنکا جاتا ہے دل جس سوزِ غم سے　　جہنم میں یہ چنگاری کہاں ہے

○

کچھ اس ادا سے آج وہ پہلو نشیں رہے
جب تک ہمارے پاس رہے ہم نہیں رہے

ایمان و کفر اور نہ دنیا و دیں رہے
اے عشق! شاد باش کہ تنہا ہمیں رہے

میری زباں پہ شکوۂ دردآفریں رہے
شاید مرے حواس ٹھکانے نہیں رہے

جب تک الٰہی! جسم میں جانِ حزیں رہے
نظریں مری جوان رہیں، دل حسیں رہے

یارب! کسی کے رازِ محبت کی خیر ہو
دستِ جنوں رہے نہ رہے آستیں رہے

تا چند جوشِ عشق میں دل کی حفاظتیں
میری بلا سے اب وہ جنونی کہیں رہے

جا، اور کوئی ضبط کی دُنیا تلاش کر
اے عشق! ہم تو اب ترے قابل نہیں رہے

مجھ کو نہیں قبول، دو عالم کی وسعتیں
قسمت میں کوئے یار کی دو گز زمیں رہے

اے عشقِ نالہ کش! تری غیرت کو کیا ہوا
ہے ہے عرق عرق وہ تنِ نازنیں رہے

دورِ غمِ فراق کے یہ سخت مرحلے
حیران ہوں میں کہ پھر بھی تم اتنے حسیں رہے

اللہ رے چشمِ یار کی معجز بیانیاں
ہر اک کو ہے گماں کہ مخاطب ہمیں رہے

ظالم! اُٹھا تو پردۂ وہم و گمان و فکر
کیا سامنے وہ مرحلہ ہائے یقیں رہے

ذات و صفاتِ حسن کا عالم نظر میں ہے
محدودِ سجدہ، کیا مرا ذوقِ جبیں رہے

کس درد سے کسی نے کہا آج بزم میں
"اچھا یہ ہے وہ ننگِ محبت یہیں رہے"

اس عشق کی تلافیٔ مافات دیکھنا
رونے کی حسرتیں ہیں جب آنسو نہیں رہے

دیکھ لے تو بھی کہ اب خیر نہیں جانوں کی
آج ہولی ہے ترے سوختہ سامانوں کی

چاہتے ہیں نہ رہے حدِ تعیّن کوئی
ہائے معصوم ضدیں عشق کے دیوانوں کی

بزمِ ساقی ہیں ذرا دیکھ تو چل کر زاہد!
کیا بہاریں ہیں چھلکتے ہوئے پیمانوں کی

ابھی تکمیل کو پہنچی نہیں تعمیرِ جنوں
ابھی چلتی رہے دیوانوں سے دیوانوں کی

سب جسے کہتے ہیں ارمانوں کا پورا ہونا
میرے نزدیک یہی موت ہے ارمانوں کی

ہر طرف چھا گئے پیغامِ محبت بن کر
مجھ سے اچھی رہی قسمت مرے افسانوں کی

(لکھنؤ)

○

عشق کا ہاتھ سے پیمان نہ جانے پائے
جان جائے، مگر ایمان نہ جانے پائے

یہ نہیں دل کسی عنوان نہ جانے پائے
مگر اتنا ہے کہ آسان نہ جانے پائے

بات تعجب ہے کہ تو لاکھ اُدھر رُخ نہ کرے
دل سے بچ کر کوئی پیکان نہ جانے پائے

دل کو بھی اب ہے یہ ضد حسن کے ہر جلوے سے
گھر میں جو آئے وہ مہمان نہ جانے پائے

ہوش میں آ دلِ دیوانہ! کہ تیری ہی طرح
کوئی حیران، پریشان نہ جانے پائے

داستانِ غمِ ہستی کو مکمل کر لے!
ایک بھی عشق کا عنوان نہ جانے پائے

تیری محفل میں ہے، اک سنگِ محبت بھی ترا
دیکھنا! ہو کے پشیمان نہ جانے پائے

اشک ہیں حاصلِ غم، غم ہے ودیعت اُس کی
باہر آنکھوں سے یہ طوفان نہ جانے پائے

حسن سرگرمِ نوازش ہے مگر اے غمِ دل!
رائیگاں عشق کا احسان نہ جانے پائے

جان جائے کہ رہے دیکھو مری جانِ جگر
عشق کی شان تری آن نہ جانے پائے

(لکھنؤ)

○

اک لفظ محبّت کا ادنےٰ یہ فسانا ہے
سمٹے تو دلِ عاشق پھیلے تو زمانا ہے

یہ کس کا تصوّر ہے؟ یہ کس کا فسانا ہے؟
جو اشک ہے آنکھوں میں تسبیح کا دانا ہے

دل سنگِ ملامت کا ہر چند نشانا ہے
دل پھر بھی مرا دل ہے، دل ہے تو زمانا ہے

ہم عشق کے ماروں کا اتنا ہی فسانا ہے
رونے کو نہیں کوئی، ہنسنے کو زمانا ہے

وُہ اور وفا دشمن، مانیں گے نہ مانا ہے
سب دل کی شرارت ہے آنکھوں کا بہانا ہے

شاعر ہوں، میں شاعر ہوں، میرا ہی زمانا ہے
فطرت مرا آئینہ، قُدرت مرا شانا ہے

جو اُن پہ گزرتی ہے کس نے اُسے جانا ہے
اپنی ہی مُصیبت ہے، اپنا ہی فسانا ہے

کیا حُسن نے سمجھا ہے؟ کیا عشق نے جانا ہے؟
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانا ہے

دل محوِ محبّت ہے، آنا ہے نہ جانا ہے
اب تیر چلا قاتل اب زد پہ نشانا ہے

آنکھوں میں نمی سی ہے چُپ چپ سے وُہ بیٹھے ہیں
نازک سی نگاہوں میں نازک سا فسانا ہے

ہم درد بدل نالاں وُہ دست بدل حیراں
اے عشق! تو کیا ظالم! تیرا ہی زمانا ہے

یا وُہ تھے خفا ہم سے، یا ہم ہیں خفا ان سے
کل اُن کا زمانا تھا، آج اپنا زمانا ہے

اے عشقِ جنوں پیشہ! ہاں عشق جنوں پیشہ!!
آج ایک ستمگر کو ہنس ہنس کے رُلانا ہے

تھوڑی سی اجازت بھی، اے بزم گہِ ہستی!
آ نکلے ہیں دم بھر کو، رونا ہے، رُلانا ہے

یہ عشق نہیں آساں، اتنا ہی سمجھ لیجئے
اِک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

خود حسنؔ[1] و شباب اُن کا، کیا کم ہے رقیب اپنا
جب دیکھئے، اب وہ ہیں، آئینہ ہے شانا ہے

[1] اگرچہ اس شعر کا اندازِ بیان لکھنوی ہے لیکن مفہومِ شعری واقعیت کے ساتھ نہایت ہی نازک ہو گیا ہے

ہم عشق مجسّم ہیں لب تشنہ و مستسقی
دریا سے طلب کیسی؟ دریا کو رُلانا ہے

تصویر کے دو رُخ ہیں جان اور غمِ جاناں
اک نقش چھپاتا ہے، اک نقش دکھانا ہے

وُہ حسن و جمال اُن کا، یہ عشق و شباب اپنا
جینے کی تمنّا ہے مرنے کا زمانا ہے

مُجھ کو تو اسی دھن میں ہر لحظہ بسر کرنا
اب آئے، وُہ اب آئے لازم انہیں آنا ہے

اشکوں کے تبسّم میں، آہوں کے ترنّم میں
معصوم محبّت کا معصوم فسانا ہے

آنسو تو بہت سے ہیں آنکھوں میں جگرؔ لیکن
بندھ جائے سو موتی ہے، رہ جائے سو دانا ہے

(لکھنؤ)

○

آئینے میں عشق کی تاثیرِ پنہاں دیکھئے
میری صورت اپنی صورت سے نمایاں دیکھئے

بے تکلف ہر طرف تصویرِ جاناں دیکھئے
میری آنکھوں سے جمالِ شامِ ہجراں دیکھئے

○

عشق ہے نصف الحقیقت کیوں پریشاں کیجئے
یعنی ہم پہ رحم کرکے خود پہ احساں کیجئے

کبتک آخر مشکلاتِ شوق آساں کیجئے
اب محبت کو محبت ہی پہ قرباں کیجئے

چاہتا ہے عشق رازِ حسن عریاں کیجئے
یعنی خود کھو جائیے اُن کو نمایاں کیجئے

آپ کے دشمن ہیں وقفِ خلشِ صرفِ تپش
آپ کیوں غمخواریٔ بیمارِ ہجراں کیجئے

حسن کی رسوائیاں بھی حسن سے کچھ کم نہیں
ہو سکے تو مثلِ بوئے گل پریشاں کیجئے

پھر جنوں سامانیوں میں کچھ کمی سی آچلی،
آج پھر برہم مزاجِ حسنِ جاناں کیجئے

آپ کو شرمائیے کیا آپ کا دامن ہے پاک
ہم گنہگارِ محبت ہیں پشیماں کیجئے

دل پہ جو گزرے سو گزرے عشق کی ضد ہے یہی
آج اتنا چھیڑیئے اُن کو کہ گریاں کیجئے

سر سے پا تک اک نگاہِ بے محابا ڈال کر
عمر بھر کے واسطے ممنونِ احساں کیجئے

اللہ اللہ سنتے ہیں تم ہو رگِ جاں سے قریب
اب تو ہر نشتر کو پیوستِ رگِ جاں کیجئے

شانِ رحمت کو نہیں درکار کوئی پیش کش
احتیاطاً اکتسابِ کفر و ایماں کیجئے!

○

زخم وہ دل پہ لگا ہے کہ دکھائے نہ بنے
اور چاہیں کہ چھپا لیں تو چھپائے نہ بنے

ہائے بیچارگیِ عشق، کہ اُس محفل میں
سر جھکائے نہ بنے آنکھ اُٹھائے نہ بنے

یہ سمجھ لو کہ غمِ عشق کی تکمیل ہوئی
ہوش میں آکے بھی جب ہوش میں آئے نہ بنے

کس قدر حسن بھی مجبورِ کشاکش ہے آہ!
منہ چھپائے نہ بنے سامنے آئے نہ بنے

ہائے وہ عالمِ پُرشوق کہ جس وقت جگرؔ!
اُس کی تصویر بھی سینے سے لگائے نہ بنے

مُسلسل

خاطرِ عشق، الم کوش ہوئی جاتی ہے
زندگی، خوابِ فراموش ہوئی جاتی ہے

حیرتِ جلوہ، ہمہ آغوش ہوئی جاتی ہے
آنکھ نظارہ فراموش ہوئی جاتی ہے

شوق چالاک کہاں، جرأتِ بیباک کہاں
یاسِ آغوش در آغوش ہوئی جاتی ہے

وہ خلش، جس سے تھا ہنگامۂ ہستی برپا
وقفِ بیتابیِ خاموش ہوئی جاتی ہے

وہی مستی، کہ سماتی ہی نہ تھی عالم میں
غرقِ یک ساغرِ سرجوش ہوئی جاتی ہے

وہی اک شورشِ دل تنگ تھی جس پر کونین
وہی اب معتکفِ ہوش ہوئی جاتی ہے

ایک منظر ہے کہ آنکھوں میں کھنچا آتا ہے
ایک دنیا ہے کہ روپوش ہوئی جاتی ہے

ایک جانب نگہِ خاص سے ہے اذنِ جنون
اک طرف مرحمتِ ہوش ہوئی جاتی ہے

نگہِ شوق کہاں ہے، یہ تماشا کیا ہے
جیسے ہر شے لبِ خاموش ہوئی جاتی ہے

ہائے، وہ سرخوشیِ عشق کہ تھی جزوِ حیات
کس قدر زود فراموش ہوئی جاتی ہے

یاد وہ موت کہ تھی غازۂ زیست کبھی
یاد وہ ہے کہ ہم آغوش ہوئی جاتی ہے

اُف وہ پروانے کہ سمٹے ہی چلے آتے ہیں
ہائے وہ شمع کہ خاموش ہوئی جاتی ہے

عشق کی قسمتِ محروم، الٰہی توبہ
یادِ جاناں بھی فراموش ہوئی جاتی ہے

بال کھولے ہوئے یہ کون چلا آتا ہے
بزمِ دل محشرِ خاموش ہوئی جاتی ہے

یادِ ایام کہ جب پوچھتے کہتے تھے جگر
دعوتِ چشم و لب و گوش ہوئی جاتی ہے

(آگرہ)

○

دل میں تم ہو، نزع کا ہنگام ہے — کچھ سحر کا وقت ہے، کچھ شام ہے
عشق ہی خود عشق کا انعام ہے — واہ کیا آغاز، کیا انجام ہے
حُسن ہے، نغمے ہیں، مے ہے، جام ہے — اب کہاں اے گردشِ ایام ہے
کیا اسی کو کہتے ہیں آئینِ حُسن — جو تمہارا ہو گیا ناکام ہے
پینے والے ایک ہی دو ہوں تو ہوں — مفت سارا میکدہ بدنام ہے
درد و غم دل کی طبیعت بن چکے — اب یہاں آرام ہی آرام ہے
پی رہا ہوں آنکھوں آنکھوں میں شراب — اب نہ شیشہ ہے نہ کوئی جام ہے
دیکھ لینا عشق کی بھی نخوتیں — حُسن کی برہم مزاجی عام ہے
وہ سراپا ناز، اُن سے کیا گلہ — تجھ سے شکوہ گردشِ ایام ہے
ہوشیار او شکوہ سنجِ زندگی! — زندگی، انعام ہی انعام ہے
ہوشیار او کامیابِ زندگی — زندگی ناکامیوں کا نام ہے
حُسن سے ہیں عشق کی رسوائیاں — بادہ جب تک ہے فروغِ جام ہے
کیجئے کیا اور شرحِ زندگی — کچھ سحر، کچھ دوپہر، کچھ شام ہے
ایک بوسہ اس لبِ جاں بخش کا — عمر بھر کے واسطے انعام ہے

کیا جگرؔ سے آپ ابھی واقف نہیں
ایک ہی تو رندِ مے آشام ہے

(بین لوری)

○

پھر وُہ ہم سے خفا ہے، کیا کہیے　　　زندگی، بے حیا ہے، کیا کہیے

دل بھلا، یا بُرا ہے، کیا کہیے　　　آپ کا نقشِ پا ہے، کیا کہیے

چاندنی ہے، ہوا ہے، کیا کہیے　　　مُفلسی کیا بلا ہے، کیا کہیے

بندگی جس کی ہے فقط، رونا　　　وُہ ہمارا خُدا ہے، کیا کہیے

انتہا کے ہیں عشق میں صدمے　　　اور ابھی ابتدا ہے، کیا کہیے

شوقِ بے انتہا کے پردے میں　　　کون ہنگامہ زا ہے، کیا کہیے

حُسن جتنا ہے جنگ جو ظالم!　　　عشق اُس سے سوا ہے، کیا کہیے

دل میں پنہاں ہے اک لطیف خلش　　　صورتِ التجا ہے، کیا کہیے

پھر، سرِ حشر ہیں، وُہی جلوے　　　پھر وُہی سامنا ہے، کیا کہیے

ابھی پابند ہے، ابھی آزاد　　　عشق کا دل بھی کیا ہے، کیا کہیے

پردہ رکھ لیتے ہم زمانے سے　　　آنکھ پہچانتا ہے، کیا کہیے

پوچھتے ہیں مزاجِ دل ہم سے　　　ایک ہی خود نما ہے، کیا کہیے

ان دنوں بے خودیِ شوق نہ پوچھ　　　کِس طرف کی ہوا ہے، کیا کہیے

عشق تو عشق، حُسن سے بیزار　　　دل کو کیا ہو گیا ہے، کیا کہیے

شوق سرتاقدم نگاہ و زباں
وُہ مجسم حیا ہے، کیا کہیے

(لکھنؤ)

○

کچھ جو پشیمانِ جفا ہو گئے اور وہ گھبرا کے خفا ہو گئے

نالۂ دل خاک رسا ہو گئے ق

آئے وہ آتے ہی جُدا ہو گئے

کچھ نہ سُنا اور یونہیں چل دیئے

کچھ نہ کہا اور خفا ہو گئے

اور بھی اس عشق میں کچھ سانحات دل کی ہلاکت کے سوا ہو گئے

اُن کا اُدھر گوشۂ دامن بڑھا تنگ اِدھر بندِ قبا ہو گئے

وہ بھی جو تھے مُنکرِ آئینِ عشق سُنتے ہیں پابندِ وفا ہو گئے

ہم سے نظر پھیر لی، اس شوخ نے ہم بھی ہیں انسان خفا ہو گئے

مجھ کو گرفتارِ بلا دیکھ کر خود بھی گرفتارِ بلا ہو گئے

کچھ مرے چہرے سے کھُلے رازِ عشق کچھ تری نظروں سے ادا ہو گئے

ڈھونڈھ کے اب لائیے کیوں کر اُنہیں ہائے وہ نالے کہ رسا ہو گئے

چُپ ہیں وہ یوں سُن کے مری عرضِ شوق

جیسے کہ سچ مچ ہی خفا ہو گئے

(لکھنؤ)

○

آ کہ تجھ بن بہت دنوں سے یہ دل
ایک سُونا مکان ہے پیارے

تُو جہاں ناز سے قدم رکھ دے
وُہ زمیں آسمان ہے پیارے

مختصر ہے یہ شوق کی رُوداد
ہر نفس داستان ہے پیارے

اپنے جی میں ذرا تو کر انصاف
کب سے نامہربان ہے پیارے

صبر ٹوٹے ہوئے دلوں کا نہ لے
تو یونہی دھان پان ہے پیارے

ہم سے جو ہو سکا، سو کر گزرے
اب ترا امتحان ہے پیارے

مجھ میں تجھ میں تو کوئی فرق نہیں
عشق کیوں درمیان ہے پیارے

کیا کہے حالِ دل، غریب جگر
ٹوٹی پھوٹی زبان ہے پیارے

(لکھنؤ)

○

جب سے تو مہرباں ہے پیارے / اور دل بدگماں ہے پیارے

اس کی باتوں میں تو نہ آجانا! / عشق جادو بیاں ہے پیارے

تو کہاں یہ غریب خانہ کہاں؟ / وہم ہے یا گماں ہے پیارے

صدقے تیری نوازشوں کے مگر / سخت تر امتحاں ہے پیارے

سچ بتا اس میں کوئی بات بھی ہے / یا یونہی مہرباں ہے پیارے

وہ بھی ہلکی سی اک نگاہِ کرم / دل بہت ناتواں ہے پیارے

تیرا دیوانہ غریب جگر / فخرِ ہندوستاں[1] ہے پیارے

○

کون یہ جانِ تمنّا، عشق کی منزل میں ہے / جو تمنّا دل سے نکلی پھر جو دیکھا دل میں ہے

وہ کچھ اس صورت سے آئے جلوہ دکھلاتے ہوئے / میں یہ سمجھا، وسعتِ کونین میرے دل میں ہے

شاید اُٹھنے ہی کو ہے پردہ رُخِ مقصود سے / آج حاصل کی سی لذّت سعیِ لاحاصل میں ہے

اے میں قرباں! واہ کیا کہنا ترا اعجازِ عشق! / اِک سکونِ مستقل بھی اضطرابِ دل میں ہے

کیا کہیں خونِ دو عالم سے بھی اب بجھتی ہے پیاس / خونِ بسمل کی حرارت خنجرِ قاتل میں ہے

میں ہوا جب سے غریقِ موجِ طوفاں خیزِ عشق / ڈوب مرنے کی تمنّا سینۂ ساحل میں ہے

دیکھیے کرتی ہے کیا کیا انکی نظروں میں حقیر / یہ جو ظالم اک لہو کی بوند اب تک دل میں ہے

بیخودی منزل سے بھی کوسوں نکل آئی جگرؔ! / جستجو آوارہ اب تک جادۂ منزل میں ہے

[1] اِس اعلانِ کذب کو میں بار گراں سمجھتا ہوں ۔ ۱۲ جگرؔ

○

عشق کی داستان ہے پیارے اپنی اپنی زبان ہے پیارے
کل تک اے درد! یہ تپاک نہ تھا آج کیوں مہربان ہے پیارے
سایۂ عشق سے خدا ہی بچائے ایک ہی قہرمان ہے پیارے
اس کو کیا کیجئے جو لب نہ کھلیں یوں تو منہ میں زبان ہے پیارے
یہ تغافل بھی ہے نگہ آمیز اس میں بھی ایک شان ہے پیارے
جس نے اے دل! دیا ہے اپنا غم اس سے تو بدگمان ہے پیارے
دل کا عالم نگاہ کیا جانے یہ تو صرف اک زبان ہے پیارے
میرے اشکوں میں اہتمام نہ دیکھ عاشقی کی زبان ہے پیارے
ہم زمانے سے انتقام تو لیں اک حسیں درمیان ہے پیارے
عشق کی ایک ایک نادانی علم و حکمت کی جان ہے پیارے
تو نہیں میں ہوں، میں نہیں تو ہے اب کچھ ایسا گمان ہے پیارے
رکھ قدم پھونک پھونک کر ناداں! ذرّے ذرّے میں جان ہے پیارے
کس کو دیکھے سے دل کو چوٹ لگی کیوں یہ اُتری کمان ہے پیارے

ہاں ترے عہد میں جگرؔ کے سوا
ہر کوئی شادمان ہے پیارے

(لکھنؤ)

○

درد بڑھ کر فغاں نہ ہو جائے　　یہ زمیں آسماں نہ ہو جائے

پھر کوئی مہرباں نہ ہو جائے　　سعیِ غم رائیگاں نہ ہو جائے

دور ہے عرصۂ عدم آباد　　گم کوئی ناتواں نہ ہو جائے

دل کو لے لیجئے، جو لینا ہے　　پھر، یہ سودا گراں نہ ہو جائے

موت سے ڈر نہیں مگر ہے یہ وہم　　عشق بے خانماں نہ ہو جائے

قسمتوں سے ملا ہے دردِ حبیب　　کہیں آرامِ جاں نہ ہو جائے

عشق اپنی خوشی سے کون کرے　　عشق اگر ناگہاں نہ ہو جائے

آہ کیجے، مگر لطیف تریں　　لب تک آ کر دھواں نہ ہو جائے

عشق کر ہی چکا تھا اپنا کام
دل اگر درمیاں نہ ہو جائے　　(لکھنؤ)

○

پسینہ موت کا بن کر نہ کیوں لہو آئے　　ارے غضب کہ یونہی پا برہنہ تو آئے

کرے نہ کام جو بلبل کا نالۂ خونیں　　نہ غنچے نیند سے چونکیں، نہ رنگ و بو آئے

دیا ہے عشق نے وہ مرتبہ بحمد اللہ
کہ آنکھ تک نہ اٹھاؤں اگرچہ تو آئے

ادا جو آئے، وہ سب بے عیب و بے قصور آئے ○ خدا وہ دن نہ کرے آپ کو غرور آئے

نکل کے عشق جو حدِ ادب سے دور آئے ۔ اُدھر سے کیسے چلے، اس طرف سے طور آئے

ذرا تو آنکھ کھلے، عقل میں شعور آئے ۔ ہم اپنے آپ میں آئیں تو وہ ضرور آئے

جسے ذرا بھی غمِ عشق پر غرور آئے ۔ ترے حضور نہ جائے مرے حضور آئے

چلوں میں راہِ محبت میں بے نیازانہ ۔ مری بلا سے، اگر وہ بھی ناصبور آئے

خود اپنی منزلِ دل محو ہوتی جاتی ہے ۔ نظر میں جب سے مقامات دور دور آئے

پئیں وہ شوق سے تنہا، مگر یہ کیا ممکن ۔ ہمیں سرور نہ آئے انہیں سرور آئے

ہزار سجدے کرے رات رات بھر زاہد ۔ جو دل ہی صاف نہ ہو کیا جبیں میں نور آئے

زمانے تک تری گلیوں کی خاک چھانی ہے ۔ مری نگاہ میں کیا جلوہ گاہ طور آئے

کسی کی مست خرامی کا واہ کیا کہنا ۔ کہ جیسے حافظِ شیراز چور چور آئے

مری طرف سے بھی اے کاروانِ شوق، سلام ۔ کہیں جو راہِ طلب میں مقامِ طور آئے

انہیں ہے عشق سے چشمک مگر یہ کون کہے ۔ وہ خود حسین ہے اُس کو نہ کیوں غرور آئے

عجیب چیز ہے میخانۂ تصور بھی ۔ یہاں سے ہوش میں پہنچے، وہاں سے چور آئے

مجاز ہو، کہ حقیقت، یہاں تو حال یہ ہے ۔ ترے حضور سے اٹھے، ترے حضور آئے

وہیں سے ہم کو ملا ہے سکونِ دل کیا کیا ۔ جہاں سے لوگ بہت ہو کے ناصبور آئے

ہزار بار لکھے نو بہار نامۂ شوق

ترے بلائے جگر آئے، نہ ضرور آئے

(لکھنؤ)

○

کیا گھڑی ہے، کیا سماں ہے، کس غضب کا جوش ہے

عشق کی بے تابیاں ہیں، حُسن کا آغوش ہے

وجد میں ہے مطربِ عشق، کُل فضا خاموش ہے

تیرتے پھرتے ہیں نغمے، بزمِ جاں مدہوش ہے

کیسے کیسے مست صہبائے محبّت کٹ مرے

او نشیلی آنکھ والے! کچھ تجھے بھی ہوش ہے

ایک دل ہے سینۂ عاشق میں لیکن الاماں

ایک قطرہ ہے، مگر ایسا کہ دریا نوش ہے

○

دیدۂ یار بھی پُر نم ہے خدا خیر کرے
آج کچھ اور ہی عالم ہے خُدا خیر کرے

اُس طرف غیرتِ خورشیدِ جمال اور اِدھر
زعمِ خودداریٔ شبنم ہے خدا خیر کرے

دل ہے پہلو میں کہ مچلا ہی چلا جاتا ہے
اور وہ خود سے بھی برہم ہے خُدا خیر کرے

رازِ بیتابیٔ دل کچھ نہیں کھُلتا لیکن
کل سے ورد آج بہت کم ہے خُدا خیر کرے

حُسن ہر گام پہ ہے سایہ فگن، دام فگن
عشق، آزادِ دو عالم ہے خُدا خیر کرے

○

عاشقی امتیاز کیا جانے — فرقِ ناز و نیاز کیا جانے

نگہِ شوق کی ہے سب تحریک — حسنِ تمہیدِ ناز کیا جانے

ہم سمجھتے ہیں رازِ رامش و رنگ — زاہدِ پاک باز کیا جانے

ناخنِ عشق کتنے ٹوٹ گئے — گرہِ نیم باز کیا جانے

سچ ہے سب نیک و بد ہمیں سے ہے — گردشِ چشمِ ناز کیا جانے

مسلکِ آشتیِ دیدہ و دل — شوقِ ہنگامہ ساز کیا جانے

شیخ پندارِ عشق سمجھا ہے — ناز اہلِ نیاز کیا جانے

غیرتِ بندگی و ناچاری — کوئی بندہ نواز کیا جانے

آئینے کی نزاکتیں ہے ہے — دستِ آئینہ ساز کیا جانے

آنکھ جو دیکھتی ہے، دیکھتی ہے — دل کے راز و نیاز کیا جانے

سبزۂ نَے پہ جو گزرتی ہے — وہ لبِ نَے نواز کیا جانے

حسن کی دل گدازیاں ہے ہے — عشق یہ سوز و ساز کیا جانے

رہروِ راہِ بیخودی ہے جگر
وہ نشیب و فراز کیا جانے

(بلند شہر)

دل گیا - رونقِ حیات گئی
غم گیا، ساری کائنات گئی[1]

دل دھڑکتے ہی پھر گئی وہ نظر
لب تک آئی نہ تھی کہ بات گئی

دن کا کیا ذکر تیرہ بختوں میں
ایک رات آئی ایک رات گئی

تیری باتوں سے آج تو واعظ
وہ جو تھی خواہشِ نجات گئی

اُن کے بہلائے بھی نہ بہلا دل
رائیگاں سعیِ التفات گئی

مرگِ عاشق تو کچھ نہیں لیکن
اِک مسیحا نفس کی بات گئی

اب جنوں آپ سے گریباں گیر
اب وہ رسمِ تکلفات گئی

ہم نے بھی وضعِ غم بدل ڈالی
جب سے وہ طرزِ التفات گئی

ترکِ اُلفت بہت بجا ناصح
لیکن اس تک اگر یہ بات گئی

جلوۂ ذات اے معاذ اللہ
تابِ آئینۂ صفات گئی

نہیں ملتا مزاجِ دل ہم سے
غالباً دُور تک یہ بات گئی

قیدِ ہستی سے کب نجات جگرؔ!
موت آئی اگر حیات گئی

[1] یہ مطلع بالکل ہی ابتدائی دور کی غزل کا ہے۔ پوری غزل جو اس زمانے میں کہی تھی فراموش ہو گئی اب بہت زمانے کے بعد دوسری نئی غزل ہوئی۔ جگرؔ

○

کھیل ہے بازیچۂ شام و سحر میرے لئے
دو گُل بازی ہیں یہ شمس و قمر میرے لئے

عشق ہی تنہا نہیں شوریدہ سر میرے لئے
حسن بھی بیتاب ہے اور کس قدر میرے لئے

وقف ہے صیّاد کی اِک اِک نظر میرے لئے
ہاں مُبارک یہ شکستِ بال و پر میرے لئے

گرم ہے ہنگامۂ شام و سحر میرے لئے
رات دن گردش میں ہیں شام و سحر میرے لئے

اس مقامِ عشق میں ہُوں مرحبا اے بیخودی
ذرّہ ذرّہ ہے جہاں گرمِ سفر میرے لئے

جذب ہو کر رہ گیا ہوں میں جمالِ دوست میں
عشق ہے تابندہ تر، پائندہ تر میرے لئے

میں نہیں کہتا کہ میں ہوں، تو ہو تیری خلوتیں
ہاں مگر سب سے جُدا خاص اک نظر میرے لئے

اللہ اللہ میں بھی کیا نازک دماغِ عشق ہوں
نکہتِ گُل بھی ہے وجہِ دردِ سر میرے لئے

رہ روِ راہ طلب کو خضر کی حاجت نہیں

ذرّہ ذرّہ ہے چراغِ رہ گزر میرے لئے

مجھ کو جنّت ہی جو دینا ہے تو یارب بخش دے

بس یہی دامانِ ترچشمانِ تر[1] میرے لئے

ترکِ مے سے اور بھی میں تو شرابی بن گیا

روز آ جاتا ہے مینائے سحر[2] میرے لئے

جس نے زاہد سے بھی کافر کر کے اُڑا ڈالے ہیں ہوش

اس سے بھی کچھ اور ساقی تیز تر میرے لئے

وُہ مرا ساغر بکف ہونا پشیمانی کے ساتھ

ابرِ رحمت کا وُہ اُٹھنا جھوم کر میرے لئے

کل شبِ مہتاب میں اک بلبلِ آفت نوا

بن رہا تھا مرکزِ فکر و نظر میرے لئے

ناگہاں لب ہائے برگِ گُل سے یہ آئی ندا

نالے کرتا ہے عبث اے بیخبر میرے لئے

---

[1] کریہ چشمان دل مبین جز دوست (سعدی) یہ لفظ متروک کر دیا گیا ہے لیکن میں جائز سمجھتا ہوں۔

[2] شرابی عموماً آخر شب تک پیتے پیتے بدمست ہو کر سو جاتا ہے اور اٹھتا ہے دن چڑھے۔اس لئے صبح صادق کے نشہ پاش منظر سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ ترک مے کے بعد اس لطیف منظر سے متاثر ہوتے رہنا بھی کچھ کم نہیں ۔ جگر

میں بھی ہوں تیری طرح خونیں جگر خونیں کفن
تو نہ اپنی جان کھو اے مُشتِ پر میرے لئے
بس یہ سُننا تھا کہ پائے گُل پہ گر کر مر مٹا
بن گیا اک نقشِ عبرت عمر بھر میرے لئے
زندگی اِک تہمتِ بیجا ہے میری ذات پر
موت اک الزامِ ناجائز جگرؔ میرے لئے
میں تو ہر حالت میں خوش ہوں لیکن اس کا کیا علاج
ڈبڈبا آتی ہیں وُہ آنکھیں جگرؔ میرے لئے

○

نگاہِ شوق جگر وقفِ چار سُو کیا ہے
جو دل حسیں ہو تو دُنیائے رنگ و بُو کیا ہے
خبر نہیں مجھے میں کیا ہُوں آرزو کیا ہے
کسی نے جب سے یہ سمجھا دیا کہ "تو کیا ہے"
جو دل میں ڈوب نہ جائے وُہ گفتگو کیا ہے
جو چھا نہ جائے وُہ پیغامِ آرزو کیا ہے
یہ چپکے چپکے دل و جاں سے گفتگو کیا ہے
یہ چھیڑ چھاڑ، یہ اندازِ آرزو کیا ہے

○

جگر یہ مئے ارغوانی نہیں ہے — ارے آگ ہے آگ، پانی نہیں ہے

مقامِ تحیر زمانی نہیں ہے — یہاں کوئی شے آنی جانی نہیں ہے

یہ کیا ہے جو سحرِ جوانی نہیں ہے — کہ ہے اور پھر بدگمانی نہیں ہے

مرا قصۂ عشق فانی نہیں ہے — یہ مُردہ دلوں کی کہانی نہیں ہے

حریفانہ رکھتا ہوں رسمِ محبت — رگوں میں مری خون پانی نہیں ہے

مرا عشق زندہ، مرا عزم راسخ — مجھے شکوۂ ناتوانی نہیں ہے

یہ کیا ہے کہ پہلو میں وہ بھی ہیں، لیکن — شبِ ماہ پھر بھی سہانی نہیں ہے

نہ ہو جس میں شامل ستم کا بھی پہلو — مرے حق میں وہ مہربانی نہیں ہے

سمجھ سوچ کر پاؤں آگے بڑھانا — حقیقت ہے دُنیا کہانی نہیں ہے

خجل جس سے ہونا پڑے دل ہی دل میں — وہ کچھ اور ہے مہربانی نہیں ہے

مجھے اُن سے مطلب، انہیں مجھ سے مطلب — کوئی واسطہ درمیانی نہیں ہے

یہ عالم ہے اب خشک آنکھوں میں اپنی — کہ طوفاں ہے برپا روانی نہیں ہے

محبت ازل سے مقدر پڑی تھی — یہ اُفتادِ غم ناگہانی نہیں ہے

جگر کا یہ نغمہ ہے اور سازِ مشرق
یہ مغرب زدوں کی کہانی نہیں ہے

○

وہ مست ہوں کہ الٹ دی جیب و آستیں میں نے
دکھا دیئے حرم و دیر سب یہیں میں نے

مٹا کے دل سے ہر اک نقشِ دلنشیں میں نے
تجھے بھی دیکھ لیا پا لیا یہیں میں نے

کبھی وہ وہم کہ میں کیا ہوں میرا سجدہ ہی کیا
کبھی یہ فکر جھکا دی اگر جبیں میں نے

تری نگاہ کے صدقے کہ پھر سے یاد آیا
بھلا دیا تھا جو اک درسِ اولیں میں نے

نہ حسن سے کوئی مطلب نہ عشق سے سروکار
کچھ اس طرح کی بھی گھڑیاں گزار دیں میں نے

الٰہی خیر کہ دیکھا ہے خواب میں دمِ صبح
شبابِ حسن کا اک پیکرِ حزیں میں نے

مری یہ فطرتِ معصومِ عشق ارے توبہ
کسی نے جو بھی کہا کر لیا یقیں میں نے

مگر جو تیری نگاہوں میں ہے وہ بات کہاں
ہزار دیکھ لیے یوں تو نکتہ چیں میں نے

تجھے خبر ہو جو ساقی تو مجھ پہ رشک کرے
الٹ دیئے ہیں جو دریائے آتشیں میں نے

(رسالہ جامعہ جنوری ۳۲ء)

○

دیکھا گیا نہ یہ بھی صیاد و باغباں سے
اک شاخِ گل بھی لپٹی اک شاخِ آشیاں سے

تقدیر سے شکایت کوئی نہ آسماں سے
شکوہ ہے صرف اپنے اک خاص مہرباں سے

کونین ہے عبارت اک عشقِ بے اماں سے
نکلا یہی فسانہ الٹا ورقِ جہاں سے

کس نے اٹھا دیا ہے پردہ حریمِ جاں سے
آنکھیں بھی مطمئن سی آنسو بھی شادماں سے

اس وقت کوئی دیکھے اعجاز سازِ فطرت
خود حسن نغمہ زن ہو جب عشق کی زباں سے

مدت کے بچھڑے دو دل باہم جو مل رہے ہیں
پھولوں کی بارشیں ہیں در ہائے آسماں سے

(رسالہ جامعہ مئی ۳۳ء)

○

مئے منصور پلا دے ساقی نور ہی نور پلا دے ساقی
پھر کبھی نام نہ لوں پینے کا اتنی بھرپور پلا دے ساقی
تا کجا ہستیِ ناکام مری شعلۂ طور، پلا دے ساقی
مے ظاہر تو بہت کچھ پی لی مئے مستور، پلا دے ساقی
تو تو ساقی ہے تجھے کام سے کام میں ہی چور، پلا دے ساقی
تشنہ کاموں سے اب انکار ہے کیوں حسبِ دستور، پلا دے ساقی
ساغرِ ظلمتِ غم میں بھر کر بادۂ نور، پلا دے ساقی
مئے گل رنگ کے جلوے کب تک حاصلِ طور، پلا دے ساقی
میں تو جب جانوں مری توبہ کے بعد کر کے مجبور، پلا دے ساقی
صبرِ ایوبؑ کی تجھ کو سوگند بیٹھے ہیں دور، پلا دے ساقی
ساغرِ ہوش میں اب تو بھر کے زرحِ منصور، پلا دے ساقی
تیری ہر شرط حقیقی و مجاز مجھ کو منظور، پلا دے ساقی
جانے کیا تشنے رُخِ افق تاب ہوئی میں ہوں مجبور، پلا دے ساقی

ایک ساغر میں زماں اور مکاں
کر کے معمور، پلا دے ساقی

(رسالہ جامعہ - فروری ۳۸ء)

○

تھی جو بُنیاد شادی و غم کی
دل نے وُہ انجمن ہی برہم کی

اُس نے شانوں پہ زُلف برہم کی
خیر یارب نظامِ عالم کی

آہ کی ہے صدا نہ ماتم کی
کیا طبیعت بدل گئی غم کی

تیری نسبت سے، تیری بخشش سے
اللہ اللہ راحتیں غم کی

اِتنے ہی مجھ سے وُہ قریب ہُوئے
میں نے جتنی ہی آرزو کم کی

یُوں تو پیاسے ہیں سبزہ و گل بھی
کِس نے دیکھی ہے پیاس شبنم کی

آئی تھی آج بھی نسیمِ سحر
آگ بھڑکا گئی جہنّم کی

اِک خطا پر، سزا ئے بے میعاد
ہائے تقدیر ابنِ آدم کی

تُو نے ہمدم یہ کس کا نام لیا
چھا گئیں دل پہ بدلیاں غم کی

جس کا جھکنا محال تھا سو آج
عشق نے وہ نگاہ بھی خم کی

عشق کا راز غیر کیا سمجھیں
پڑ نہ جائے نگاہ محرم کی

شانِ رحمت برس پڑی کیا کیا
اس خطا پر کہ ہر خطا کم کی

حُسن آیا تھا خود منانے کو
سو توجہ ہی عشق نے کم کی

خاطرِ حُسن تھی ہی کچھ برہم
دل نے دانستہ اور برہم کی

اللہ اللہ ہستیٔ شاعر!
قلب غنچے کا آنکھ شبنم کی

اس زمانے کا انقلاب نہ پُوچھ
رُوحِ شیطاں کی شکل آدم کی

اس کی ہر شان مرحبا لیکن ہائے رے شانِ حُسنِ برہم کی

○

میری جانب نگراں ہے کوئی — اب زماں ہے نہ مکاں ہے کوئی

وہیں میں بھی ہوں جہاں ہے کوئی — دل ہے یا تختِ رواں ہے کوئی

اب تو یوں محرمِ جاں ہے کوئی — جیسے رگ رگ میں نہاں ہے کوئی

گرم شکووں میں رواں ہے کوئی — ق — سرد آہوں میں نہاں ہے کوئی

میں نے گھبرا کے جو اک روز جگر — دی یہ آواز کہاں ہے کوئی

درد چیخا کہ مجھی میں ہے وہ شوخ — غم پکارا کہ یہاں ہے کوئی

اے غمِ عشق ترا کیا کہنا — پہلے تُو بعد ازاں ہے کوئی

غیرتِ عشق یہ کیا سنتا ہوں؟ — غیر از دوست کہاں ہے کوئی

نہیں ہٹتی، نہیں ہٹتی تری یاد — یہ بھی کیا رشتۂ جاں ہے کوئی

کس کے دل پر نہیں اس کا سایہ — ق — غم ہے یا سحرِ رواں ہے کوئی

ہمہ ساز و ہمہ سوز و ہمہ درد — زندگی ہے کہ فغاں ہے کوئی

ہر نفس اب تو یہ دیتا ہے صدا — کہ پسِ پردۂ جاں ہے کوئی

دل کی اب فکر کرے میری بلا
مجھ سے بڑھ کر نگراں ہے کوئی

(در رسالہ جامعہ جولائی ۳۸ء)

○

حُسن کامل ہے ترا، اور بھی کامل ہو جائے
میری گستاخ نگاہی بھی جو شامل ہو جائے

شعر و الہام تو کیا عرش بھی نازل ہو جائے
دل جو اِک شے ہے حقیقت میں اگر دل ہو جائے

جس طرف آنکھ اُٹھے حُسن مقابل ہو جائے
عشق خود ہی نہ اگر پردۂ حائل ہو جائے

دونوں عالم سے فراغت مجھے حاصل ہو جائے
عشق اگر حُسن بنے، حُسن مرا دل ہو جائے

اُف رے تقدیرِ چمن، ہائے رے بیدادِ فلک
غنچہ کھِلنے بھی نہ پائے کہ مرادل ہو جائے

مجھ کو منظور دو عالم سے رقابت لیکن
وُہ نگاہِ متبسم طرفِ دل ہو جائے

میں رُخِ عشق سے پردہ تو اُٹھا دوں لیکن
ڈر یہ ہے تو نہ کہیں عشق پہ مائل ہو جائے

غیر تو غیر ہے، اے عشق گوارا نہ کر دل
میرے عالم میں اگر خود بھی وُہ شامل ہو جائے

ارتباط اب نہ بڑھا اور زیادہ اے دوست!
مجھ کو ڈر ہے کہ ترا دل نہ مرا دل ہو جائے

حیف وہ حسن کا پندار جو کھا جائے شکست
ہائے وہ زعمِ محبت کہ جو باطل ہو جائے

دل کے آثار ابھی تک تو بہت اچھے ہیں
کہیں اسرارِ محبت پہ نہ مائل ہو جائے

رنگِ چہرہ نہ اُڑے اور محبت برسے
لب کو جُنبش نہ ہو اور شرحِ غمِ دل ہو جائے

میں تو مر جاؤں مرا عشق کہیں کا نہ رہے
اک نفس بھی جو فراغت مجھے حاصل ہو جائے

مجھ کو دینا تھا غمِ عشق، نہ اس طرح مگر
کہ مرا عقدۂ دل ہی مجھے مشکل ہو جائے

ہر ستم مجھ کو گوارا مگر اس شرط کے ساتھ
ہر ستم کے لئے مخصوص مرا دل ہو جائے

عشق ہر رنگ میں ہے اپنی حقیقت کی دلیل
یہ وہ دعویٰ ہی نہیں ہے کہ جو باطل ہو جائے

(رسالہ جامعہ۔ جون ۱۹۳۸ء)

آج ایسا نگہِ مست کا اک وار ہُوا — دل کا کیا ذکر، سنبھلنا مجھے دُشوار ہُوا

○

وُہی ہے عشق، وُہی حُسن ہے، وُہی سب کچھ — مگر، کسی سے کسی کا جواب ہو نہ سکا
اُمید ہے تری رحمت اسے بھی دھو ڈالے — وُہ اک گناہ جو غرقِ شراب ہو نہ سکا

○

اب کیا کریں اے جوشِ طلب تیری قسم اور — بڑھتا ہے اگر شوق تو رُکتے ہیں قدم اور
طرفین غمِ عشق کے ہیں تازہ ستم اور — اب دیکھئے کیا ہو کہ نہ تم اور نہ ہم اور

○

شکوہ تو کیا، ہو نہ سکی آہ تک — ہمتِ اربابِ وفا، کچھ نہیں
لُطف ہے کچھ اُس نے کہا زیرِ لب — میں نے جو پوچھا تو کہا "کچھ نہیں"

○

یونہی حیراں پریشاں سوزِ صبح و شام کرتے ہیں — جنونِ عشق کے مارے کہیں آرام کرتے ہیں
ہجومِ آرزو، شوقِ فراواں، دردِ بیتابی — وہ جس پر چاہتے ہیں اُس پہ یوں اکرام کرتے ہیں

○

اِک جگہ بیٹھ کے پی لوں مرا دستور نہیں
میکدہ تنگ بنا دوں مجھے منظور نہیں

قیدِ آدابِ محبّت بھی مجھے منظور نہیں
عشق دستور ہے خود عشق کا دستور نہیں

برقِ غیرت مری ہستی کو جلا دے تسلیم
چھپ کے پردے میں رہے حسن یہ منظور نہیں

کیا انا الحق کا ترانہ کہ اب اس دُنیا میں
رسن و دار نہیں شبلی و منصور نہیں

○

تجھی میں ہے جگر اک حسنِ معتبر پنہاں
بہار در بر و میخانہ در نظر پنہاں

بہت اشارۂ مبہم مگر لطیف ترین
ہزارہا نگہِ ملتفت مگر پنہاں

جگر کو درسِ حقیقت بہت نہ دے واعظ
وُہ بے خبر تو بظاہر ہے با خبر پنہاں

○

دل ہے قدموں پر کسی کے سر جھکا ہو یا نہ ہو
بندگی تو اپنی فطرت ہے خدا ہو یا نہ ہو

یہ جنوں بھی کیا جنوں ہے یہ چال بھی کیا چال ہے
ہم کہے جاتے ہیں کوئی سُن رہا ہو یا نہ ہو

○

عبث دھمکا رہے ہیں عشق میں اہلِ وفا مجکو
مجسّم زندگی ہوں چھو نہیں سکتی قضا مجکو

○

جلوہ وہ کونسا ہے جو صورت کشا نہ ہو — اے اعتبارِ شوق! جو تُو ہو تو کیا نہ ہو

خود ہے جمالِ دید ہی وجہِ حجابِ دید — دیکھوں اُسے، وہ مجھ کو اگر دیکھتا نہ ہو

○

کس کی نگاہ کا فرِ غمّاز بن گئی ہے — میری تمام ہستی آواز بن گئی ہے

○

دیکھ لو رنگِ روئے ناکامی — یہ نہ پوچھو کہ بیکسی کیا ہے؟

○

گزر گیا ہوں یُوں بھی میں منازلِ حیات سے — کہ جیسے کچھ غرض نہیں حیات سے ممات سے

○

جب سے وہ آنکھ شرمسار سی ہے — دل کو تسکینِ بیقرار سی ہے

دیکھتے یاس بھی لیے ہے نہ رہے — یُوں تو ظاہر میں وضعدار سی ہے

○

مرے گناہوں کا کیا ٹھکانہ خیال سے شرم آ رہی ہے

رواں ہیں آنکھوں سے اشکِ پیہم حیات گنگا بہا رہی ہے

○

جب اس طرف سے کوئی اہلِ نظر گیا ہے — دل کی نزاکتوں پہ عالم گزر گیا ہے

○

جب سے مری آنکھوں میں تم ہی جلوہ گری ہے
دُنیا مرے نزدیک تبسم سے بھری ہے
یہ نشہ بھی کیا نشہ ہے کہتے ہیں جسے حُسن
جب دیکھئے کچھ نیند سی آنکھوں میں بھری ہے

○

یہ چاہتا ہوں الٰہی کہ کچھ دنوں کے لئے
خود اپنے عشق میں وہ شوخ مبتلا ہو جائے
خدا کی شان کہ شورش حجابِ راز بنے
سکوت آئینہ رُشئے مدّعا ہو جائے

○

مجھے تو رشک آتا ہے غمِ جاناں کی ہستی پر
بدل لے کاش اپنی زندگی سے زندگی میری
اُسے صیاد نے کچھ گل نے کچھ بلبل نے کچھ سمجھا
چمن میں کتنی معنی خیز تھی اک خامشی میری

○

جب نظر اپنی حقیقت آئی
مجھ پہ خود میری طبیعت آئی

○

کہاں تک عذابِ محبت اُٹھائیں
بس اب وہ ہمیں ہم انہیں بھول جائیں

○

کوچۂ یار سے محبّت ہے
در و دیوار سے محبت ہے
یار و اغیار سے محبّت ہے
گل تو گل خار سے محبت ہے
مری صحرا نوردیاں، توبہ
ہر سرِ خار سے محبت ہے

○

دیرینہ دوستیٔ خروشِ انفاس کا لحاظ — اے محتسب نزاکتِ احساس کا لحاظ

○

یہی حسن و عشق کا راز ہے، کوئی راز اس کے سوا نہیں
کہ خدا نہیں تو خودی نہیں جو خودی نہیں تو خدا نہیں

○

محبّت کس کو کہتے ہیں، محبت کی بقا کیا ہے
خدائی کس کو کہتے ہیں، خودی کیا ہے، خدا کیا ہے

○

خودی کا اک تصوّر داروائی اور لامحدود
نشاتی اور حیاتی اور فداتی اور لا محدود

○

ہمہ تن وجد میں آ، رقص میں آ، جوش میں آ
عشق کو ہوش میں لانا ہے تو خود ہوش میں آ

○

جہاں کی بزم آرائی ہے میں ہوں — ہجوم رنجِ تنہائی ہے، میں ہوں

○

○

دل نے کچھ ایسی دھن میں آج نغمۂ شوق گا دیا
عشق بھی جھوم جھوم اٹھا، حسن بھی مسکرا دیا

مجھ کو خدائے عشق نے جو بھی دیا بجا دیا
اُتنی ہی تابِ ضبط دی جتنا ہی غم سوا دیا

آتشِ تر نے ساقیا کچھ نہ مجھے مزا دیا
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے تو نے یہ کیا پلا دیا

جذبِ جنوں نے آج نو گُل ہی نیا کھلا دیا
خود وہ گلے لپٹ گئے عشق کا واسطا دیا

شوق نے بیخودی میں جب دستِ طلب بڑھا دیا
غیرتِ عشق نے وہیں پہلو سے دل دبا دیا

میں کہ تھا ایک مشتِ خاک حُسن جو مسکرا دیا
عشق کی رُوح پھونک دی، رُوح کو جگمگا دیا

تو رہے تیرا غم رہے، میں رہوں میرا دم رہے
کون تجھے بھلا سکا، کس نے تجھے بھلا دیا

میرے جنونِ عشق کی کیوں نہ ہو عاقبت خراب
مجھ کو ہنسا ہنسا کے آج، اُن کو رُلا رُلا دیا

میں بھی نہ لوں جو انتقام مجھ پہ ہے عاشقی حرام
دل نے تو کر کے اہتمام حُسن کا دل دکھا دیا

○

خیر ہو اے نسیمِ ناز پھیل نہ جائے بوئے راز
تو نے یہ کیا غضب کیا غنچۂ دل کھلا دیا

میرے ہجومِ شوق پر منہ سے تو کچھ نہ کہہ سکے
چہرے پہ رنگ آ گیا ہاتھ مرا دبا دیا

حسن بھی رشک سے بری ہو نہ سکا نہ ہو کبھی
اپنے سوا ہر ایک نقش دل سے مرے مٹا دیا

شکوہ کروں ترا کہ شکر ہائے رے التفاتِ دوست
جو نہ کہیں بھی جھک سکا تو نے وہ سر جھکا دیا

بیٹھے ہیں سر جھکائے کیوں خاکِ مزار پر وہ اب
خاک سے پھر غرض ہی کیا خاک میں جب ملا دیا

ترکِ تعلقات سے عشق کہیں ہے بے نیاز
کہنے کی بات ہے فقط کس نے کسے بھلا دیا

حسن ہے حسن بے اماں ضد نہ کر اے غمِ نہاں
پھر یہ نگاہ و دل کہاں پردہ اگر اٹھا دیا

قسمتِ حسن و عشق سے مجھ کو نہیں ہے کچھ گلہ
تجھ کو غرور اگر دیا مجھ کو بھی حوصلہ دیا

شکرِ شباب و یادِ یار، درد فراق و انتظار
آنکھ کھلی سلا دیا، آنکھ لگی جگا دیا

کفر کہاں کہاں جگر اور بتِ سنگ دل مگر
ہائے رے شوقِ فتنہ گر تجھ کو خدا بنا دیا

○

فتنۂ روزگار میں امن ہے کیا قرار کیا　　حاصلِ زیست غم سہی، غم کا بھی اعتبار کیا

عشق کمالِ ہوش ہے ہوش سے ننگ و عار کیا　　سینہ چاک چاک کیوں دامن تار تار کیا

دیدہ و دل پہ دسترس، جان پہ اختیار کیا　　ہو چکے اُن کے جب ہمیں، اُن پہ کریں نثار کیا

عشقِ خزاں مزاج سے لطفِ جمال پوچھئے　　جن کی نظر ہے خود بہار اُن کے لئے بہار کیا

نازسے مسکرا کے دیکھ چشمِ حیا اُٹھا کے دیکھ　　دل سے حریف کے لئے نیچی نظر کا وار کیا

ق

سوزِ تمام چاہیئے، رنگِ دوام چاہیئے

شمع تہِ مزار ہو، شمعِ سرِ مزار کیا

کارِ عظیم چاہیئے، طبعِ سلیم چاہیئے

عزمِ صمیم چاہیئے، فکرِ مآلِ کار کیا

اُٹھ! کہ نظامِ کائنات مائلِ ابتری ہے پھر

وقت ہے تیرے ہاتھ میں وقت کا انتظار کیا

میں نے کیا ہے جرمِ عشق مجھ سے ہوئی خطائے شوق　　خواہشِ عفو کس لئے بخششِ حسنِ یار کیا

فطرتِ شوق کی قسم، غیرتِ عشق کی قسم　　دولتِ دو جہاں سہی، دولتِ مستعار کیا

منزلِ عشق میں جگر غیر تو پھر بھی غیر ہیں

دل پہ بھی اعتماد کیوں اپنا بھی اعتبار کیا

○

مانا کہ ہم پہ جور و جفا کیجئے گا آپ　　لیکن ہمیں نہ ہوں گے تو کیا کیجئے گا آپ

ہر چند ضبط حد سے سوا کیجئے گا آپ　　آنسو نہ تھم سکیں گے تو کیا کیجئے گا آپ

تنہائیاں تو ایک طرف سب کے سامنے　　پھرتے اُداس اُداس رہا کیجئے گا آپ

ہوتا ہے ایک دن جنہیں مشہورِ خاص و عام　　کس دل سے وہ فسانے سنا کیجئے گا آپ

ہر چند لا سکے گا زباں پر نہ رازِ عشق　　نظریں پکار اٹھیں گی تو کیا کیجئے گا آپ

چھپ چھپ کے جب نہ رو بھی سکیں گے بقدرِ ظرف　　گھٹ گھٹ کے دل ہی دل میں رہا کیجئے گا آپ

اکثر تو انتہائے تصور میں ناگہاں　　آغوشِ شوق کھول دیا کیجئے گا آپ

آنکھوں کی نیند دل کی خلش کا نہیں علاج　　بستر سے آہ کر کے اٹھا کیجئے گا آپ

زلفِ رمیدہ تو جو پریشاں نہ رہ سکی　　رُخ پر پریدہ رنگ کو کیا کیجئے گا آپ

چھیڑوں پہ ہم سخنوں کی تبسم تو کیا مگر　　اِک فرض ناگوار ادا کیجئے گا آپ

رہتا نہیں ہے جس میں کہ یارائے صبر و ضبط　　کیا جانے اُس جنون میں کیا کیجئے گا آپ

جب کچھ نہ بن پڑے گا مداوائے دردِ ہجر
رو رو کے مغفرت کی دعا کیجئے گا آپ

○

ذرّوں سے باتیں کرتے ہیں دیوار و در سے ہم
مانوس کس قدر ہیں تری رہ گذر سے ہم

چھیڑیں کسی سے اور ہمارے ہی سامنے
لڑتے ہیں دل ہی دل میں نسیمِ سحر سے ہم

اتنی سی بات پر ہے بس اِک جنگِ زرگری
پہلے اُدھر سے بڑھتے ہیں وُہ یا اِدھر سے ہم

کیوں کر نہ ہو نظامِ دو عالم میں ابتری
کچھ بے خبر سے آپ ہیں کچھ بے خبر سے ہم

حیرت خود ایک محشرِ خاموش بن گئی
بچ کر چلے تھے فتنۂ شام و سحر سے ہم

ذرّوں کو حُسن و عشق سے معمور کر دیا
دامن فشاں گزر گئے جس رہ گذر سے ہم

کوئی حسیں حسیں ہی ٹھہرتا نہیں جگر
باز آئے اس بلندیٔ ذوقِ نظر سے ہم

اُردو نظمیں

شکستِ توبہ

ساقی کی ہر نگاہ پہ بل کھا کے پی گیا
لہروں سے کھیلتا ہوا، لہرا کے پی گیا

بے کیفیوں کے کیف سے گھبرا کے پی گیا
توبہ کو توڑ تاڑ کے، تھرّا کے پی گیا

زاہد! یہ میری شوخیٔ رندانہ دیکھنا
رحمت کو باتوں باتوں میں بہلا کے پی گیا

سر مستیٔ ازل، مجھے جب یاد آ گئی
دنیائے اعتبار کو ٹھکرا کے پی گیا

آزردگیٔ خاطرِ ساقی کو دیکھ کر
مجھ کو، یہ شرم آئی کہ شرما کے پی گیا

اے رحمتِ تمام! مری ہر خطا معاف
میں انتہائے شوق میں گھبرا کے پی گیا

پیتا بغیرِ اذن، یہ کب تھی مری مجال
در پردہ چشمِ یار کی شہ پا کے پی گیا

اُس جانِ میکدہ کی قسم بارہا جگر!
کُل عالمِ بسیط پہ میں چھا کے پی گیا

غمِ انتظار

نظر ہے وقفِ غمِ انتظار کیا کہنا! کھنچی ہے سامنے تصویرِ یار، کیا کہنا
یہ چشمِ مست، یہ ابرو، یہ زلف، یہ خد و خال یہ لب، یہ رُخ، یہ جبیں، یہ عذار، کیا کہنا
شباب اور مکمل شباب! ارے توبہ بہار اور مجسّم بہار، کیا کہنا
تصادمِ نگہِ شوق، اے معاذ اللہ تبسّمِ نگہِ فتنہ کار، کیا کہنا
فروغِ حسن و نوائے سرود و طرفِ چمن شرابِ عشق و لبِ جوئے بار، کیا کہنا
گل و بنفشہ و نسرین و نسترن، کیا خوب بہار و سایۂ ابرِ بہار، کیا کہنا،
بیانِ درد و زبانِ خموش و عرضِ نیاز جبینِ شوق و کفِ پائے یار، کیا کہنا
گزارشِ دلِ غم آفریں معاذ اللہ نگارشِ غمِ ہمّت شکار، کیا کہنا
تمام شوق و شکایت، تمام مہر و وفا فسانۂ دلِ بے اختیار، کیا کہنا
فسونِ نیم نگاہی و سحرِ استغنا سکوتِ حسن و لبِ نغمہ بار، کیا کہنا
وفورِ بیخودی و ضبطِ غم، جزاک اللہ سرورِ بادۂ ناخوشگوار، کیا کہنا
شراب ریز نشیلی نگہ، ارے توبہ پیالہ گیر کفِ رعشہ دار، کیا کہنا
نمک روانیِ اشک و خنک نسیمِ کرم نشاطِ دردِ دلِ بے قرار، کیا کہنا
کرم نما ستمِ نازِ حسن، ارے توبہ ستم نما کرمِ خاصِ یار، کیا کہنا
نگاہِ ناز کے پیہم اشارہ ہائے لطیف شکستِ شیشۂ دل بار بار، کیا کہنا
حریمِ حسن کے پردے اُٹھے ہوئے ہیں جگرؔ! یہی اگر ہے غمِ انتظار، کیا کہنا

تصویر و تصوّر

وہ کب کے آئے ہیں اور گئے بھی نظر میں اب تک سما رہے ہیں
یہ چل رہے ہیں وہ پھر رہے ہیں یہ آ رہے ہیں وہ جا رہے ہیں

وہی قیامت ہے قدِ بالا، وہی ہے صورت، وہی سراپا
لبوں کو جنبش، نگہ کو لرزش، کھڑے ہیں اور مسکرا رہے ہیں

وہی لطافت، وہی نزاکت، وہی تبسم، وہی ترنّم
میں نقشِ حرماں بنا ہوا تھا، وہ نقشِ حیرت بنا رہے ہیں

خرامِ رنگیں، نظامِ رنگیں، کلامِ رنگیں، پیامِ رنگیں
قدم قدم پر روش روش پر نئے نئے گل کھلا رہے ہیں

شباب رنگیں، جمال رنگیں، وہ سر سے پا تک تمام رنگیں
تمام رنگیں بنے ہوئے ہیں، تمام رنگیں بنا رہے ہیں

تمام رعنائیوں کے مظہر، تمام رنگینیوں کے منظر
سنبھل سنبھل کر، سمٹ سمٹ کر، سب ایک مرکز پہ آ رہے ہیں

بہارِ رنگ و شباب ہی کیا، ستارہ و ماہتاب ہی کیا
تمام ہستی جھکی ہوئی ہے، جدھر وہ نظریں جھکا رہے ہیں
طیورِ سرشار ساغرِ مُل، ھلاکِ تنویرِ لالہ و گل
سب اپنی اپنی دھنوں میں مل کر، عجب عجب گیت گا رہے ہیں
شراب آنکھوں سے ڈھل رہی ہے، نظر سے مستی اُبل رہی ہے
چھلک رہی ہے، اچھل رہی ہے، پیئے ہوئے ہیں پلا رہے ہیں
خود اپنے نشّے میں جھومتے ہیں، وہ اپنا منہ آپ چومتے ہیں
خرابِ مستی بنے ہوئے ہیں، ہلاکِ مستی بنا رہے ہیں
فضا سے نشّہ برس رہا ہے، دماغ پھولوں میں بس رہا ہے
وہ کون ہے جو ترس رہا ہے، سبھی کو مے کش بنا رہے ہیں
زمین نشّہ، زمان نشّہ، جہان نشّہ، مکان نشّہ
مکان کیا؟ لامکان نشّہ، ڈبو رہے ہیں، پلا رہے ہیں
وہ روئے رنگیں و موجۂ یم، کہ جیسے دامانِ گل پہ شبنم
یہ گرمیٔ حسن کا ہے عالم، عرق عرق ہیں، نہا رہے ہیں
یہ مست بلبل بہک رہی ہے، قریبِ عارض چہک رہی ہے
گلوں کی چھاتی دھڑک رہی ہے، وہ دستِ رنگیں بڑھا رہے ہیں

یہ موج و دریا، یہ ریگ و صحرا، یہ غنچہ و گل، یہ ماہ و انجم
ذرا جو وہ مسکرا دیتے ہیں، یہ سب کے سب مسکرا رہے ہیں

فضا یہ نغموں سے بھر گئی ہے کہ موجِ دریا ٹھہر گئی ہے
سکوت نغمہ نما ہوا ہے، وہ جیسے کچھ گنگنا رہے ہیں

اب آگے جو کچھ بھی ہو مقدر، رہے گا لیکن یہ نقش دل پر
ہم اُن کا دامن پکڑ رہے ہیں، وہ اپنا دامن چھڑا رہے ہیں

یہ اشک جو بہہ رہے ہیں پیہم، اگرچہ سب ہیں یہ حاصلِ غم
مگر یہ محسوس ہو رہا ہے کہ یہ بھی کچھ مسکرا رہے ہیں

ذرا جو دم بھر کو آنکھ جھپکی، یہ دیکھتا ہوں نئی تجلّی
طلسمِ صورت مٹا رہے ہیں، جمالِ معنی بنا رہے ہیں

خوشی سے لبریز شش جہت ہے، زبان پر شورِ تہنیت ہے
یہ وقت وہ ہے جگر کے دل کو وہ اپنے دل سے ملا رہے ہیں

(الہ آباد و کانپور)

نرگسِ مستانہ

اپنا ہی سا، اے نرگسِ مستانہ بنا دے
میں جب تجھے جانوں، مجھے دیوانہ بنا دے

ہر قید سے ہر رسم سے بیگانہ بنا دے
دیوانہ بنا دے، مجھے دیوانہ بنا دے

اک برقِ ادا، خرمنِ ہستی پہ گرا کر
نظروں کو مری طُور کا افسانہ بنا دے

ہر دل ہے تری بزم میں لبریزِ مئے عشق
اک اور بھی پیمانے سے پیمانہ بنا دے

تو ساقیِ میخانہ ہے، میں رندِ بلا نوش
میرے لئے میخانے کو پیمانہ بنا دے

اللہ نے تجھ کو مے و میخانہ بنایا
تو ساری فضا کو مے و میخانہ بنا دے

یا دیدہ و دل میں مرے تو آپ سما جا
یا پھر دل و دیدہ ہی کو ویرانہ بنا دے

قطرے میں وہ دریا ہے، جو عالم کو ڈبو دے
ذرّے میں وہ صحرا ہے کہ دیوانہ بنا دے

لیکن مجھے ہر قیدِ تعیّن سے بچا کر
جو چاہے وہ اے نرگسِ مستانہ بنا دے

عالم تو ہے دیوانہ جگرؔ! حسن کی خاطر
تو اپنے لئے حسن کو دیوانہ بنا دے

کب تک نگہِ یار نہ ہوگی متبسّم
تو اپنا ہر انداز حریفانہ بنا دے

منکر تو نہ بن حسن کے اعجازِ نظر کا
کہنے کے لئے آپ کو بیگانہ بنا دے

جب تک کرمِ خاص کا دریا نہ اُمنڈ آئے تو اور بھی حال اپنا سیفہانہ بنا دے

بتخانے میں آنکلے تو کعبے کی بنا ڈال کعبے میں پہنچ جائے تو بتخانہ بنا دے

جب مائلِ الطاف نظر آئے وہ خود ہیں تو ہر نگہِ شوق کو افسانہ بنا دے

کونین بھی مل جائے تو دامن کو نہ پھیلا کونین کو بھولا ہوا افسانہ بنا دے

جو موج اُٹھے دل سے ترے جوشِ طلب میں سر رکھ کے دہیں سجدۂ شکرانہ بنا دے

پھر عرض کر اس طرح جگرؔ اشوقِ ادب سے

بیباک اگر جرأتِ رندانہ بنا دے

تجھ کو نگہِ یار! قسم میرے جنوں کی ناصح کو بھی میرا ہی سا دیوانہ بنا دے

بس ہم سے ترے قدموں میں مجھے کچھ نہیں کہنا

اب جو بھی ترا لطفِ کریمانہ بنا دے

(الہ آباد)

یادِ ایّام

ذوقِ صوتِ سازو شوقِ جلوہ ساماں داشتم
یادِ ایّامے کہ منزل، منزلِ جاں داشتم

دست در دستِ نگارِ شوخ بسیرِ کوہسار
بود حاصل ہر تمنّائے کہ پنہاں داشتم

از جمالِ حسنِ ساقی صد بہاراں در نظر
در فروغِ بادہ، بر خود صد گلستاں داشتم

در فضائے آسمانِ حسن، چوں سیّارگاں
اصغر و ہم شاد و ہم اختر غزلخواں داشتم

آہ آں ساعت کہ از فیضِ جمالِ ہمنشیں
ہر نفس، در ہر نظر، جنّت بداماں داشتم

حسرتِ آفت سرشتے، آرزوئے بیقرار
آنچہ در دل داشتم، بے حدّ و پایاں داشتم

محشرستاں بودم از فیضِ دردِ مستقل
پیشِ چشمِ شوق ہر سو محشرستاں داشتم

ہم چمن آوارہ ام ہم سر بہ صحرا دادہ ام
من جگر ہستم ہماں کامروز دور افتادہ ام

یاد ہیں اب تک جگرؔ! وہ بیقراری کے مزے
دردِ پیہم کی لگاوٹ، زخم کاری کے مزے

وہ جبینِ شوق اپنی، وہ کسی کے پائے ناز
سجدہ ریزی کی لطافت اشکباری کے مزے

حسن کی سرشاریاں، خوابِ جوانی کی بہار
عشق کی بیتابیاں، شب زندہ داری کے مزے

کہئے کیا؟ کیفیتِ نازو نیازِ حسن و عشق
رازداری جانتی ہے رازداری کے مزے

وہ سکونِ بیخودی، وہ جلوۂ حیرت فروش وہ جنونِ شوق، وہ بے اختیاری کے مزے

شوق کی رودادِ پُر، وہ حسن کی بے مہریاں عشق کی فریادِ پُر، وہ شرمساری کے مزے

آنکھوں آنکھوں میں تقاضا کچھ نگاہِ ناز کا دل ہی دل میں اُف وہ ذوقِ جاں نثاری کے مزے

انتہائے سادگی و شوق سامانی کے لطف ابتدائے عاشقی و خامکاری کے مزے

دل مجسّم درد ہے، دل ہی سے اک دن پوچھیے شام سے لیکر سحر تک، دم شماری کے مزے

ہر جمالِ نو کی پیہم اللہ اللہ شانِ خاص، ہر خیالِ تازہ کی نا استواری کے مزے

عشق کے مضبوط ترکِ عہدِ مطلب کی شکست حسن کی نامستقل غفلت شعاری کے مزے

وہ اک آہِ آتشیں کا جانِ مضطر سے سلوک وہ نگاہِ شرمگیں کی غم گساری کے مزے

اپنی ہر لغزش سے پیدا عشق کا لطفِ یقیں اس کے ہر انداز پر بے اعتباری کے مزے

آہ، وہ دورِ محبت کی گزشتہ لذتیں خوشگواری کے مزے، ناخوشگواری کے مزے

ہر نفس ہے اب تو اعلانِ شکستِ آرزو اب کہاں بے پردگی میں پردہ داری کے مزے

قطرہ قطرہ موجِ صہبا، ذرہ ذرہ جامِ جم اب کہاں سے لائیے اس میگساری کے مزے

شورِ مستانہ کجا و جلوۂ ساقی کجا
آہ، آں منظر کجا و آں مے باقی کجا

اے کہ وابستہ ترے دم سے نظامِ آرزو سُن پیامِ آرزو، بعد از سلامِ آرزو

تو کہ جانِ حسن ہے اور حسن تیری جان ہے ہاں مبارک ہو تجھے عیشِ دوامِ آرزو

تیری ہر موجِ تبسم، تیری ہر موجِ نظر ایک برقِ طور تھی، بالائے بامِ آرزو

تیرا روئے آتشیں، مسجودِ صبحِ دلبری تیری زلفِ عنبریں، معبودِ شامِ آرزو

چشم و دل پر وہ عنایت، وہ کرم، وہ مرحمت اللہ اللہ، تو کرے یوں احترامِ آرزو

میں نہیں بھولا تجھے، تجھ کو بھی شاید یاد ہو مجھ پہ وہ چھایا ہوا کیفِ تمامِ آرزو

حرفے از دردِ دلِ بے مدعا گفتن است
ماجرائے گفتن و صد ماجرائے گفتن است

(اٹاوہ)

مجذوب کی صدا

اسی تلاش و تجسس میں کھو گیا ہوں میں
اگر نہیں ہوں تو کیونکر؟ جو ہوں تو کیا ہوں میں؟

بیانِ جرمِ محبت ہے، جانتا ہوں میں
خطا معاف، کہ مجبورِ التجا ہوں میں

فریب خوردۂ رنگینیٔ ادا ہوں میں
نظر کی چند شعاعوں میں گھر گیا ہوں میں

تمام اصل و حقیقت کا آئینہ ہوں میں
خدا نہیں ہوں، مگر مظہرِ خدا ہوں میں

کرشمہ سازیٔ ہنگامۂ جہاں معلوم
خود اپنے حسنِ صفائی پہ مبتلا ہوں میں

جہانِ عشق میں آوارگی نہ پوچھ مری
ازل سے گرمِ رہِ عرصۂ بلا ہوں میں

گواہ ہیں مری رسوائیاں محبت میں
تمام شوق ہوں، اور شوقِ برملا ہوں میں

جنونِ عشق میں، عریانیوں پہ میری نہ جا
بہت قریب، بڑا دیر آشنا ہوں میں

نہ بود و بود کا، کل راز جس میں مضمر ہے
بساطِ عجز پہ وہ نقشِ ابتدا ہوں میں

فتادگی مرا شیوہ، شکستگی مری شان
خود اپنی راہِ حقیقت کا رہنما ہوں میں

سمجھ میں خاک نہ آئیں گے معنی و مطلب
مجھے نہ سن، کہ بہت دور کی صدا ہوں میں

گراں ہے میری لطافت پہ یہ غبارِ وجود
اُسے بقا مری سمجھو، اگر فنا ہوں میں

کدھر ہے؟ منظرِ ہستی کے دیکھنے والے
یہ ساز وہ نہیں جس ساز کی صدا ہوں میں

وہ جام اک مئے بے رنگ کا پلا ساقی! کہ بھول کر بھی نہ پھر مجھ پہ ماسوا ہوں ہیں
بجا ہے حسن اگر مجھ پہ اعتماد کرے دلِ ربودہ و آہِ شکستہ پا ہوں ہیں
نگاہِ شوق کو بھی رخصتِ کلام نہ دی مزاجِ حسن سے کس درجہ آشنا ہوں ہیں
قدم ذرا جو ہٹے جادۂ وفا سے کہیں ہر ایک ذرہ پکارا کہ دیکھتا ہوں ہیں
کھلا ہوا ہے مرے سامنے صحیفۂ عشق سمجھ رہا ہوں، مگر کیا سمجھ رہا ہوں ہیں
مٹائے لاکھ زمانہ، مٹا نہیں سکتا، اگر یہ سچ ہے کہ تیری ہی اک ادا ہوں ہیں
ہر ایک شے نظر آتی ہے خود مری تصویر جہاں سے منظرِ فطرت کو دیکھتا ہوں ہیں
فضائے دہر کی ہر موج جس سے رقص میں ہے وہ ایک نغمۂ بے ساز و بے صدا ہوں ہیں
جہاں نہ پھونک دیں آتش نوائیاں میری کہ سوزِ سینۂ اربابِ باصفا ہوں ہیں
تصورات کی آئینہ بندیاں بے سود تعینات کی دنیا سے ماورا ہوں ہیں
مجھے تلاش کرے اے بیخودیِ شوقِ سجود پہنچ کے منزلِ مقصد پہ کھو گیا ہوں ہیں
مجھے نہ چھیڑ بہت اے نسیمِ صبحِ کرم! تمام شوق و شکایت کا ماجرا ہوں ہیں
مٹا، نہ صفحۂ ہستی سے میرا نقشِ وجود کہ فخرِ عاشقی و نازشِ وفا ہوں ہیں

جگر! یہ ہرزہ سرائی مری، یہ بے ربطی
یقیں ہوا کسی مجذوب کی صدا ہوں ہیں

نغمۂ اسلام

ہر طرف غل ہے وہ آیا جگرِ بادہ پرست
اثرِ نشۂ صہبا سے سراپا بدمست
شعرِ حافظ بزباں جام بکف شیشہ بدست
بیخبر از ہمہ عالم چہ بلند است و چہ پست

شورِ مستانہ کہاں اور سخن وعظ کہاں
آج یہ رند کہاں، انجمنِ وعظ کہاں

جمع مومن بھی ہیں عالم بھی ہیں دیندار بھی ہیں
معتدل رنگ کے بھی لوگ ہیں احرار بھی ہیں
واقفِ ازِ سرِ پردۂ اسرار بھی ہیں
دیں کے طالب بھی ہیں دنیا کے طلبگار بھی ہیں

کیا سمجھ کر یہ چلے آئے ہیں اپنے جی میں
اُن سے پوچھو تو کوئی آپ ہیں کس گنتی میں

جانتا ہوں کہ ہوں درِ اصل میں ننگِ اسلام
کچھ نہ اندیشۂ آغاز، نہ خوفِ انجام
میری آشفتہ مزاجی میں نہیں کوئی کلام
وہی میخانہ و ساقی وہی بادہ وہی جام

مجھ کو اپنی روشِ خاص سے انکار نہیں
میرے مشرب میں ریاکاری و پندار نہیں

باہمہ رندی و سرمستی و عشرت طلبی، ہوں درِ احمدِ مرسل کا غلامِ نسبی
"مرحبا سیّد مکی مدنی العربی دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی"

کیوں نہ پھر رحمتِ باری کا طلبگار ہوں میں
ہاں مجھے فخر ہے اس پر کہ گنہگار ہوں میں

وہ رسولِ عربی، فخرِ رسولانِ سلف ذاتِ اقدس سے ملا جس کے زمانے کو شرف
جس پہ نازل ہوا قرآن سا کامل مصحف جس کے تابع جن و انساں بھی ملائک کی بھی صف

اک وہی شمعِ نبوّت جو ضیا بار ہوئی
ساری تاریک فضا مطلع الانوار ہوئی

ہر زمانے میں پیمبر بھی نبی بھی آئے مُصلحِ ملّی و ملکی بھی، رشی بھی آئے
حق کے جوئندہ بھی اور حق کے ولی بھی آئے واقفِ محرمِ سرِّ ازلی بھی آئے

آئے دنیا میں بہت پاک مکرّم بن کر
کوئی آیا نہ مگر رحمتِ عالم بن کر

کس نے جامِ مئے توحید پلایا سب کو؟ کس نے پیغامِ مساوات سنایا سب کو؟
راستہ کس نے حقیقت کا دکھایا سب کو؟ کس نے اس حسن کا دیوانہ بنایا سب کو

تم نے دیکھا ہے بہت دفترِ پیغام اس کا
اور ایسا کوئی گزرا ہو تو لو نام اس کا

تم میں صدیقؓ سا گزرا ہو، تو للّٰلہ دکھاؤ!　　　　تم نے فاروقؓ سا دیکھا ہو، تو للّٰلہ دکھاؤ
کوئی عثمانؓ سا آیا ہو، تو للّٰلہ دکھاؤ!　　　　کوئی حیدرؓ سا جو پایا ہو، تو للّٰلہ دکھاؤ

ثانیِ احمدِ بے میم تو کیا لاؤ گے
اسکی امت کی مثالیں بھی نہیں پاؤ گے

غم نہ کر مسلمِ حیرت زدہ و مہر طلب　　　　آشنا رنگِ فنا سے نہیں تیرا مذہب
یہ حوادث ہیں تیرے تیری ترقی کے سبب　　　　تیرے حامی ہیں نبیؐ تیرا نگہبان ہے رب

فتنے اکثر بہت اس طرح کے اُٹھوائے گئے
ایسے دجّال زمانے میں بہت آئے گئے

(کانپور)

ہلالِ عید

ناتمام

نقشِ دورِ ابتدائی

آہ، او عشرت فزائے روحِ انسانی ہلال!　　آہ، او قدرت نمائے شانِ یزدانی ہلال!
آہ، او فطرت لقائے بزمِ نورانی ہلال!　　آہ، او صورت کشائے ذوقِ وجدانی ہلال!

تو نویدِ انبساطِ خاطرِ پژمردہ ہے
حسرت، اس مایوس پر، اس پر بھی جو افسردہ ہے

دیکھتا ہوں میں تجھے تو دیکھتا ہے میرا حال　　جانِ مضطر، قلبِ آزردہ، پریشاں سر کے بال
تو دلیلِ اوج، رفعت میں سراپا پائمال　　آہ یہ دن، آہ یہ شب، آہ یہ شامِ ملال

از دلِ افگارِ جنوں، وجہِ دل افگاری مپرس
آہ، غمخوارِ غمم! حالِ غم آزاری مپرس

حال میرا پوچھتا ہے، مجھ سے تو اے بیخبر!　　ہو چکی تاریک، چشمِ یاس میں شام و سحر
آہ وہ غم کی کہانی بڑھ گئی ہے کس قدر　　جس کو میں سمجھے ہوئے تھا داستانِ مختصر

سال بھر پیچھے عیادت کو مری آیا ہے تو
لا دوائے اضطرابِ دردِ، کیا لایا ہے تو

خیر تو خاموش ہے، تو ہم سمجھتے ہیں یہ راز　　خیر تو چپ ہے، تو ہم خود ہی بجاتے ہیں یہ ساز
اُٹھ گئی تھی جب سے تیری جانب اک انگشتِ ناز　　ہے اُسی دن سے طبیعت تیری اس درجہ گداز

تیرے گھٹنے اور بڑھنے میں بھی پنہاں بھید ہے
تو قتیلِ غم نہیں ہے، زندۂ جاوید ہے

مجھ میں تجھ میں اک زمین و آسماں کا فرق ہے　　میں ہوں مضطر تو ہوائے دلکشی میں غرق ہے
تیرے آگے زرد چہرہ آفتابِ شرق ہے　　اور میرے واسطے تیری جھلک ہی برق ہے

ہاں، مگر اک امتیازِ عاشقی مجھ میں بھی ہے
جانتا ہوں میں کہ جو مجھ میں ہے وہ تجھ میں بھی ہے

فرق اتنا ہے کہ تو ہے کامیابِ آرزو　　ذرۂ حسرت ہوں میں، تو آفتابِ آرزو
اٹھ چکا ہے تیری نظروں سے حجابِ آرزو　　اور اب تک گم ہوں میں زیرِ نقابِ آرزو

لاکھ پر بھاری ہے، تیری ایک ہستیِ نحیف
دیکھ لینے سے ترے کھل جاتی ہے چشمِ ضعیف

اک زمانہ تھا کہ تھی میری طبیعت بھی گداز　　اب تو ہوں اک ہستیِ موہوم کا خاموش ساز
جلنے سجلنے تھے جبیں میں کر چکا صرفِ نیاز　　ہو چکی مہمانیِ غم، اُٹھ چکے اب دل کے ناز

بدر تھا پہلے، مگر اب میں ھلالی ہو گیا
ہجر میں اتنا گھلا، نقشِ خیالی ہو گیا

آ، کہ رخصت تجھ سے ہو لوں تیری رخصت دیکھ لوں آ، کہ دم بھر اور اپنا نقشِ حسرت دیکھ لوں

آ، کہ تیرے آئینے میں خطِ قسمت دیکھ لوں آ، کہ اپنے دیکھنے والے کی صورت دیکھ لوں

دیکھ کر صورت تری جاں اپنی دیدوں گا تجھے
اب کے دیکھا ہے تجھے اب کے نہ دیکھوں گا تجھے

برخویش نگاہے کُن

ناکمّل

نورِ مطلق کی ضیا، اس عرش کے تارے میں دیکھ
اپنی خوابیدہ حقیقت دل کے گہوارے میں دیکھ

اعتباری حسن پر یہ شورش و مستی تری
کچھ خبر بھی ہے تجھے! کیا چیز ہے ہستی تری

ختم ہونے کے قریب آیا ہے افسانہ ترا
خود پیامِ مرگ ہے محدود ہو جانا ترا

قعرِ پستی سے اُبھر اور اپنی خود آواز بن
نغمہ بننا ہے اگر، تو نغمۂ بے ساز بن

تو چھپاتا کیوں ہے؟ اپنے حسنِ عریانی کا راز
بوئے گل کی طرح پھیلا دے پریشانی کا راز

اک جدائی کے سبب ہنگامہ برپا ہو گیا
مل گیا دریا سے جب قطرہ تو دریا ہو گیا

تشنگی کو بحرِ ناپیدا کنارِ دل بنا
پھر اٹھی موجوں کو تو کشتی بنا ساحل بنا

ہر نفس میں تیرے پوشیدہ ہے میخانہ ترا
کل فضائے دہر اک چھوٹا سا پیمانہ ترا

زندگی کا راز پنہاں انتشارِ غم میں ہے
اک پیامِ مستقل ہر نغمۂ برہم میں ہے

غم سے وابستہ ہے ہر عنوانِ بابِ زندگی
ہے یہی بسم اللہِ اُمّ الکتابِ زندگی

(لاہور)

تخمیس بر غزل اُردو

غمِ عاشقی ہے، فغاں کو بکو ہے ہر اک لحظہ، منظر نیا، رو برو ہے
کہیں سبزۂ و گل کہیں دشتِ ہُو ہے تری آرزو ہے، تری جستجو ہے
خیال ایک جانب، نگہ چار سُو ہے،

محبّت ہی ناظم، محبّت ہی ناثر محبّت دکھاتی ہے کیا کیا مناظر
محبّت ہی باطن، محبّت ہی ظاہر محبّت ہی اوّل، محبّت ہی آخر
محبّت ہی مَیں ہوں، محبّت ہی تُو ہے

ترا وصل اچھا، ترا ہجر پیارا جو منظور تجھ کو ہمیں سب گوارا
ترا شعلۂ عشق، آنکھوں کا تارا پھڑکتی ہوئی جان کا غم سہارا
دھڑکتے ہوئے دل کی تسکین تُو ہے

وہ عارض شگفتہ گلِ باغِ جنّت وہ پیشانیِ صاف، صبحِ سعادت
وہ چشمِ سیہ سایۂ ابرِ رحمت وہ رنگِ نزاکت، وہ حسنِ لطافت
کلی کا تبسّم ہے پھُولوں کی بُو ہے

کہیں عشق ہی عشق ہے مست و رسوا کہیں حسن ہی حسن ہے بادہ پیما
غرض چھان ڈالی محبت کی دنیا ان آنکھوں نے دیکھا، یہی اک تماشا
کہیں میں ہی میں ہوں کہیں تو ہی تو ہے

وہ کہتے ہیں سب دل کے انداز کہیے محبت کا انجام و آغاز کہیے
ہر اک راز بے پردۂ راز کہیے کہاں تک غمِ عشقِ شیراز کہیے
کہ ہر آرزو محشرِ آرزو ہے

(مین پوری)

تخمیس بر غزلِ فارسی

گہے لختِ جگر سے فروشم گہے حاصلِ چشمِ تر سے فروشم
بہرگام لعل و گہر می فروشم نہ تنہا دل و جان و سر می فروشم
دو عالم بہ تیغِ نظر می فروشم

ازل سے ہوں خوگردۂ یاس و حرماں مری طبعِ خوددار ہے ناپشیماں
مبادا کہ ہو مشکلِ شوق آساں من آں دردمندم کہ در دردِ ہجراں
دعا می فروشم اثر می فروشم

جدا ہے زمانے سے میری طبیعت گوارا نہیں ایک دم، ایک حالت
وہی میں، وہی تو، وہی چشمِ رحمت چہ ایذا پسندم کہ در عینِ قربت
بہ شامِ جدائی، سحر می فروشم

سُنے تھے بہت میں نے بھی، یہ فسانے نگاہوں میں پھرتے تھے اگلے زمانے
دکھایا مجھے بھی یہ عشق و فنا نے بہر لحظہ می گیرم از غیب، جانے
بہر لمحہ، جانِ دگر می فروشم

تمہارے ہاتھ سے ہوں شہادت کا خواہاں نہ رکھ میری گردن پہ غیروں کا احساں
یہ جاں تیرے صدقے، یہ دل تیرے قرباں بہ تیغِ اشارت سر افراز گرداں
بگہ دِ سرائے تو سر می فروشم

بلندی ہی باقی رہی اب نہ پستی فدا تجھ پہ ہیں، اور مری مے پرستی
یہی ہے بس اب حاصلِ حسنِ ہستی خوشا ذوق و مستی، کہ ہم ذوق و مستی
سرت گردم و بے خبر می فروشم

غزل می سرایم چہ حال و چہ قال است خیال است مستی و مستی خیال است
بجانِ محبت، کہ خونم حلال است تجگرا ایں چہ شور و تجگرا ایں چہ حال است
کہ سر وا دم و باز سر می فروشم

(غالباً مین پوری)

مثنوی عرفانِ خودی

المعروف بہ

سرورِ حقیقت

میرا نہیں غیر کوئی محرم　　سب مجھ میں ہے کائناتِ عالم
غنچوں میں نہاں ہیں میرے اسرار　　پھولوں میں عیاں ہیں میرے انوار
ذرّوں میں چمک ہے میرے دم سے　　قطروں میں جھلک ہے میرے دم سے
ہر بام ہے، کوہِ طور میرا　　عالم پہ محیط، نور میرا
ہے جسم میں سب کے جان، مجھ سے　　وابستہ ہے کل جہان مجھ سے
میں جسم بھی اور جان بھی ہوں　　میں دل بھی ہوں، میں زبان بھی ہوں
یعنی یہ جہاں نہیں ہے میں ہوں　　میں کون و مکاں نہیں ہے میں ہوں
کعبے کی مرے سبب سے بنیاد　　بت خانہ مرے قدم سے آباد
ناقوس کہیں، کہیں اذاں ہوں　　نغمہ ہوں کہیں، کہیں فغاں ہوں
ہر قلب میں ہے، مقام میرا　　فیضان ہے سب پہ، عام میرا
حسن ایک نگاہِ ناز میری　　عشق، اک صفتِ نیاز میری

دریا، مری چشمِ تر سے پیدا صحرا، مری خاکِ در سے پیدا

کیا ان کا بیاں کریں زبانیں محدود نہیں ہیں میری شانیں

ہوش و خرد و ہوس سے باہر میں اُن کی دسترس سے باہر

اک بحر ہے میرے ظرف میں گم کُن میرے ہر ایک حرف میں گم

خود موت ہوں خود حیات ہوں میں خود ذات ہوں خود صفات ہوں میں

سب اصل و مجاز میرے اندر کونین کا راز میرے اندر

کھُلنے پہ جو آئیں میرے اسرار اوراق ہوں دو جہاں کے بیکار

اک بات میں سینکڑوں ترنم اِک چپ میں ہزارہا تکلّم

چہرے سے جو میں نقاب اُٹھا دوں پروانوں کو شمع سے چھڑا دوں

دامن کو اگر نچوڑ دوں میں، دریا کا غرور توڑ دوں میں

احساس کی آنکھ سے ہوں مستور اِدراک کی سرحدوں سے ہوں دور

کیوں کر ہوں مرے شمار، عالم ہر سانس میں ہیں ہزار عالم

لیکن بخدا خدا نہیں ہوں، اس کفر میں مبتلا نہیں ہوں

یہ شانِ عبودیت ہے میری خود ذات مری صفت ہی میری

پابندِ شریعتِ نبیؐ ہوں

خاکِ درِ دولتِ غنیؒ[1] ہوں

---

[1] مرشدی و ملجائی حضرت مولانا قاضی سید عبدالغنی منگلوری رحمۃ اللہ علیہ

واسوخت در غزل

دل ہی کو صنم بنائیں گے ہم　　آئیں گے کہیں نہ جائیں گے ہم
تجھ سے بھی سوا حسین بن کر　　اپنا سا تجھے بنائیں گے ہم
وہ دن بھی قریب ہیں کہ ظالم!　　تو روئے گا مسکرائیں گے ہم
باطن میں ترے قریب رہ کر　　ظاہر میں نظر نہ آئیں گے ہم
زندہ ہی رہے گی ہستیٔ عشق　　مرنے پہ بھی مر نہ جائیں گے ہم
چھٹتا ہے کہیں ترا تصوّر　　ساتھ آئے ہیں ساتھ جائیں گے ہم
تعمیرِ کنشتِ دل کو ڈھا کر　　اک کعبۂ نو بنائیں گے ہم
روپوش تری نظر سے ہو کر　　پھر دل سے تجھے یاد آئیں گے ہم
باطن میں ہو جو بھی دل کی حالت　　ظاہر میں بہت ستائیں گے ہم
ہر بات میں کر کے بات پیدا　　جب چاہیں گے روٹھ جائیں گے ہم
پہلے دے کر فریبِ وعدہ　　اُمیدِ کرم دلائیں گے ہم
پھر کر کے خرابِ شوق برسوں　　صورت نہ تجھے دکھائیں گے ہم
جنگل جنگل رُلانے والے!　　کونے کونے رُلائیں گے ہم
دیوانے کی بڑ سمجھ نہ اس کو　　جو کہتے ہیں کر دکھائیں گے ہم
بیزارِ جگر کی شرم رکھ لے　　کہہ دے ترے ناز اُٹھائیں گے ہم (دکرم بل مین پوری)

"میرے لئے"

اُف وہ روئے تابناک و چشمِ تر میرے لئے
ہائے وہ زلفِ پریشاں تا کمر میرے لئے

ہر نفس میں ایک دنیائے محبت نو بہ نو
ہر نظر میں اک پیامِ تازہ تر میرے لئے

حیف وہ لغزیدہ لغزیدہ قدم میری طرف
ہائے وہ دُزدیدہ دُزدیدہ نظر میرے لئے

وہ رُخِ رنگیں پہ انوارِ محبت زرد زرد
وہ لبِ نازک پہ طوفانِ شرر میرے لئے

سر سے پا تک آہ وہ اک پیکرِ حسنِ حزیں
چار جانب دیدۂ حسرت نگر میرے لئے

سرد سرد آہوں میں تاثیرِ محبت گرم گرم
خشک خشک آنکھوں میں جوشِ اشکِ تر میرے لئے

جوشِ غم، جوشِ حیا، آغازِ عشق احساسِ حسن
کشمکش سی کشمکش آٹھوں پہر میرے لئے

سامنے آتے ہی آتے وہ تنفس تیز تیز
سینۂ شفاف وہ زیر و زبر میرے لئے

وہ سرک جانا یکایک روئے تاباں سے نقاب
حیرت افزا رونقِ دیوار و در میرے لئے

ہر ادائے جاں نوازی حسن خیز و عشق بیز
پھر بھی ہم اک سعیِ پیہم بے اثر میرے لئے

اُف وہ آغوشِ تہی بیتاب آغوشِ دگر
اُف وہ دردِ شوق محتاجِ اثر میرے لئے

ہائے وہ رنگیں رُخ و سیمیں تن و زریں کمر
ہائے وہ لعلیں لبِ سلکِ گہر میرے لئے

شبنم آلودہ وہ آنکھیں وہ گلاب افشاں جبیں
وہ دھڑکتا دل وہ گھبرائی نظر میرے لئے

اُس نگاہِ ناز میں وہ ہلکی ہلکی جنبشیں،
معنیٔ بے لفظ و شرحِ مختصر میرے لئے

میں سراپا بے نیازِ ربط و ضبطِ حسن عشق		وہ مجسم حسن و عشق معتبر میرے لئے

وہ مری آزادِ فطرت وہ مری تمکین ہوش		وہ شکستِ حسن وہ نیچی نظر میرے لئے

اوّل اوّل آہ وہ دل میں مرے احساسِ عشق		آخر آخر اُف وہ نوکِ نیشتر میرے لئے

لحظہ لحظہ وہ مرا پیہم سکوتِ مضطرب		لمحہ لمحہ عالمِ نوعِ دگر میرے لئے

اُف وہ کہنا اس کا پھر باہوں میں باہیں ڈال کر
میں جگر کے واسطے ہوں اور جگر میرے لئے

(بلند شہر)

○

رباعی

صد شکر کہ پہلو میں مرے دل نہ رہا
وہ کشتۂ صد فریبِ منزل نہ رہا
یہ کیا کم ہے کہ تیرا بندہ ہے جگر
اس کا کیا غم کہ تیرے قابل نہ رہا

بادِ شیراز

کلامِ فارسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الف

○

اے اکہ می پرسی ز کارِ ما و جہدِ کارِ ما
چاک شد از دستِ ما ہر پردۂ اسرارِ ما

ما و یک نظارۂ نقش و نگارِ حسنِ خویش
شاہدِ طنازِ فطرت، آئینہ بردارِ ما

صد حقیقت عرض میکرد اے سکوتِ بیخودی!
پردہ دار حرفِ مطلب شد لبِ گفتارِ ما

صد بہارِ خلد یعنی خندۂ وزدیدہ است
شورِ محشر چیست؟ غوغائے پسِ دیوارِ ما

(فیروز پور)

○

بیا، بجانِ ما ببیں سرورِ جاودانِ ما
ہزار بادہ می چکد ز جانِ ما بہ جانِ ما

شراب و ساغر و سبو گل و بہار آب جو
دو صد جہانِ رنگ و بو، نمود یک جہانِ ما

گلے و جامِ سرخوشی خوشی و صد شگفتگی
شگفتگی و صد خوشی ز سرخوشی شانِ ما

نسیمِ شکرِ غم کند، وظیفہ دم بدم کند
سرِ نیاز خم کند، بہ خاکِ آستانِ ما

بیا بنوش جامِ مے، چہ جامِ مے؟ تمامِ مے
کہ ما و اذنِ عامِ مے خوش است ارمغانِ ما

کنوں بسوئے ما نگر، بہ رنگ و بوئے ما نگر
بہ حسنِ روئے ما نگر، چہ حاجتِ بیانِ ما

بہ ہر زمیں کہ جستہ ایم، طلسمِ تازہ بستہ ایم
غرورہا شکستہ ایم، گواہِ ما بیانِ ما

(خالد بابھاسی)

(ت)

○

آوارہ ہر نگاہ زجرمِ نگاہِ کیست؟ — دیدن گناہِ ماست، نہ دیدن گناہِ کیست؟
دیوانہ وار جاں نفشاندن گناہِ من — بیگانہ وار رُخ نہ نمودن، گناہِ کیست؟
پیدا زہر نگاہ خریدم ہزار حُسن — پنہاں بہ یک نگاہ ندیدم نگاہِ کیست؟
مست اند اہلِ درد و نہ بینند یک نفس — در دامنِ نسیمِ سحر خاکِ راہِ کیست؟
مطرب بزن سرود بہ اندازِ دلبری — ایں دشنہ باز خواں کہ نگاہم نگاہِ کیست؟
سرمستیم ربود بسے دل ز سینہ ہا — عکسِ نگاہ پرتوِ زلفِ سیاہِ کیست؟
عالم ہمہ نگاہ و صدائے زہر نگاہ — ایں عالمِ نگاہ، فریبِ نگاہِ کیست؟
شغلِ گناہ کردن، و رفتن گناہِ من — ذوقِ گناہ دادن و دیدن گناہِ کیست؟
ساقی! بریز بادہ و از کیفِ سرمدی — آں ہم یکے نگاہ، کہ گویم نگاہِ کیست؟
ہستی، تمام مستی، و مستی تمام کفر — دائم بہ جام و میکدہ کافر نگاہِ کیست؟

صد نقشِ سجدہ تا درِ بتخانہ دیدہ ایم
ایں ہم جگرا اشارہ طرفِ کلاہِ کیست

(مشاعرہ علیگڑھ) (مین پوری)

(د)

○

بوئے دل از غباری آید — شاید آں شہسوار می آید

این ندائے زوار می آید — جاں فدا کن، کہ یار می آید

عشق در ہر دیار نالہ کند — حسن از ہر دیار می آید

سینہ خالی کنید از دل ہا — یار، بہر شکار می آید

مژدہ اے دل! کہ بہرِ استقبال — رحمتش، بے قرار می آید

ہمنشیں رازِ عشق می پرسد — نالہ بے اختیار می آید

من بہ پنہاں جگہ تلاشش کنم

او مگر آشکار می آید

○

مست و سرشار وزیں بوئے صبا می آید — مژدہ اے دل کہ مسیحا، بہ قفا می آید

برو اے ناصحِ نادان! مکن اورا بدنام — کز جفا ہاش مرا بوئے وفا می آید

خواہ در صومعہ رو! خواہ بہ میخانہ نشیں! — او، بہر رنگ کہ خواہی، بخدا می آید

دلم از سوزِ تغافل، ہمہ تن شعلہ بجانست — ور کنم شکوہ، ازاں نیز حیا می آید

دیدنِ این نیست، کہ جاں تازہ چرا کرد نسیم

دیدنِ این ست، کہ آخر ز کجا می آید

گو بندؔ کہ ہم زاہد در دیدہ بصر دارد
دارد بصرے، اما تعیین نظر دارد

از ذات و صفاتِ او، آنکس کہ خبر دارد
ہر لحظہ و ہر ساعت دنیائے دگر دارد

بے کیفیِ دردِ عشق، صد کیف و اثر دارد
زیں سرِّ نہاں لیکن ہر کس نہ خبر دارد

زیں اصل و نزاکت ہا، زاہد چہ خبر دارد؟
کو حسنِ نظر دارد، جنّت بہ سقر دارد

آں کس کہ بخویش آمد، در بیخبری گم شد
واں کس، کہ ز خود گم شد، از جملہ خبر دارد

لرزیدن و رقصیدن، اے صوفی بے معنی!
ایں جملہ کہ تو داری، ہر شعبدہ گر دارد

در عین وصالِ او، یا ہم اثرِ دوری،
اے پیرِ رہِ عشقم! ایں پردہ، کہ بر دارد؟

از حُسن عمل غافل یک لحظہ مباش اے دل!
ہر شے کہ تو می بینی، واللہ کہ نظر دارد

مفتی بحقِ منصور، بنوشت عجب فتویٰ
"کافیست پئے قتلش، ایں جرم کہ سر دارد"

آں مے کہ بہ میخانہ، آتش زند اندر دل
در خانقہِ زاہد تاثیرِ دگر دارد

در عینِ فنائے عشق، از خضر چہ کار اے دل!؟
ایں رہ کہ بہ پیماید، از سایہ حذر دارد

من عاشقِ آں شوخم، کو از سرِ محبوبی
مانوس دلے دارد، بیگانہ نظر دارد

با جملہ قدح خواراں، ہر چند کہ ربطے ہست
با دُرد کشاں ساقی پیمانِ دگر دارد

در عاشقی و مستی، ہشیار بیا اے دل!
ہر ذرّہ دریں صحرا، طوفانِ شرر دارد

آں رندِ خرابات، ناش کہ جگر خوانی
بر رشتۂ صفائے تو، "ہم از تو نظر دارد"

(بدایوں)

○

لب بہ بستند و بہر موئے زبانم دادند
پا شکستند و بہر سوئے نشانم دادند

تاب از دل بربودند و فغانم دادند
تیر از دست ببردند و کمانم دادند

دل سرگشتہ و چشم نگرانم دادند
آنچہ دادند پئے شورش جانم دادند

○

کسے، کو چشم بیدارے ندارد
ز انوارِ خودی کارے ندارد

جنونِ عشق، اے دل! مستند نیست
اگر ہمرا آبلہ خارے ندارد

جنونِ عشق، مارا قید کردست
درآں زنداں کہ دیوارے ندارد

○

دل بہ تمنّا بمرد، جان بہ مسیحا رسید
ذرّہ بصحرا برفت، قطرہ بہ دریا رسید

ایں غمِ دنیا و دیں تا بہ کجا روز و شب
خیز! کہ بادِ بہار، بادے و مینا رسید

○

خبرے ہیچ، ز منزل گہِ جاناں نہ رسید
عمر آخر شد و افسانہ بپایاں نہ رسید

○

از شبابش شراب می ریزد
ز آفتاب، آفتاب می ریزد

○

عجب ہنگامہ، زیرِ بام کردند
تماشا خاص و سودا عام کردند

تنک ظرفی، خمارے کرد پیدا
مے دوشینہ را بدنام کردند

(۳)

در رہِ عشق شادماں بگذر! | ہم جواں خیز و ہم جواں بگذر!!
پردہ بردار! از رُخِ عالم، | واندراں بزم ناگہاں بگذر!!
گاہ نعرہ کناں و مست برو! | گاہ، با نالہ و فغاں بگذر!!
سینہ بشگاف و جلوہ حاصل کن! | جاں بکف آر و از جہاں بگذر!!
گر تو داری ہوائے ملکِ حبیب | خیز و از قیدِ جسم و جاں بگذر!!
پا بجولاں بہ پیشِ یار برو! | دست افشاں تو ازیں و آں بگذر!!
رہِ منزل شدست خارستاں | باز با چشمِ گل فشاں بگذر!!
درد اگر نیست، نالہ سنج مشو! | گر مکیں نیست، از مکاں بگذر!!
لطفِ نظّارۂ جمالِ حبیب | حاصل اینست و ہم ازاں بگذر!!

ہم چو نقشِ قدم جگر! منشیں
صورتِ گردِ کارواں بگذر!!

(اعظم گڑھ)

(ش)

کعبہ در پائے یار دیدم دوش ‏— ایں چہ گفتی جگر! خموش خموش

حسن پنہاں و جلوہ ہاست بجوش ‏— اصل خاموش و فرعہا بخروش

ہوش در مستی است و دل مدہوش ‏— نغمہ در ساز و ساز ما خاموش

سحرم آمد ایں ندا ز سروش ‏— سینہ بخراش و بیہدہ مخروش

از رہِ خانقہ گذشتم دوش ‏— خاست ناگہ، صدائے نوشا نوش

دل پریشاں حواس و حسن نیاز ‏— شیشہ نازک تر است و بادہ بجوش

اے اسیرِ تعینات جہاں ‏— تو چہ دانی، کہ چیست مستی و ہوش؟

بادہ پیش آر! تا کنم آغاز ‏— داستاں ہائے عشقِ آفت کوش

حسن در جنگِ زرگری است بہ عشق ‏— عشق را گو! کہ وا کند آغوش

عشق در بے لباسیم، فرمود ‏— "بجز ایں دیگرے لباس مپوش"

بے خبر رو! کہ ہوش در مستی است ‏— ہوشیار آ! کہ بیخودی است بہ ہوش

ایں بود، جسم ما شود بے حس ‏— آں مبادا، کہ جاں شود خاموش

گفتہ بودم، فسانہ از مستی ‏— تو شنیدی چہ راز عالم ہوش؟

قاضیا[1]! یک نظر بسوئے جگر ‏— آں کہ، یک خادم است و حلقہ بگوش

○

شب مہ است و لب جوئے و فتنہ ہا خاموش

بگیر! جام بگیر و بنوش!! بادہ بنوش!!!

[1] مراد ذات اقدس مولائی و مرشدی حضرت مولانا الحاج قاضی سید عبدالغنی شاہ صاحب منگلوری نوراللہ مرقدہٗ ۱۲ جگر۔

(دل)

آں کیست نہاں در غم؟ ایں کیست نہاں در دل
دل رقص کناں در غم، غم رقص کناں در دل
جاں از دل و دل از جاں، بیگانہ و مستغنی
گاہے بہ چنیں در جاں، گاہے بہ چناں در دل
سیری ز غم عشقش از وصل نشد ہرگز
صد شوق ہماں در جاں صد ذوق ہماں در دل
ہر آنچہ، نہانست ایں، سازند عیاں بر خلق
ہر آنچہ عیاں ست آں، کردند نہاں در دل

(اعظم گڑھ)

(۴)

○

دل عطا کن! تا درونش دردہا پیدا کنم دیدۂ دہ!! تا بروش دلربا پیدا کنم

از جلالِ غیرتت، صد طورہا برہم زنم وز جمالِ رحمتت، صد جلوہ ہا پیدا کنم

گہ زخونِ حلقِ خود، برپا کنم شورِ انا گہ زچاکِ سینۂ خود برقِ لا پیدا کنم

گہ زبارنگیِ صورت، در جہاں آتش زنم گہ زبے رنگیِ نسبت، رنگ ہا پیدا کنم

بیخودی در دہ! کہ مستانہ شوم بر تو فدا وز خودی بگذار!! مارا، تا خدا پیدا کنم

در زبانِ بے زبانی، ماجرائے گفتن است حکم فرما! تا صدائے بے صدا پیدا کنم

یک نگاہِ کارفرما از جہانِ دلبری کز فنائے خویشتن، ملکِ بقا پیدا کنم

الفراق، اے دل! کہ بہرِ دردِ می باید مکاں الوداع اے جاں!! کہ بہرِ یار جا پیدا کنم

یک دمے بگزار مارا، از نصیحت ہا جگر

تا، زآہِ مضطرب، دستِ دعا پیدا کنم

(اعظم گڑھ)

(۷)

اے دیدہ اگر خواہی! آہے زستمگر ہم
آہستہ بریز! آبے، تا لب نشود تر ہم

داریم بہ دل چیزے، نازک زگلِ تر ہم
اے موجِ نسیمِ صبح زیں طرز سبک تر ہم

او عین لطافت ہست شاید نہ شود بر ہم
اے عاشقِ نظارہ! دیدار سبک تر ہم

آں مے کہ بسے خوردم زیں پیش ہمی بوید
اے واعظِ خوش نیت! برخیز! زکوثر ہم

ایں موجِ نسیمِ صبح، دل را کہ بہ جنبا بند
می داشت مگر نسبت زاں زلفِ معنبر ہم

دل داشت بسے غم ہا، دیدیم مگر آخر
تاراجیِ افسر ہم، بربادیِ لشکر ہم

در سایۂ زلفِ او، چوں رفت زخود گم شد
آں آہ، کہ باز آمد زیں گنبدِ بے در ہم

تنہا نہ منِ بے دل، در ہجرِ تو رنجورم
صد خوں بہ فلک دیدم، از دیدۂ اختر ہم

زاہد، بہ نماز درج، یک جلوہ ز دورش یافت
من عکسِ رخش، دیدم نزدیک بساغر ہم

اے اہلِ وفا بینید! ایں طرفہ جفائے او
کاتش بزند در دل، در آب کند تر ہم

خاموش فغانے کن! ہر موئے زبانے کن!
زیں طرح جگر مخروش! تا وا نہ کند در ہم

(اعظم گڑھ)

نذرِ عقیدت

بحضور مرشدی و مولائی الحاج قاضی سیّد عبد الغنی شاہ صاحب منگلوری نوّر اللہ مرقدہٗ

مست و سرشار و غزلخواں می روم — از سرِ جاں سوئے جاناں می روم
جام در دست و صراحی دربغل — باچہ ساز و باچہ ساماں می روم؟
عشق دشوار است و شوقم رہنما — راہ پر خار است و آساں می روم
یوسفِ گم گشتہ ام در مصرِ عشق — باز سوئے پیرِ کنعاں می روم
در بلائے عشق خود را کردہ گم — در ہوائے شوق رقصاں می روم
دل بسویش بستہ فارغ از جہاں — رُخ بسویش کردہ، حیراں می روم
مستیٔ عشقت و بادرئے دوست — ہم بکفر و ہم بایماں می روم
معنیٔ عشق است، ترکِ ہر مطلب — منؔ بہ غم ہائے فراواں می روم
جاں ہمہ غم ساختہ، رقصم بہ عشق — دل ہمہ خوں کردہ خنداں می روم

خاکِ منگلور[1] است چوں دامن کشاں
از دو عالم دست افشاں می روم

(لکھنؤ یا گونڈہ)

[1] منگلور ضلع سہارنپور آستانۂ حضرت مرشدی و مولائی قدس سرہٗ (۲) حکم

صد مژہ انتظار را چہ کنم؟ — چہ کنم؟ جان زار را چہ کنم؟
کردم از روزگار قطع نظر — کشش روزگار را چہ کنم؟
او بکارست و ہم جہاں در کار — دل ناکردہ کار را چہ کنم؟
توبہ کردم ز مے پرستی، لیک — ابر و باد و بہار را چہ کنم؟
ترک یاری و یار آسانست — مشکل اینست، یار را چہ کنم؟
بوئے آں پیرہن بیار نسیم!! — بوئے باغ و بہار را چہ کنم؟
یار و باغ و دمن بہ صحرا است — دل وحشت شعار را چہ کنم؟
روئے رنگیں یار من بنما — ساغر زرنگار را چہ کنم؟
او بخواب است و فتنہ ہا بیدار — حسرت بے قرار را چہ کنم؟
ضبط چیزے است ناصحا لیکن — درد ہمت شکار را چہ کنم؟
آں گل و آں بہار ما را بس — ایں گل و ایں بہار را چہ کنم؟
ہجر دشوار و وصل آساں تر — لیک آئین یار را چہ کنم؟
موج خوں از سرم گزشت جگر — من لب جوئبار را چہ کنم؟

من کہ آزار کش غمزۂ خوں ریز توام — معذرت خواہ نگاہ کرم آمیز توام
شادم از لذت دیدار و ز سرمستی شوق — بیخبر از اثر حسن دلاویز توام
نگہ لطف بفرما بہ من زار کہ من — نو گرفتار خم زلف بلاخیز توام

(ن)

○

بہ نشیں بخیال او، وز در دیک آہے کن
زاں بعد، ز سرتا پا بر خویش نگاہے کن

زلف، از رُخ خود بر دار! وز لطف نگاہے کن
یعنی شب تارم را، رشکِ شب ماہے کن

(۵)

○

مطرب بزن! سرودے ساقی! بیار! بادہ
تا جاں شود منور، تا دل شود کشادہ

در شوقِ آرزویت سرگرمِ جستجویت،
ہم عاشقانِ رنگیں، ہم زاہدانِ سادہ

حُسنے و خونِ عاشق، عشقے و خوئے تسلیم
او تیغِ ناز در کف، من سر بہ پا نہادہ

دل ہا کہ تیرہ گشتند، از زنگِ کفرِ غفلت
روشن نمی تواں کرد، اِلّا ز نورِ بادہ

چوں در بہشت رفتم، دیدم ہمیں تماشا
زہّادِ خشک و خشک و حورانِ سادہ سادہ

در کوئے مے فروشاں دیدیم زاہداں را
سجادہ رہن کردہ، تقویٰ بہ باد دادہ

○

اے کہ ز روئے عاشقاں پردہ برخ کشیدۂ!
جامۂ صبر و عقل و ہوش از ہمہ جا دریدۂ!

از دلِ من نہاں مشو! اے کہ تو جانِ عاشقی!
از نظرم نہاں مشو! اے کہ تو نورِ دیدۂ!

بیخبرم ز خویشتن، ورنہ تو صد ہزار بار
گاہ ز جاں گزشتۂ گاہ بہ دل رسیدۂ

(ی)

نذرِ عقیدت بحضورِ اقدس مولائی و مرشدی قدس اللہ اسرارہٗ

دیدیم بہ میخانہ، پیرے ز جواں اولیٰ
مژگانش بہ از تیر و ابرو ز کماں اولیٰ

از عشرتِ بے عشقت صد آہ و فغاں اولیٰ
ایں دردکہ تو دادی! واللہ کہ زجاں اولیٰ

از بارگہِ حسنش یک شمہ مپرس! از من
راز یست، کہ می فہمد چشم نگراں اولیٰ

ایں یک ستمِ ظاہر خوش تر ز ہزاراں لطف
واں یک نظرِ پنہاں، از ہر دو جہاں اولیٰ

صد سود بہ من گفتی از ترکِ غمش ناصح!
ایں نکتہ نہ فہمیدی! در عشق زیاں اولیٰ

از قربت و از دوری، ہر آنچہ بہ پسندی
حقّا کہ ھماں خوش تر حقّا کہ ہماں اولیٰ

ہر چند دریں وقتے تمکین تو ہم خوب است
در مصلحتم لیکن مستی ست ازاں اولیٰ

ایں نظم حبؔ گر گفتی، گل گفتی و در سفتی
ایں رنگِ زباں بہتر، ہم حسنِ بیاں اولیٰ

○

مست است جگر از مے مست مے ناب اولیٰ　　او خانہ خراب ہست او را خانہ خراب اولیٰ

من طالبِ آزارم، آرام نمی خواہم　　بر جانِ من خستہ صد گونہ عذاب اولیٰ

از خرقہ و عمامہ، من ہیچ نمیدانم　　گہ گہ، مگر ایں ساماں در رہنِ شراب اولیٰ

بسیار بدم گفتی، وز من بشنو واعظ!　　از ہر دو جہانِ تو، یک جامِ شراب اولیٰ

من عاشقِ شیدایم، از غیر ندارم کار　　کز مہرِ فلک از تو، صد چشمِ عتاب اولیٰ

من ساغرِ مے در کف، مطرب تو بخواں بر دف　　صد تو بہ بصد طاعت غرق مے ناب اولیٰ

تا کے جگر ایں مستی، بشنو سخنِ حافظ

رندی و خراباتی، در عہدِ شباب اولیٰ

○

اے آنکہ بہم کردہ ہشیاری و سرمستی　　یک جرعہ خدارا دہ زاں میکدہ ہستی

غافل ز دلم منشیں، اے جان ز سرمستی　　صد نغمہ برانگیز و سازے کہ تو بشکستی

صد حسن درآں پنہاں، صد جلوہ ازاں پیدا　　قربانِ نگاہِ تو، نازیم بایں مستی،

از اوّلِ گامِ عشق، کردیم نثارِ حسن　　دنیا و غمِ دنیا ہستی و غمِ ہستی

گہ تا فلک اندیشم گہ بیخبر از خویشم　　گاہے بچناں ہوشے، گاہے بچنیں مستی

آں رندِ خراباتت نامش کہ جگر خوانند

صد ہوش بجاں دارد، بایں ہمہ سرمستی

(دیا ہو نکی یا گنڈہ)

○

گر از سرے بیابم صد عمرِ جاودانی — بر من حرام بادا، اے دوستِ زندگانی

ہیچ است زندگی و اسبابِ زندگانی — بگذار تا بسوزم ایں پردہ ہائے فانی

کارے ست مشکل، اما اے دل! اگر تو دانی — دریاب زندگانی، از اصل زندگانی

عمرے ست فانی، اما عمرے ست جاودانی — اے گوشہ گیرِ خلوت! ایں نکتہ ہا چہ دانی

یک جامِ تند ساقی! تا فاش فاش گویم — زاہد خبر ندارد ز اسرارِ زندگانی

ہم از برائے قتلش دستِ قضا ست پنہاں — پیری کہ در ربود ست تاج از سرِ جوانی

ایں نہ رواقِ اخضر در پائے او فگندہ — کو ہیچ شئے ندارد جز دردِ جاودانی

من نہ ابتدائے عشقت کاہیدہ تر ز کاہم — طاقت کجا، کہ چینم گل از رخِ جوانی

عشقم چہ کار کرد و حسنت چہ گل شگفتہ — ایں نہ ازاولین ست، من دانم و تو دانی

ہر روز فیض گیرم از روحِ قدس حافظ
بر من جگر گواہ است ایں جوشِ ایں معانی

(اعظم گڑھ)

○

ہر دم زنارِ تازہ با عاشقاں بہ بازی — گاہے نہ دل گدازی، گاہے نہ جاں نوازی

اے آنکہ یک اشارت صد عقدہ ہا کشادہ — رحمے بحالِ ما ہم شاہنشہِ حجازی

برخیز و از سرِ صدق در راہِ او قدم زن
تا کے جگر! بہ مستی، تا کے بہ عشق بازی

○

فارغ ز خزانے و ہم از باغ و بہارے — مائیم و خیالِ رُخِ خورشید نگارے
دیدم بہ درِ دیر عجب شعبدہ کارے — میخانہ بدوشے و گلستاں بکنارے
بربادیٔ ما پرس ازاں سینہ فگارے — در عینِ بہارے کہ جدا شد ز بہارے
چیزے منگر بر تنِ لاغر ز بہارے — افسانۂ ما پرس ز نوکِ سرِ خارے
نفسم بہ ہوائے من و دردیم طرفِ عقل، — دشمن بہ کمینے و نگاہم بہ بسیارے
یک داغ ز آزارِ تپِ عشق بہ سینہ — این ست خزانے و ہمین ست بہارے
اشکم سرِ مژگاں ست کہ شبنم بہ سرِ شاخ — شبنم سرِ شاخ ست، کہ منصور بہ دارے
صد بار گذشتیم ز ہر مرحلۂ عشق — حیرت بہماں طرزِ ادا آئینہ دارے
بلبل ہمہ تن غرق شد و گل شد ہمہ تن چاک — اے وائے بہارے اگر ایں ست بہارے
اغیار بدل خندہ زن و دل بتو مشغول — خلقے پسِ دیوانہ و دیوانہ بکارے

اے خسروِ خوباں! نظرے کن ز سرِ مہر
افتادہ بہ کویت جگرِ سینہ فگارے

(اعظم گڑھ)

○

من راست بگویم دارم گلِ جانے — گلچیں! اشارہ فرما، بلبل! بدہ نشانے
آں جامِ ہوش در کف، ایں پائے عقل در گل — آں ست عشقِ جاناں، ایں ست عشقِ جانے
اے جانِ بیقراراں! تا کہ ز درد دل آ — کز سوزِ اشتیاقت کار آمدہ بجانے
ہمت اگر تو داری، در عشق کوش اے دل! — ایں جانِ تازہ برگیر از بارگاہِ جانے

○

شب میکدہ چو رفتم، دیدم عجب بہارے | ساقی ست مست و بیخود، رندا است ہوشیارے
در شوق ماہ روئے دریاد گلعذارے | ہر جا نظر فگندم دیدم بہشت زارے
شوقے و درد وصلے، صبحے و ہجر بارے | ساقی! بادہ پیالہ، تا بشکنم خمارے
دیر و زیر در دیر، دیدم عجب نگارے | پیمانہ در نگاہے، میخانہ در کنارے
آنجا کہ نیست ساقی! اندیشۂ خمارے | زاں میکدہ عطا کن، یک جام زر نگارے
ہشیار مگذر اے دل! در راہِ عشق و مستی | ہر موج مے دریں جا، بحر لیست بے کنارے
رازے عجب شنیدم از عاشقے کہ می گفت | ماییم ہجر و صلے، وصلے و ہجر بارے
در عاشقی و مستی مگریز از ملامت | کایں خاک راہ کویش تاجیست زر نگارے
ہر قطرہ کہ بینی، در آب زندگانی | ہم موج و ہم سفینہ ہم بحر و ہم کنارے

آں راکہ شرح کردند، ایں ست کُل فسانہ
منصور بود شخصے مشہور شد ز دارے

(اعظم گڈھ)

○

تو اے کو نرگس مستانہ داری | بیک ساغر عجب میخانہ داری
من بے دل نہ تنہا عشق خیزم
تو ہم افسانہ در افسانہ داری

سراپا

دل بُرد از من، دیروز شامے | فتنہ طرازے، محشر خرامے
روئے مبینش، صبح تجلّیٰ | لوحِ جبینش، ماہ تمامے
مشکیں خطِ او، سنبل بہ گلشن | لعلیں لبِ او، بادہ بہ جامے
چشمے کہ کوثر یک جرعۂ او | قدّے کہ طوباش ادنیٰ غلامے
عارض چہ عارض، گیسو چہ گیسو | صبحے چہ صبحے، شامے چہ شامے
آں تیغ ابرو، واں تیرِ مژگاں | آمادہ ہر یک بر قتلِ عامے
برقِ نگاہش، صد جاں بہ دامن | زلفِ سیاہش، صد دل بہ دامے
ہر عشوۂ او، شیریں معامے | ہر غمزۂ او، رنگیں پیامے
از جسم لرزاں لرزاں دو عالم | در زلف برہم، برہم نظامے
گاہے بہ مستی طاؤس رقصاں | گاہے بشوخی، آہو خرامے
از بارِ مینا، لرزش بدستے | در کیفِ صہبا لغزش بگامے

گفتم چہ جوئی؟ گفتا دل و جاں
گفتم، چہ خواہی؟ گفتا فلامے

(اسٹیشن ہریاوان ضلع رائے بریلی)

پیرویِ صحابۂ کن، اُسوۂ پنجتن نگر

خطاب بہ مسلم

چشم کشاد جانبِ رزم گہِ وطن نگر — مقتلِ کانپور بیں، لاشۂ بے کفن نگر

خونِ حیات سو بسو، خاک سرشتہ مو بہ مو — حلق بُریدہ کو بکو، بچہ و مرد و زن نگر

عشقِ نظّارہ ساز را برق بہ خانماں ببیں — حُسنِ نظارہ سوز را شعلہ بہ پیرہن نگر

بر تنِ حسنِ نازنیں، آہ ز فرق تا قدم — زخم شفق شفق ببیں، داغ چمن چمن نگر

دیدۂ عشوہ زا کجا؟ خفتہ بخوابِ مرگ بیں — شوخیِ رنگِ رُخ کجا؟ سرخیِ پیرہن نگر

طفل و جوان و پیر را صف بصف و بہم بہم — دست جدا از ساعد و فرق جدا ز تن نگر

بچّہ شیر خوار را پیشِ نگاہِ مادرش — چاک ز سینہ تا کمر، کشتہ و بے کفن نگر

حاکمِ شہر را کہ بود، ثانیِ شمر بالیقیں — آہ بجائے قید و قتل، سیر کنِ وطن نگر

باز بیا بہ آگرہ، دجلۂ خوں نظارہ کن — باز برو بہ کاشمر، کشتن و سوختن نگر

حیف بریں نتیجۂ نظم و نظامِ ذہنیت — تیغِ جفائے ہم وطن بر سرِ ہم وطن نگر

ہائے ازیں گزندگاں، وائے ازیں زندگاں — ہند و بہارِ ہند را بسمل و خستہ تن نگر

تازہ بتازہ خونِ خلق، موج بموج جوئے خوں — نعرۂ حریت شنو، آں لب و ایں دہن نگر

آں ہمہ ہا کہ بنگری، داں ہمہ ہا کہ بشنوی — پردہ بسوز و صورتِ بانیِ صد فتن نگر

اے! کہ تو حق نہادۂ مسلمِ پاک زادۂ
در چہ بلا فتادۂ؟ خیز و بخویشتن نگر

دشمنِ آدم آدمے ہم سخنے، نہ ہمدمے — چشم کشاد یک دمے، فتنۂ اہرمن نگر
آں ہمہ لغزش و خطا، ایں ہمہ سازش و دغا — خلوتِ اہلِ دل ببیں، جلوتِ اہلِ فن نگر
بدعت و شرک وافتراق، فسق و فجور و ہم نفاق — جملہ بہ حسنِ اتفاق، ہمدم و ہم سخن نگر
گاہ بہ کسوتِ طبیب، روئے اجل نظارہ کن — گہ بہ لباسِ راہبر، صورتِ راہزن نگر
نے خبر از حقیقتے، نے اثر از شریعتے — یک سخنے ازاں بپرس، یک نگہے بمن نگر
خدمتِ بے سبب کجا، طاعتِ خاص رب کجا؟ — سادگیِ عرب کجا، خیز و در انجمن نگر
آتشِ قہر آشکار، برقِ عناد شعلہ بار — صورتِ شیخ را ببیں، سیرتِ برہمن نگر
خیز و بیا، نظّارہ کن، دل ہمہ پارہ پارہ کن — شوکتِ رفتہ را مجو، عبرتِ انجمن نگر
جسم بہ فاقہ زار زار، روح ز درد بیقرار — مادرِ ہند اشکبار، مفلسیِ وطن نگر

وجہ ز مفلسی مپرس، سیم و زر وطن مجو
رخ بنما بہ لندن و سیم و زرِ وطن نگر

جرم و خطا روا بیتے، عذر و دغا شکایتے — جورِ فرنگیاں مپرس، دار ببیں، رسن نگر
گاہ بہ رشتۂ معدلت، شانِ نظر نظر ببیں — گہ بہ جبینِ خسروی، طرزِ شکن شکن نگر
گاہ بیا بہ شہر و دیہہ، شورشِ دار و گیر بیں — گاہ برو بہ سرحدِ وادیِ بزن بزن نگر
حدتِ افتراق بیں، ندرتِ اشتقاق بیں — فطرتِ چست و چاق بیں، حکمت و علم و فن نگر

شانِ امارتے ببیں، طرزِ سیاستے ببیں — ایں ہمہ لعنتے ببیں، واں ہمہ بر وطن نگر
گاہ بہ لب شکایتے، گہ ز غلام زادگاں، — دعوی آشتی شنو، نازشِ حسنِ ظن نگر

نغمۂ سرمدی کجا؟ جلوۂ احمدی کجا
سایۂ ایزدی کجا؟ غصۂ اہرمن نگر

شکوۂ غیر تا کجا، قصۂ جور تا بکے — آنچہ بخویشتن گزشت، آہ ز خویشتن نگر
مسلم ہند زادۂ، پند بگیر و گوش کن — آنچہ بخویشتن گزشت، آہ ز خویشتن نگر
ہمتِ دل بجوش آر، جاں ہمہ در خروش آر — پیروی صحابۂ کن، اسوۂ پنجتن نگر
فلسفہ سنجیِ علل، ایں ہمہ وحشت و خلل — زود بکوش در عمل، باز بخویشتن نگر
بادِ مراد می وزد، سبزہ و غنچہ می دمد — رشحۂ فیض می چکد، رحمتِ ذو المنن نگر

ساغرِ جہد نوش کن، طاعتِ می فروش کن
باز روش خرام، باز چمن چمن نگر

(دکھل مین پوری)